

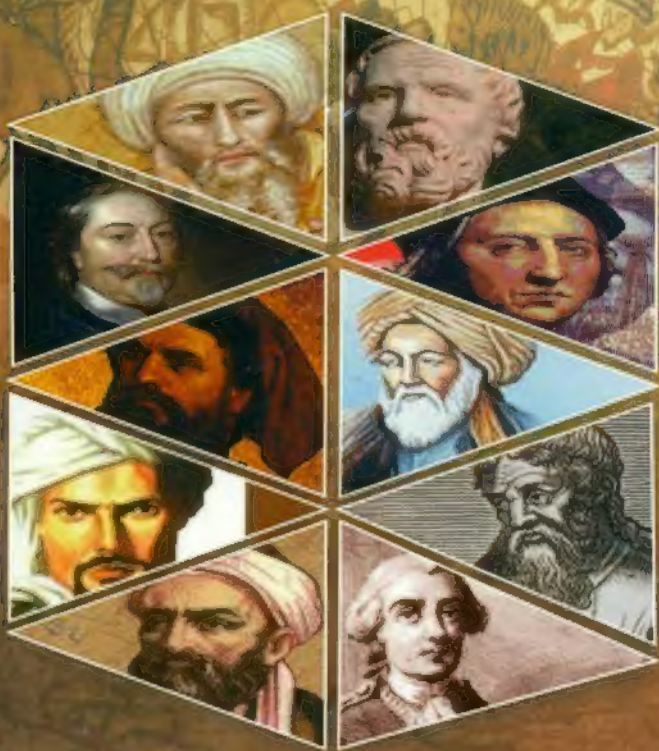
THE FAMOUS TRAVELERS
OF THE WORLD AND THEIR TRAVEL BOOKS

بیک فورٹ 100 میگزین

دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے

زمانہ قبل از مسیح سے عصر حاضر تک

دنیا کے مختلف خطوں کی سیاحت کرنے والے 100 سیاحوں کا احوال
اور ان کے سفر ناموں کے متعلق بیش قیمت معلومات



ترجمہ و تحقیق: اخلاق احمد قادری

THE FAMOUS TRAVELERS OF THE WORLD
AND THEIR TRAVEL BOOKS

دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے

زَمَانَهُ قَبْلُ اَز مَسِيح سے عصرِ حاضر تک

دنیا کے مختلف خطوں کی سیاحت کرنے والے 100 سیاحوں کا احوال
اور ان کے سفر ناموں کے متعلق بیش قیمت معلومات

ترجمہ و تحقیق:

اخلاق احمد قلاذری

بک فورٹ

ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز

ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ، سنت نگر، لاہور۔

E-mail : zmdin786@hotmail.com

جملہ حقوق پبلشر و مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے

زمانہ قلم از مسیح سے عصر حاضر تک

تحقیق و ترتیب: اخلاق احمد

سرورق: احسن گرافکس

ناشر: زاہد محی الدین

اشاعت: 2018ء

پرٹرز: ہاشم اینڈ حماد پریس، لاہور

قیمت: 700/- روپے

ملنے کا پتہ: بک فورٹ، ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32،

غنی محلہ، سنت نگر، لاہور۔ فون نمبر: 0300-4931320

Email: bookfort.zmdin@gmail.com

فہرست

13	پیش لفظ.....	○
15	سفر نامہ اور اس کی ابتدا.....	○
15	سفر نامے کا تاریخی ارتقا.....	○
18	دنیامون اور اس کی سفری سرگذشت.....	(1)
	دنیا کے قدیم کے اولین مصری سیاح کا تحریری احوال	
18	دنیا کے قدیم کے دور کی تاریخ.....	○
19	قدیم مصر کی ایک تاریخی دستاویز.....	○
21	300 ق م - میگاستھینز.....	(2)
21	ہندوستان کا اولین مغربی سیاح.....	
21	ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا پہلا مغربی سیاح.....	○
21	زمانہ حال تک سب سے زیادہ مستند کتاب.....	○
22	ضابطہ فوجداری اجماعی انگلین.....	○
22	ہندوستانی سماج کی سات طبقات یا ذاتوں میں تقسیم.....	○
23	100 ستونوں کا محل.....	○
24	399 ق م - کسینوفون.....	(3)
24	اندرون ملک کی طرف سفر.....	
24	کرائے کے فوجیوں میں بھرتی.....	○
25	اپنے وطن ایتھنز کے خلاف بغاوت.....	○
25	اپنی کتاب کی اشاعت فرضی نام سے.....	○
25	صرف سفر نامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب.....	○
26	زمانہ قدیم کا سفر نامہ.....	○

- (4) 450 ق م - ہیردوٹس 27
- دنیا کا اولین جہاں نور و سیاح 27
- بابائے تاریخ 27
- تھورا آئی کے ایک چوک میں اس کی اصلی یا فرضی قبر 28
- تواریخ 28
- اپنی جہاں کا آپ سامان 28
- فروغ خوف نے اپنی بیٹی کو قبر خانے میں شہاد دیا 29
- (5) 140 عیسوی - پاؤساناس 30
- دنیا کا اولین مغربی سیاح 30
- کتاب کی تکمیل میں بیس سال 30
- ”ہیان یونان“ اپنی طرز کی اولین تصنیف 31
- سیاحوں کا ہدایت نامہ 31
- ہیان یونان میں یادگار عمارتوں، مقبروں، مجسموں اور دیگر فن پاروں پر مکمل معلومات 32
- (6) 399ء - قاہیان 33
- بدھ مت کا نامزد سیاح 33
- تین سو سال گزرنے کے باوجود بدھ مت کی علمی اور مذہبی معلومات کی کمی 33
- سفر کرنے کا مقصد 33
- صحرائیں بدروحوں کی موجودگی 34
- دنیا کی چھت 34
- پاکستان کے علاقے میں دو سالہ قیام 34
- حضرت آدمؑ کے قدموں کا نشان 35
- (7) 602ء - ہیون سانگ 36
- دنیا کا ایک مشہور چینی سیاح 36
- مذہب کی تبدیلی 36
- بدھ مت کے علمی مسائل کا حل صرف ہندوستان میں 36
- مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں کا سفر 37

- 37 سوتیلی ماں کی سازش *
- 39 838ء ابنن کا سفر نامہ یاروز نامچہ (8) *
- 39 دنیا کا پہلا جاپانی سیاح جو تانگ عہد کے چین کی سیاحت پر نکلا *
- 39 چین کے متعلق ایک دستاویز کی حیثیت *
- 40 بدھ مت کے خلاف عائد کردہ پابندیاں *
- 40 رہبانیت کا امتحان *
- 42 550ء - کوماس (9) *
- 42 550ء میں بحر قزوم اور بحر ہند میں کیے گئے سفروں کی روئیداد *
- 42 سفر *
- 43 جہاں کالی مرجع آگتی ہے *
- 44 941ء- 915 I - المسودی (10) *
- 44 عہد اسلامی کا بھرپور ڈٹس جس نے سیاحت بھی اسی کی طرح کی اور تاریخ بھی لکھی۔ *
- 45 کثیر التصانیف (30 جلدوں کا) مصنف *
- 45 انسانی نسلوں کی تاریخ کا احاطہ *
- 46 جغرافیائی حالات پر مکمل آگاہی *
- 47 973ء - ابن حوقل (11) *
- 47 ابن حوقل کی مشہور زمانہ کتاب ”صورة الارض“ پہلی اسلامی اطلس *
- 49 922ء - ابن فضلان شمالی یورپ اور اسکیٹھڑے نیویا کا پہلا مسلم سیاح (12) *
- 49 وولگا کے بلغاری بادشاہ کے دربار میں بھیجا جانے والا سفیر *
- 50 شاہ بلغاری کی خلیفہ کو اپنے ملک میں تبلیغی وفد بھیجنے کی اجازت *
- 50 وائیکنگو (روسی) *
- 51 یاجوج ماجوج *
- 52 985ء - بشاری مقدسی (13) *
- 52 مشہور عرب سیاح اور جغرافیہ داں، مصنف احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم *
- 52 مسلم جغرافیہ دانوں میں ممتاز مقام *
- 52 اپنے پیٹرو مسلم جغرافیہ دانوں کے کام پر تنقید *

- 53 جغرافیہ کے موضوع کو ایک نیا رخ *
- 53 پوری دنیا کے اسلام کو چودہ اقلیم یا خطوں میں تقسیم *
- 55 1010ء - البیرونی (14) *
- 57 1061ء - حکیم ناصر خسرو (15) *
- 57 پیدائش اور ابتدائی حالات *
- 57 الہامی خواب *
- 58 مسلک کی تبدیلی کی وجہ سے پریشانی کا سامنا *
- 58 ناکمل اور محرف تصانیف *
- 60 1080ء - ابو حامد غزالی (16) *
- 60 زندگی بھر کے لیے سیاحت سے وابستگی *
- 61 کتابوں پر مشروح تراجم *
- 62 1183ء - ابن جبیر اندلسی (17) *
- 62 اندلس میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں *
- 62 گورنر کی نگاہ میں ایک خاص مقام *
- 63 اسکندریہ آمد *
- 64 سرزمینِ حجاز کے لیے روانگی اور عمرہ ادا نیگی *
- 64 مدینہ منورہ روانگی *
- 65 1188ء - حیر الدآف ویلز (18) *
- 65 ویلز کی تاریخ پر اہم دستاویزات *
- 65 تبلیغ کے ذریعے صلیبی جنگجو بھرتی کرنے کا فریضہ *
- 66 تبلیغی مہم کے دوران 760 میل کا فاصلہ *
- 67 1165ء - الادریسی (19) *
- 67 دنیا کے نقشے کا مکمل بیان *
- 68 بادشاہ کی درخواست پر پلرموس میں مستقل قیام *
- 68 چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا نقشہ *
- 69 قرون وسطیٰ کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا *

- 69 یہ تصنیف یورپی یونیورسٹیوں میں علم جغرافیہ کی نصاب میں رائج رہیں *
- 70 1179ء - یاقوت الحمودی (20) *
- 70 جنگل قیدی کی حیثیت سے بغداد آئے *
- 71 خارجیوں کے کتب خانوں سے متاثر *
- 71 یاقوت کی بحکم البلدان - آٹھ سو سال قبل کی ایک تاریخی دستاویز *
- 72 قرون وسطی کا محترم ترین *
- 73 1245ء - گیوانی دایمان ڈیل کارپائن (21) *
- 73 اوگدائی خان کا قبضہ *
- 73 پہلی روسی کیتھولک سفارت بھیجے کا فیصلہ *
- 74 دودھ پیتے ہوئے آگ کے "الاد" میں سے گذرنا *
- 74 3000 میل کا یہ سفر 106 دن میں طے کیا *
- 75 واپسی کا طویل اور دشمن سفر *
- 76 1260ء - مارکو پولو، قبلائی خان کے دربار میں سفیر یورپ اور عظیم سیاح (22) *
- 77 پینک میں مالی شان محل کی تعمیر *
- 77 پانچ بادشاہ آپس میں سکے بھائی *
- 79 1320ء - حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت (23) *
- 79 سورج کی سیاحت کا قصہ *
- 80 خرقہ تبرک سے سرفراز ہونا *
- 80 چالیس خانقاہیں *
- 80 معافہ کر کے کراٹش جھین لینا *
- 82 1325ء ابن بطوطہ (24) *
- 82 ذوق سیاحت کی تسکین *
- 82 سیاحت کا جنون اور حصول علم کا حشاشی *
- 84 قاضی کے مہدہ پر فائز *
- 85 1419ء - غیاث الدین نقاش (25) *
- 86 سفارت کی واپسی *

- 86 ایک اہم تاریخی دستاویز..... ○
- 88 1419ء - گولڈوڈی کوئی..... (26) ○
- 88 گولڈوڈی کے سفر مشرق..... ○
- 89 دیت نام کے لیے روانگی..... ○
- 90 مصالحوں کے جزیرے..... ○
- 91 1487ء - پری رئیس..... (27) ○
- 91 پہلا بحری نقشہ..... ○
- 91 اسکندریہ کی فتح..... ○
- 92 ہرن کی کمال پر نقشہ..... ○
- 94 1436ء - کوناڈ گروئن برگ..... (28) ○
- 94 باتصویر "سفر نامہ زیارت یروشلم"..... ○
- 94 مزار مسیح کا بہادر..... ○
- 96 1492ء - کولمبس..... (29) ○
- 96 نئی دنیا کی دریافت..... ○
- 96 زمین گول ہے..... ○
- 96 ایک نئے بحری راستہ کی تلاش..... ○
- 97 کسمپری کی موت..... ○
- 98 1554ء سپدی علی رئیس..... (30) ○
- 98 بحر ہند کا کپتان..... ○
- 99 صراط کی بندرگاہ پر آمد..... ○
- 99 اناطولیہ کا سفر..... ○
- 99 سیاحت کے شوق کی بے قراری..... ○
- 101 1521ء - ڈیورٹ بارلوسہ..... (31) ○
- 103 1537ء - فرناؤ مینڈیز پائو..... (32) ○
- 106 1589ء - محمد قاسم ہندو فرشتہ..... (33) ○
- 108 1607ء - رچرڈ ہیکوٹ..... (34) ○

- 109 1615ء۔ سر طاس رو۔ (35)
- 111 1635ء۔ اولیاء علی۔ (36)
- 114 1654ء۔ ڈاکٹر فرانس بریئر۔ (37)
- 117 1655ء۔ جین پینٹ ٹوریر۔ (38)
- 118 دوسرا سفر مشرق۔ *
- 118 اس کے بعد کے سفائر۔ *
- 120 1656ء۔ گولس مینوچی۔ (39)
- 120 60 سال ہندوستان میں سکونت۔ *
- 123 1716ء۔ لیڈی میری ورٹے موٹکو۔ (40)
- 123 ترک خواتین سے صوفیہ کے ایک جنام میں ملاقات کے تاثرات۔ *
- 124 حسن کی دولت سے محرومی۔ *
- 124 سزائے موت کی منسوخی۔ *
- 126 1760ء۔ جمہور باسویل۔ (41)
- 126 بہترین سوانح عمری۔ *
- 126 مسلک کی تبدیلی۔ *
- 127 تحریک غلامی کی منسوخی میں شمولیت۔ *
- 129 1786ء۔ گوسے یوہان وولف گامک وان۔ (42)
- 132 1770ء۔ جمہور برس۔ (43)
- 132 برطانوی سفارت کار۔ *
- 133 بحیثیت طبیب۔ *
- 134 1795ء۔ منگو پارک۔ (44)
- 137 1828ء۔ واشنگٹن ارونگ۔ (45)
- 140 1826ء۔ رفاعة رافع الطہطاوی۔ (46)
- 142 1810ء۔ لیڈی ڈوسٹر شین ہوپ۔ (47)
- 142 بہترین مہمان نواز۔ *
- 142 ترک مردوں کا لباس چفہ، دستار پہننا اپنے لیے پسند کیا۔ *

- 143 ملکہ یسٹر کے نام سے مشہوری *
- 143 خزانے کی تلاش *
- 143 ترک سلطان کی خوشنودی کے لیے ہمسہ کی بت فکری *
- 145 1815ء جان لوئیس برکھارڈٹ (48)
- 145 عرب کے یورپی سیاحوں کا بادشاہ *
- 145 سیاحت کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا *
- 148 1853ء سر رچرڈ فرانسس برٹن (49)
- 148 عربی بحیرے میں مناسک حج کی امانتگی *
- 148 مختلف زبانوں میں مہارت *
- 149 آدم خور قبائل کا سامنا *
- 150 تحقیقی مناظرے کا اہتمام *
- 150 سر کا خطاب *
- 151 1875ء چارلس مونٹگ ڈینی (50)
- 151 سب سے بڑا نام جو اور سیاح *
- 154 1837ء یوسف خان کبیل پوش (51)
- 157 1832ء چارلس ڈارون (52)
- 159 1875ء ہنری جیمز (53)
- 161 1867ء مارک ٹوین (54)
- 163 1869ء سر سید احمد خان (55)
- 167 1889ء نلی بلے (56)
- 170 1895ء جوشوا سلو کم (57)
- 170 اچانک کم شدگی *
- 170 سمندری آب و ہوا کا شوقین *
- 171 سمندر کے سفر کے دوران بورڈ کے امتحان کی تیاری *
- 171 سخت ترین سفر *
- 171 سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب *

- 172 46000 میل کا سفر ○
- 172 دوران نیند کشتی کی حفاظت ایک خیالی پائلٹ کے سپرد ○
- 173 ہزار کے دستے کو چھوٹے بغیر دو ہزار میل کا سفر ○
- 174 1890ء مولانا ثعلبی نعمانی (58)
- 174 دارالمصنفین اعظم کڑھ کی بنیاد ○
- 177 1899ء اکائی کا داگوہی (59)
- 181 مولوی محبوب عالم (60)
- 184 1917ء سر سیٹ داہم (61)
- 186 1921ء ڈیوڈ ہربرٹ لارنس (62)
- 188 مرنے کے بعد بھی جلاوطن ○
- 189 1921ء قاضی عبدالغفار (63)
- 191 1924ء۔ رابول سکریتیان (64)
- 193 1924ء۔ قاضی ولی محمد (65)
- 195 1927ء محمد اسد لیو پوٹوئیس (66)
- 197 1937ء ایمیلیا ایم ہارٹ (67)
- 200 خوب حسن نظامی (68)
- 203 1927ء۔ چارلس لنڈ برگ (69)
- 205 1933ء۔ پرل ایلس بک (70)
- 207 1933ء۔ چیانگ لی (71)
- 209 1936ء۔ ہنری گراہم گرین (72)
- 211 1931ء عبدالماجد دریابادی (73)
- 214 1933ء۔ مولانا سید سلیمان ندوی (74)
- 216 1936ء۔ ارنسٹ ہمنگوے (75)
- 218 1945ء۔ ولفریڈ تھیسجر (76)
- 220 1952ء۔ ہنریخ ہیرپر (77)
- 222 1953ء۔ محمود نظامی (78)

- 224 (79) 1954- ماہر القادری
- 227 * 1959- آئن ٹیٹنگ
- 230 (80) 1960- احتشام حسین
- 232 (81) 1962 ڈاکٹر عبادت بریلوی
- 234 (82) 1964ء- بیگم اختر ریاض الدین
- 234 * دھنک پر قدم:
- 235 * سات سمندر پار
- 236 (83) 1966- جمیل الدین عالی
- 238 (84) 1967- ابن انشا
- 240 (85) 1967- قرۃ العین حیدر
- 242 (86) 1968- قدرت اللہ شہاب
- 244 (87) 1968- شورش کاشمیری
- 245 (88) 1970- مستنصر حسین تارڑ
- 247 (89) 1970- عطا الحق قاسمی
- 249 (90) 1975- پال تعمیر اکس
- 251 (91) 1978- ممتاز مفتی
- 253 (2) 1980- محل پالن
- 255 (93) 1986- ڈینی سن بیروک
- 256 (94) ڈاکٹر سلیم اختر
- 258 (95) اشفاق احمد
- 260 (96) ذوالفقار احمد تابش
- 261 (97) 1989ء- حکیم محمد سعید دہلوی
- 263 (98) 1995- بل برکسن
- 265 (99) 1997ء- امجد اسلام امجد
- 267 (100) 2006- ایلیزبتہ گلبرٹ

پیش لفظ

یہ فطرت انسانی ہے کہ انسان کو ماحول کی یکسانیت سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی اکتاہٹ اسے ماحول کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر آمادہ سفر ہو جاتا ہے اور نئے نئے مقامات کی سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سیر و سیاحت اس کی اکتاہٹ اور ماحول سے بے زاری کو دُر کر دیتی ہے۔ نئے ممالک کی تاریخ اور جغرافیہ اور اقوام عالم کے اخلاق و عادات، رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی خواہش بھی ایک ایسی خواہش ہے جو انسان کو دُر دراز کے سفر کرنے پر مجبور کر دیتی ہے؛ تاہم سرگرم سفر رہنا بھی ہر شخص کے بس کے بات نہیں اس لیے جو لوگ سفر نہیں کر سکتے، وہ دوسرے سیاحوں کے سفری مشاہدات اور تجربات سے استفادہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سیاحوں کی بیان کردہ سفری داستانیں ان کے ذوق سفر کی تسکین کرتی ہیں۔ ہا ذوق حضرات کی اسی دلچسپی کے پیش نظر انسان نے سفر نامہ نویسی کا آغاز کیا تھا۔ دنیا کے اولین سفر نامہ نگار کے بارے میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا مگر قدیم مصری ادب میں ویٹامون نامی شخص کی سفری رپورٹ ہی محققین کے نزدیک دنیا کا اولین سفری احوال یا سفر نامہ ہے جو اس قدیم سیاح نے تقریباً تین ہزار برس پہلے قلم بند کیا تھا۔ مغربی مؤرخین ویٹامون کی سفری رپورٹ کی دریافت سے پہلے بابائے تاریخ ہیروڈوٹس کو دنیا کا اولین سفر نامہ نگار قرار دیتے تھے مگر قدیم مصری سفر نامہ کی دریافت کے بعد اسے ٹالوئی حیثیت دی گئی ہے۔ ہماری قومی زبان اردو میں پہلا سفر نامہ یا اس صنف کی پہلی کتاب کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں یوسف خان کمبل نے ”عجائبات فرنگ“ یا ”تاریخ یوسفی“ لکھ کر کیا تھا۔ یہ سفر نامہ 1847ء بمبئی میں شائع ہوا تھا۔

ذکر سفر ناموں کا مورما ہو تو بھلا مارکو پولو اور ابن بطوطہ کے سفر ناموں کو کون فراموش کر سکتا ہے۔ ان دونوں عالمی سیاحوں کے سفر نامے آج بھی انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں۔

اردو زبان بلکہ عالمی سفر ناموں میں پہلے پہل تاریخ و جغرافیہ کے علوم کا غلبہ تھا۔ ابتدائی سفر نامہ نگاروں نے مختلف ملکوں اور اقوام عالم کے متعلق ہر قسم کی تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی معلومات فراہم کیں اور دنیا کے بیشتر معاشرہ کی

سماجی اور معاشیاتی تصویر بھی پیش کی اور یہ معلومات پیش کرتے ہوئے انھوں نے غیر ضروری تخلیق کاری سے پرہیز کیا مگر آہستہ آہستہ سفر ناموں نے ادب کی ایک جدید صنف کی شکل اختیار کر لی اور بیسویں صدی کے نصف اول میں اردو اور دیگر عالمی زبانوں میں جو سفر نامے تحریر کے گئے ان میں اگرچہ تاریخی اور جغرافیائی معلومات ہی پیش کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس دور میں سفر نامہ نگار اپنے ذات کو سفر نامے سے علیحدہ نہیں رکھ سکے اور وہ سفر ناموں میں اپنی پسند و ناپسند کا اظہار برملا طور پر کرنے لگے بلکہ سفر ناموں میں افسانوں جیسی چاشنی تک پیدا کر دی گئی۔ عالمی سفر ناموں اور سیاحوں کے متعلق مجھ جیسے ناچیز کی یہ ادنیٰ سی کوشش ہے جس میں دنیا کے نامور سیاحوں اور ان کے سفر ناموں کا مختصر احوال درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو زبان میں اگرچہ یہ اس قسم کا پہلا کام تو نہیں مگر اتنے سیاحوں کا تذکرہ ایک ہی جلد میں ایک قابل توجہ کوشش ضرور ہے۔ ”مگر قبول اقتد زبے عز و شرف“

اخلاق احمد

ملتان

Mobil: 03337619827

E.mail-ikhlaqaadri@gmail.com

سفر نامہ اور اس کی ابتدا

سفر نامہ ایک قدیم بیانیہ صنفِ ادب ہے جو انسان کی فنونِ مزاحیہ کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ سفر نامہ نگار دورانِ سفر یا سفر سے واپسی پر اپنے سفری مشاہدات اور تجربات اور تاثرات و احساسات کو ترتیب دے کر تحریری شکل دیتا ہے۔ یہی رپورتاژ سفر نامہ کہلاتا ہے۔ سفر کی طرح سفر نامہ کی بھی کئی اقسام ہیں جنہیں موضوع، مواد اور اسلوب کے اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک تو وہ ہے جس میں سیاح کسی ملک کے جغرافیہ پر اتنا زور دیتا ہے کہ جغرافیہ دوسرے موضوعات پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے سفر ناموں میں موسم کے حال، میدان، پہاڑ، ندی، مناظر اور مظاہر کے بیان پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے۔ سفر نامے کی دوسری قسم وہ ہے جس میں سفر نامہ نگار جغرافیہ کے بجائے اپنے قصے بیان کرتا ہے اور ذاتی مشاہدات کے بارے میں بتاتا ہے۔

سفر نامے کا تاریخی ارتقا:

سفر نامے کی صنف کی ابتدا کا سرخ لگانا اگرچہ دشوار ہے مگر اس اس کی ابتدا ہمیں مسافروں کی سفر بیانیوں میں ملتی ہے جو زبانی قصوں کی شکل میں تھیں۔ انہیں قصوں نے رفتہ رفتہ ڈائریوں، روزناموں اور خطوط کے توسط سے سفری داستانوں کی شکل اختیار کر لی۔ یاد رہے کہ سفر ناموں میں سب سے پہلے بحری سفر کے واقعات، روزناموں اور گائیڈ بکوں میں لکھے گئے جیسے کہ قدیم مصری سیاح دینامون کی سفر گزشت جس کا تعلق 1000 قبل از مسیح ہے۔ اس کے بعد جس شخص کو دنیائے مغرب نے اولین سیاح تسلیم کیا ہے وہ ہیرودوٹس ہے جو یونان سے مصر اور مشرق وسطیٰ کی سیاحت پر نکلا اور اس نے مصر و بابل کی سیاحت کی۔ اس نے اپنی مشہور تصنیف ”تواریخ“ اسی سفر کے بعد مرتب کی تھی۔

مشہور یونانی ادیب زینوفون نے بھی چوتھی صدی قبل از مسیح میں عراق سے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور اپنی حجاز جنگ سے ہسپانی کو ایک سفر نامے کی شکل دی۔

303 قبل از مسیح میں میکاسٹھینز نامی ایک یونانی سیاح نے ہندوستان کا سفر بطور ایلچی یا سفیر کے کیا اور چند

گپت موریہ کے عہد میں ہندوستان آیا اور کئی سال تک ہندوستان کے اس وقت کے دارالحکومت پٹلی پتر میں مقیم رہا۔ میگاستھینز ایک دانشور انسان تھا۔ اس نے اس عہد کے ہندوستان کو بہت قریب سے دیکھا اور ہندوستان کی تہذیب و معاشرت کا مطالعہ کیا۔ اسی وجہ سے میگاستھینز کا سفر نامہ چندر گپت موریہ کے عہد کی ایک تاریخی ستاوین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اسے من و عن اپنے سفر نامے میں بیان کر دیا تھا۔

ہندوستان آنے والے سیاحوں میں قابیان اور ہیون تسانگ بھی بہت مشہور سیاح ہیں جو بدھ مت کی تعلیمات اور کتابیں حاصل کرنے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے سفر نامے بھی اس عہد کے ہندوستان کی قلمی تصاویر ہیں اور زمانے کے تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی مسلمانوں کی تاریخ کا عہد زریں ہے۔ مسلمانوں نے قرآن کریم کی آیت ”سمر و افسی الدھن“ کی توجہ میں دنیا کے گوشے گوشے کے سفر کیے۔ اس کے علاوہ خود اسلام، بانی اسلام ﷺ نے سفر ہجرت کے بعد ہی دنیا کے کونے کونے میں پھیلا۔ مسلمان سیاحوں میں ہمیں ابو یزید سیرانی، ابن رستہ، حکیم ناصر خسرو، ابن جبیر اور ابن بطوطہ جیسے بڑے نام ملتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کے بڑے حصے سیاحت زمین میں گزارے اور بہت خوبصورت سفر نامے لکھے۔ احمد بن فضلان کا سیاحت نامہ روس یا ابن خوقل کی تصنیف ”المسالك والممالك“ سب کی ان سفری داستانوں پر مبنی ہیں۔

مسلم دنیا کے مشہور ترین سیاح ابن بطوطہ نے اپنی عمر عزیز کے چھبیس قیمتی برس مشرق و مغرب کی سیاحت میں بسر کیے۔ ابن بطوطہ کو نہ صرف مختلف علوم پر دسترس حاصل تھی بلکہ وہ دور رس نگاہ بھی رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے ممالک کی سیاحت کی اور کئی ہاشاہوں کے درباروں سے وابستہ رہا۔ اس نے ہر ملک کے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا۔ اس کا سفر نامہ اسی وجہ سے اس دور کی بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔

ابن بطوطہ سے پہلے بھی عرب و عجم میں شوق سیاحت عام تھا اور ابن بطوطہ سے پہلے بھی بہت سے مسلمان سیاح سیاحت پر نکلے جیسا کہ پہلے ذکر آیا مسلمان سیاحوں کے سفر ناموں نے اس صنف ادب کو شہرت، عزت اور وقار کی بلند یوں تک پہنچایا۔ ازمنہ متوسطہ کے یہ سفر نامے آج بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

اردو سفر نامے کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں یوسف خان کبیل پوش کے سفر نامے ”تاریخ یوسفی (عجائبات فرنگ)“ سے ہوتا ہے۔ اس سفر نامہ کو اردو کا اولین سفر نامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ سرزمین انگلستان کا یہ سفر نامہ 1847ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اردو سفر نامے میں ابتدائی دور کے سفر ناموں میں محققین نے نواب کریم خان کے ”سیاحت نامہ“ اور سید قدا حسین کے ”تاریخ افغانستان“ و اجعلی شاہ کے حسرت ناک سفر اور محی الدین

طلوی کے ”سفر اودھ“ کو قابل ذکر قرار دیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں سر سید احمد خان کے سفر نامے ”مسافران لندن“ محمد حسین آزاد کے ”سیر ایران“، شبلی نعمانی کے ”سفر نامہ روم و مصر و شام“، نواب حامد علی خان کے ”سیر حامدی“ وغیرہ اہم ترین سفر نامے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں منشی محبوب عالم کا ”سفر نامہ یورپ“ اور سفر نامہ بغداد“ بھی اہم ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین کا 1907 کا جاپان“، علیہ فیضی کا ”زمانہ تحصیل“ شیخ عبدالقادر کا سفر نامہ مقام خلافت، خواجہ غلام التقلین کا ”روزنامہ سیاحت، خواجہ حسن نظامی کا ”سفر نامہ خواجہ حسن نظامی“، قاضی عبدالغفار کا ”نقش فرنگ“ بھی بہت اہم ہیں۔

اسی طرح عالمی یا انگریزی زبان کے سفر نامہ نگاروں میں ہمیں انیسویں صدی میں دانشن ارونگ، جان لوکس، برکھارٹ، سرفرانس رچرڈ برٹن، چارلس مونٹیک ڈینی اور سر چارلس ڈارون جیسے اہم نام ملتے ہیں جنہوں نے سفر نامہ نگاری کی عالمی روایت کو برقرار رکھا بیسویں صدی کے سفر نامہ نگاروں میں انگریزی زبان کے کئی مشہور ادیب بھی شامل ہیں جن میں سرست ماہم، ڈی ایچ لارنس، چارلس لنڈ برگ اور گراہم گرین جیسے اہم لوگ شامل ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں بھی سفر نامہ نگاری کی روایت کو برقرار رکھا گیا ہے اور ہمیں جہاں اردو میں محمود نظامی، مصٹر حسین تارڑ اور ابن انشا، بیگم اختر ریاض جیسے اہم نام ملتے ہیں وہیں انگریزی زبان میں پال تھروکس، جیک پالین، بل برکسن جیسے لوگوں نے اپنے سفر ناموں سے سفر نامے کی عالمی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اسی طرح اردو زبان میں بھی کئی اہم سفر نامے شائع ہوئے ہیں جن میں ڈاکٹر انور سدید کا ”دلی دور نہیں“ جاوید چوہدری کا ”جب برف گرے گی“ تابندہ جتول کا ”شالیمار سے تاج محل تک“ سائرہ ہاشمی کا ”کیمبرج اوکیمبرج“ رضا علی عابدی کا ”سیر دریا“ ریل کہانی“ ڈاکٹر سلیم اختر کا ”عجیب سیر تھی“ اور دیگر بہت سے سفر نامے شامل ہیں

(1)

وینامون اور اس کی سفری سرگذشت

دنیا نے قدیم کے اولین مصری سیاح کا تحریری احوال

دنیا کے قدیم دور کی تاریخ

وینامون (Wenamun) قدیم مصر سے تعلق رکھنے والا دنیا کا ایسا اولین سیاح ہے جس کے سفر کی روایت ادب میں Report of Wenamun کے نام سے ہیروغلائی رسم الخط میں ایک پیپر س پر لکھی ہوئی Al-Hibah مصر سے 1890ء میں دریافت ہوئی تھی۔ اسے قاہرہ میں ایک روسی ماہر مصریات ولادیمیر گولنسکیف (Vladimir Goleniscev) نے ایک مصری سے خریدا تھا۔ یہ پیپر س ایک مرجان میں محفوظ تھا اور اس کے ساتھ Onomasticon of Amenope اور Tale of Woe نامی تحریریں بھی ملی تھیں۔ یہ پیپر س آج کل چٹکن میوزیم آف آرٹس ماسکو میں محفوظ ہیں اور اسے سرکاری طور پر Papyrus Pushkin 120 کا کوڈ نام دیا گیا ہے۔ 1960ء میں ایک روسی ماہر Korostovce نے اس کا ترجمہ شائع کیا تھا جبکہ ہیروغلائی Hieroglyphi کا متن گارڈینز نے 1932ء میں شائع کیا تھا۔

وینامون آمن رع دیوتا کا ایک پہلاری تھا۔ اس نے ایک مصری تاجر کی حیثیت سے 11 ویں صدی قبل از مسیح میں لبنان (فونیقیہ) کے شہر بامبلوس (Byblos) کا ایک بحری سفر کیا تھا۔ ان دنوں مصر میں رمیسس XI کا عہد تھا۔ اسی کے ایما پر اس نے یہ سفر کیا تھا۔ ادھر بامبلوس کی شہری ریاست پر ان دنوں شاہ ذکر بعل کی حکومت تھی۔ وہ مصر سے بامبلوس لبنان کی مشہور اور قیمتی لکڑی Cedar کی تجارت کے سلسلے میں بامبلوس جا رہا تھا کہ راستہ میں ڈور کی بندرگاہ پر اسے لٹیروں نے لوٹ لیا۔ مقامی بادشاہ شاہ بیدر Beder نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ نہ صرف ان لٹیروں کو گرفتار کرے گا بلکہ وینامون کو اس کے اس نقصان کی تلافی بھی کرے گا، مگر کافی دن گزرنے کے باوجود بادشاہ اس معاملے میں کچھ نہ کر سکا۔ ڈور کی سلطنت شام میں واقع تھی اور اس کے حکمران فرعون رمیسس XI کے ہاتھوں رہتے۔ اس واقعہ

کے روزنامہ ہونے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مصر کی باج گزاری سے آزاد ہونے کے لیے جلد ہی مصر کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔

ہامبلوس کے سفر کی یہ سرگذشت اس موڑ پر آ کر رک جاتی ہے کیونکہ کہانی کے اس موڑ سے محسوس ہوتا ہے کہ وینامون خود قزاقی میں مصروف ہو جاتا ہے اور اپنے نقصانات کی تلافی کے لیے چاندی سے بھرا ہوا ایک بیگ کسی سے چھین لیتا ہے۔ اس کے بعد وینامون ہامبلوس کے سفر پر دوبارہ روانہ ہو جاتا ہے۔ ہامبلوس پہنچنے پر وہ عام مروجہ لکڑی برآمد کرنے سے انکار کر دیتا ہے جس سے مصری حکمرانوں کے مشرقی ممالک پر اثر و نفوذ کا پتہ چلتا ہے۔ اس زمانے میں مصر سمندری راستے سے کیے گئے ایک حملہ سے دوچار ہو جاتا ہے اور بالآخر بحری حملہ آوروں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس جھگڑے سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہ بحری یا سمندری حملہ آور مغرب سے آئے ہوئے پراسرار لوگ ہیں جو اس قدیم زمانے میں بھی مغربی استعمار کی غمازی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے بحروم کے مشرقی کناروں پر واقع شہروں کا محاصرہ 1175 ق م میں کیا تھا۔ مصر میں ہونے والی جنگ ڈیلٹا میں یہ سمندری حملہ آور اپنے بحری جہازوں میں آتشیں تیروں سے مسلح نظر آتے ہیں۔ اسی جنگ کے بعد مصری سلطنت زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ یوں وینامون جو ایک سیاح ہے اس کی یہ سرگذشت اس دور کی تاریخ بن جاتی ہے۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں ہامبلوس کا بادشاہ ذکر لعل وینامون سے 29 دن تک بات کرنے کا روادار نہیں بنتا اور صرف اس وقت بات کرنے کے لیے رضامند ہوتا ہے جب مصری دیوتا آمن کا ایک پجاری اسے متنبہ کرتا ہے کہ اگر اس نے وینامون سے بات نہ کی تو اس کی سلطنت بدھگوئیوں کا شکار ہو جائے گی، تاہم وہ وینامون کو بلا قیمت اشیائے تجارت یا قیمتی لکڑی دینے سے انکار کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وینامون ہامبلوس میں ایک سال تک قیام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور مصر سے اشیائے تجارت کی قیمت منگواتا ہے۔ اس موقع پر شاہ ہامبلوس قیمتی لکڑی کو مصر بھیجنے کے لیے اکٹھا کرنے کا حکم دیتا ہے اور وینامون کو یقین دلاتا ہے کہ اس سے سابقہ مصری تاجروں کی مقابلے میں بہتر سلوک کیا جائے گا جبکہ سابقہ مصری تاجروں کو اس نے 17 سال قید میں رکھا تھا اور وہ دوران قید ہی مر گئے تھے۔ شاہ ہامبلوس وینامون کو ان مصری تاجروں کی قبریں دکھانے کی دعوت دیتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔

وینامون کی یہ سرگذشت جزیرہ قبرص پر عوام کے محلے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اُسے اس ہنگامے سے جزیرہ قبرص کی ملکہ مداخلت کر کے بچاتی ہے اور مصری ترجمان کے ذریعے اس سے بات چیت کرتی ہے۔

قدیم مصر کی ایک تاریخی دستاویز

وینامون کی یہ سفری سرگذشت یارپورٹ اس زمانے کی تاریخ ہے یا تاریخی افسانہ، اس کا فیصلہ محققین نہیں

کر سکے، تاہم اس سفر سرگزشت میں بتائے گئے مقامات بالکل حقیقی اور صحیح ہیں۔ دینامون کی یہ رپورٹ یا سفر نامہ قدیم مصر کی ایک تاریخی دستاویز ہے اور کائی کے عہد میں مصری حکومت کے زوال کا شکار ہونے کے متعلق بتاتی ہے۔ مصر اور بحر روم کے مشرقی کناروں پر واقع شہروں پر بحری قزاقوں کے حملے اور مصر کے تجارتی معاہدوں عمل درآمد نہ ہونا مصری حکومت کے زوال کا شکار ہونے کی غمازی کرتے ہیں اور اس کی کمزوری کی عکاسی کرتے ہیں، تاہم یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ دینامون کی سرگزشت دنیا کا اولین سفر نامہ ہے جو قدیم مصر سے تعلق رکھتا ہے۔

(2)

300 ق م - میگاستھینز

ہندوستان کا اولین مغربی سیاح

”انڈیکا“ کے اقتباسات اتنے مفصل ہیں کہ موجودہ زمانے کا قاری بعض امور میں چند رکبت مور یہ کے زمانے کے معاملات سے زیادہ ترواقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ نسبت اکہر اور مکملہ ایلوہ کے زمانے کے۔

ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا پہلا مغربی سیاح

میگاستھینز چندر گپت مور یہ کے دربار میں یونانی حکمران سیلوکس I کا سفیر تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا پہلا مغربی سیاح تھا جس نے اپنے مشہور زمانہ تعنیف INDICA میں اس وقت کے ہندوستان کی ایک دل نشین تصویر پیش کی ہے۔ اس کی چندر گپت مور یہ کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے تعیناتی کی صحیح تاریخ تو مورخین نے نہیں دی ہے مگر وہ 298 ق م سے پہلے سیلوکس کی طرف سے ہندوستان میں سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

زمانہ حال تک سب سے زیادہ مستند کتاب

مشہور یونانی مؤرخ آریں نے لکھا ہے کہ میگاستھینز آراکوسیا Arachosia میں رہتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں اپنی سیاحت کا احوال اپنی کتاب انڈیکا میں درج کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اپنی اصل حالت میں تو موجود نہیں مگر اس کے اقتباسات دوسرے یونانی مؤرخین کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ میگاستھینز نے چندر گپت مور یہ کی وسیع سلطنت میں جو کچھ مشاہدہ کیا وہ اس دور کے ہندوستان کے بارے میں جغرافیائی، سیاسی اور معاشیاتی طور پر انتہائی بیش قیمت معلومات ہیں۔ میگاستھینز کی نظر گہری اور انتہائی کثرت رس تھی۔ اس نے جو کچھ لکھا انتہائی اہم اور سوچ سمجھ کر لکھا۔ میگاستھینز نے ایک مدت تک دارالحکومت پانلی پترا (پٹنہ) میں قیام کیا اور اپنا تمام وقت ہندوستان کے جغرافیہ، پیداوار اور نظم و نسق کے متعلق اپنی بیش بہا کتاب تالیف میں صرف کیا۔ اس کی یہی تالیف زمانہ حال تک سب سے زیادہ

مستند کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اگرچہ بسا اوقات سنی سنائی باتوں کو لکھ لینے سے اسے مغالطہ ہوا لیکن اس کے باوجود میکا تھمز ان معاملات کے متعلق جو خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ایک نہایت سچی اور معتبر سند ہے۔ چندر گپت موریہ کے فوجی اور ملکی انتظام کے متعلق اس کا صاف اور روشن بیان بلا تامل صحیح اور درست مانا جاتا ہے۔ انڈیکا کے اقتباسات اتنے مفصل ہیں کہ موجودہ زمانے کا قاری بعض امور میں چندر گپت موریہ کے زمانے کے معاملات سے زیادہ ترواقیت حاصل کر سکتا ہے۔ بہ نسبت اکبر اور ملکہ الیزبتھ کے زمانے کے۔

ضابطہ فوجداری انتہائی سنگین

اس کے باوجود مورخین کچھ حالات کا جواب نہیں دے سکے مثلاً کیا میکا تھمز چندر گپت موریہ سے ذاتی طور پر ملتا تھا؟ یونانی تواریخ میں سکندر اعظم کا ہم عصر ہندوستانی حکمران ایک سند رکوت نامی شخص کو دیا گیا۔ ایک مغربی محقق میکس ملر (Max Muller) نے سند رکوت کو میکا تھمز کا چندر گپت موریہ قرار دیا ہے جس کی تاج پوشی 320 ق م میں ہوئی تھی، تاہم ہمیں انڈیکا کے اقتباسات میں کہیں چندر گپت موریہ کے مشہور شیر کوتلیہ کا ذکر نہیں ملتا جو اس کے عہد کی مشہور شخصیت تھا۔ انتظامی امور کے متعلق میکا تھمز نے صرف پانچ ہزار کے میوہل انتظام کی تفصیلات قلم بند کی ہیں تاہم ہم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سلطنت کے دوسرے بڑے شہروں میں بھی دارالحکومت کے نمونہ پر ہی انتظام رائج ہوگا۔ میکا تھمز میں بتاتا ہے کہ شہر کا انتظام چھ بورڈوں کے ایک کمیشن کے ماتحت تھا جن میں سے ایک کے پانچ رکن ہوتے تھے۔ کارکنوں کی محدودی تک بھی یہی بورڈ مقرر کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کا ہاتھ توڑ دیتا تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

چونکہ سلطنت کافی وسیع تھی اس لیے انتظامی سہولت کی بنیاد پر اسے کئی صوبوں میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ اندرونی صوبے براہ راست راجکاروں (شہزادوں) کے سپرد ہوتا تھا۔ میکا تھمز اور کوتلی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ موریہ سلطنت کا ضابطہ فوج داری انتہائی سنگین تھا۔ عام طور پر ملزموں کو جرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔ دروغ گوئی پر ہاتھ کاٹنے کی سزا رائج تھی۔ مزید برآں ملزمن و مجرمین سے اقبال جرم کرانے کے لیے جسمانی اذیت دی جاتی تھی۔

ہندوستانی سماج کی سات طبقات یا ذاتوں میں تقسیم

میکا تھمز نے ہندوستانی سماج کے بارے میں بھی بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ ہندوستانی سماج کو سات طبقات یا سات ذاتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا طبقہ یا ذات ظلیفوں کی تھی۔ یہ تعداد میں بہت کم تھی لیکن زیادہ عزت و احترام اسی کا کیا جاتا تھا۔ عام طور پر اس طبقے میں برہمن اور سنیاہی لوگ شامل تھے۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا تھا جو تعداد میں زیادہ تھے۔ تیسرا طبقہ شکار یوں اور چرواہوں کا تھا جو تھے طبقے میں تاجر اور بنو پارہی،

کارمیکر اور ہنرمند شامل تھے۔ چھٹے طبقے میں اور ساتویں طبقے میں جاسوس اور مشیر آتے تھے جبکہ پانچواں طبقہ فوجیوں یا چھتریوں کا تھا۔

100 ستونوں کا محل

میرکا تھمیز کے مطابق چندرگپت موریہ بڑی شان و شوکت سے زندگی گزارا تھا۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک عالیشان محل تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس محل کی زیبائش طلائی ستونوں سے کی گئی تھی۔ چندرگپت کے محل میں تقریباً سو ستون تھے۔ بہر حال اگر میرکا تھمیز کی کتاب انڈیکا کے اقتباسات موجود نہ ہوتے تو چندرگپت موریہ کے عہد کی تفصیلات اس قدر شامعہ ارنہیں ہو سکتی تھیں۔

(3)

399 ق م - کسینوفون

اندرون ملک کی طرف سفر

یونانی فوجوں کی اس طویل پسپائی کے سفر کی روئیداد صرف سفر نامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہے۔

عراق سے ایشیائے کوچک میں بحیرہ اسود کے ساحلوں تک کامیاب پسپائی کا سفر Xinophon یونانی مورخ، نثر نگار اور پسپائی کی روئیداد 'ان کرنے والا' یہ یونانی جرنیل اتیمنٹر کے مضافات میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین اتیمنٹر کے متحمل لوگوں میں سے۔ ام اتیمنٹر کے لوجوانوں کی طرح اسے بھی شہسواری اور گھوڑے پالنے کا شوق تھا جو اسے بڑھاپے تک رہا۔ اگرچہ اسے ستراط کے درس سننے اور اس کے قریب اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا مگر مورخین اسے ستراط کا شاگرد تسلیم نہیں کرتے۔

کرائے کے فوجیوں میں بھرتی

401 ق م میں کسینوفون، ستراط جیسے دانشور کے مشوروں کو ٹھکرا کر ان دس ہزار یونانی کرائے کے فوجیوں میں بھرتی ہو گیا جو ایرانی شہزادے کوروش خرد نے اپنے بھائی اردشیر دوم کو شکست دے کر تاج و تخت پر قبضہ کرنے کے لیے یونان سے بھرتی کیے تھے۔ اس یونانی لشکر نے ایشیائے کوچک کے شہر ساردس سے عراق کی طرف پیش قدمی کی اور کناکسا نامی مقام تک جا پہنچا جو مشہور عراقی قدیم شہر بابل کے قریب واقع تھا۔ شاہ اردشیر دوم کی فوج نے ان کرائے کے یونانی فوجیوں کو شکست دی اور جنگ کے دوران شہزادہ کوروش مارا گیا۔ چند روز بعد ایرانی فاتحین نے جنگ بندی کی تفصیلات طے کرنے کے بھانے سے شکست خوردہ یونانی لشکر کے سالاروں کو اپنے ہاں بلایا اور دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس پر یونانی فوج میں افراتفری مچ گئی تاہم انھوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے دو نئے قائدین کا انتخاب کیا۔ یہ تھے کسینوفون اور فی ری سوفوس۔ ان دونوں نے بڑی سمجھداری اور اولوالعزمی سے کام لیتے ہوئے باقی یونانیوں کی جان بچا کر لے

جانے کے لیے بحیرہ اسود کے ساحلوں تک ایک طویل اور پرخطر پہاکی اختیار کی اور وہ بحیرہ اسود کے جنوبی کنارے واقع یونانی نوآبادیوں تک انتہائی کامیابی سے پہنچ گئے۔

اپنے وطن اتھنز کے خلاف بغاوت

ایشیائی عسکری مہم سے واپس آنے کے بعد کسینوفون نے سپارٹا کے بادشاہ اگے سلاؤس کے پاس ملازمت کر لی اور سپارٹا کے سپاہیوں کی کمان خود اپنے وطن اتھنز کے خلاف کی یہ ایک سنگین جرم تھا۔ اس لیے اہل اتھنز نے کسینوفون کو غدار قرار دے گیا اور اتھنز میں اس کی واپس کو ناممکن بنا دیا۔ ادھر سپارٹا والوں کی مہربانی سے اسے ہیلوپونیسوس کے شل مغرب میں ایک جاگیر عطا ہوئی اور وہ تقریباً اگلے تیس سال تک وہاں مقیم رہا۔ پھر جب تھیبائی نے سپارٹا کے اقتدار پر چوٹ لگائی تو کسینوفون کو یہ جاگیر چھوڑ کر انتھوس میں پناہ لینی پڑی۔ ادھر تھیبائی کی طرف سے خطرہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے سپارٹا اور اتھنز اپنی پرانی رنجشوں کو بھلا کر متحد ہو گئے اور یوں کسینوفون کی خطا معاف ہو گئی البتہ مؤرخین نے یہ نہیں لکھا کہ وہ واپس اتھنز لوٹا کہ نہیں۔ کسینوفون کو یونان کا مستقبل اہل سپارٹا کے ہاتھوں میں نظر آتا تھا اس لیے وہ مرتے دم تک سپارٹا کے حق میں ہی رہا۔

اپنی کتاب کی اشاعت فرضی نام سے

مؤرخین نے لکھا ہے کہ کسینوفون نے کم از کم چالیس کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اس کی تصنیف میں سب سے اہم ”اناباسیس“ اندرون ملک کی طرف سفر ہے جو دراصل عراق سے ایشیائے کوچک تک کی پہاکی کا احوال یا سفر نامہ ہے۔ اناباسیس میں اس نے اس ناکام عسکری مہم کی روئیداد بیان کی ہے جو عراق سے پہاکی پر ختم ہوئی تھی۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ کہ بیان میں کسینوفون نے اپنا ذکر ضمیر غائب سے کیا ہے اور پہلے پہل خود اناباسیس کا مصنف تک ظاہر نہیں کیا اور یہ کتاب ایک فرضی نام سے شائع کی تھی۔

صرف سفر نامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب

یونانی فوجیوں کی اس طویل پہاکی کے سفر کی روئیداد صرف سفر نامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہے۔ پہاکی کے دوران یونانیوں کو پہلے ایرانیوں کے خلاف اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اس کے بعد یہ یونانی جنگجو کو ہستانی قبائل سے لڑتے بھڑتے ہوئے دشوار گزار پہاڑی سلسلوں میں سے گذرے۔ ان پہاڑی سلسلوں میں جہاں غضب کی سردی تھی اور برہماری کی مصیبتیں تھیں وہیں راستے سے بھٹک جانے کا بھی اندیشہ تھا۔ جب یہ خیال کیا جائے کہ اس پر صعوبت سفر میں یونانیوں کی عورتیں بھی ساتھ تھیں تو سفر میں پیش آنے والی آفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس روئیداد سفر میں کسینوفون کے ذاتی تجربے کی گراہت ہر طرف نظر آتی ہے۔ بحیثیت مصنف کسینوفون کو منظر نگاری کا بڑا سلیقہ تھا اور وہ جنگی حکمت عملی کی

باریکیوں سے بھی خوب واقف تھا۔ اس لیے مورخین نے کسینوفون پر یہ الزام بے سبب عائد نہیں کیا تھا کہ وہ عام سپاہی کو ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں وہ ہمارے سامنے ایک ایسے آدمی کے روپ میں آتا ہے کہ جس کی شخصیت سادگی، وفا شعاری اور دوست داری سے عہارت ہے جو خوش تدبیر بھی ہے اور غیر معمولی حد تک بردبار بھی۔

زمانہ قدیم کا سفر نامہ

اناہائیس نے اپنے زمانے میں اپنے قارئین پر بہت دور رس اثر مرتب کیا تھا۔ کسینوفون اس کتاب میں یہ یاد کرانے میں کامیاب نظر آتا ہے کہ ایرانی شہنشاہی کی روکارے بے شک ہارعب اور مہیب سہی مگر پر مغالطہ ہے۔ اناہائیس ایک نیم سفر نامہ یا سرگزشت اور نیم تاریخ ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے دلچسپی سے پڑھا جا رہا ہے۔

(4)

450 ق م - ہیرودوٹس

دنیا کا اولین جہاں نور دسیاح جو بابائے تاریخ بھی کہلاتا ہے

بابائے تاریخ

ہیرودوٹس (Herodotus) (تقریباً 484 ق م - تقریباً 420 ق م) مشہور زمانہ یونانی مؤرخ اور دنیا کے ان اویس سیاحوں میں سے ایک جنہوں نے اپنے سیاحت نامے کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ ہیرودوٹس ایشیائے کوچک کی ساحلی شہر ہالی کارناسوس (Hali Carnosus) میں پیدا ہوا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس نے اپنے شہر کو غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم و استبداد کے جنگل میں پایا۔ ہالی کارناسوس کے ان ڈکٹیٹروں میں آرمینیا نامی آمر نے بڑی شہرت پائی۔ جب کسریٰ ایران خشایارشاہ Xexex نے یونان پر یلغار کی تو آرمینیا نے ایرانی فوجوں کا ساتھ دیا۔ ادھر ہالی کارناسوس کے لوگوں کو بھی ان غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف انقلاب لانے کی سوچیں مگر ان کی یہ بغاوت دہادی گئی اور نوجوان ہیرودوٹس کو جس نے انقلابیوں کا ساتھ دیا تھا اپنا وطن چھوڑ کر فرار ہوتے بنی اور وہ کچھ مدت تک جزیرہ ساموس Samos پر قیام پذیر رہا۔ ادھر چند برس بعد انقلابیوں نے پھر بغاوت کی تو ہیرودوٹس ان سے واپس آن ملا۔ اس بار یہ انقلاب یا بغاوت کامیاب رہی مگر اس کے باوجود ہیرودوٹس نے وہاں اب رہنا پسند نہ کیا اور ایتھنز چلا آیا جو ان دنوں یونان کا علمی مرکز تھا۔ ان دنوں ایتھنز میں سوفسطائی فلسفی شہر کی ذہنی فضا پر انقلابی اثرات مرتب کر رہے تھے مگر ہیرودوٹس ان کے خیالات سے متاثر نہ ہوا۔ البتہ ایتھنز میں اسٹیج پر پیش کیے جانے والے المیہ ڈراموں Tragedies کا اس کی تحریروں پر اثر واضح نظر آتا ہے مشہور یونانی ڈرامہ نگار سوفوکلیز اس کا دوست بن گیا تھا۔ سوفوکلیز نے ہیرودوٹس کے بارے میں ایک نظم بھی کہی تھی مگر وہ ناپید ہے۔

ایتھنز میں قیام کے دوران ہی ہیرودوٹس نے دنیا کے اولین جہاں نور دسیاح کا روپ دھارا اور وہ اس وقت کی معلوم دنیا کی سیاحت پر نکلا۔ اس نے ارد گرد کے بہت ملکوں اور خطوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، بابل (عراق) اسکوٹیا

(جنوبی روس) ایشیائے کوچک اور بحر اسود کے ساحلی شہروں کے ساتھ ساتھ براعظم افریقہ کی شمالی ساحلی نوآبادیوں کی خاک چھانی اور خود یونان کی شہری ریاستوں کی بھی سیاحت کی۔ اس کے ان سفروں میں سے بعض کے ساتھ اس کی تاجرانہ اغراض وابستہ تھیں لیکن اس عالمی سیاحت سے اس کا سب سے بڑا مقصد اپنی تصنیف ”تواریخ“ کے لیے معلومات اور تاریخی مواد اکٹھا کرنا تھا۔

تھورائی کے ایک چوک میں اس کی اصلی یا فرضی قبر

ہیروڈوٹس کا تعلق خاص جنوبی اٹلی میں واقع یونانی نوآبادی تھورائی کی Thurli سے بھی رہا جو تقریباً 444 ق م میں قائم ہوئی تھی۔ مؤرخین کے مطابق یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ابتدائی نوآبادکاروں کے ساتھ وہاں گیا تھا یا بعد میں وہاں پہنچا تھا۔ البتہ اسے وہاں کی مکمل شہریت سے نوازا گیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تھورائی کے ایک چوک میں اس کی اصلی یا فرضی قبر بھی موجود تھی۔

تواریخ

ہم تک پہنچنے والی ہیروڈوٹس کی واحد تصنیف ”تواریخ The Histories“ ہے۔ اسی میں اس نے اپنی سیاحتوں کی معلومات کو بھی سمودیا ہے۔ تواریخ نو ابواب یا کتابوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ناقدین ادب کہتے ہیں کہ اس کی اس ترتیب میں بھی ہیروڈوٹس کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ اسکندر یہ کے یونانی عالموں نے اس کے متن کو نو حصوں میں بانٹ دیا تھا تا کہ ہر حصہ کو شاعری کی یونانی دیویوں میں سے کسی ایک کے نام معنون کیا جاسکے، تاہم ناقدین کے مطابق تواریخ کی یہ تقسیم بری نہیں ہے اور اس سے مرتبین کی ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔

اپنی تباہی کا آپ سامان

تواریخ کے پہلے ہی صفحہ پر ہیروڈوٹس نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ وہ یونانیوں اور ایشیائیوں کے کارناموں کو احاطہ تحریر میں لاکر ماضی کو محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ایشیائی اور یونانی اقوام کو مابین تصادم کی وجوہات سے پردہ اٹھانے کی کوشش بھی کی ہے اور شاید اسی وجہ سے اس نے ان علاقوں کی سیاحت کی تھی کہ وہ اس راز سے پردہ اٹھائے۔ اس کی اس تصنیف کی وجہ سے مشہور رومی انشاد پرداز سرور Cisro نے اسے ”بابائے تاریخ“ کا لقب دیا تھا۔ تواریخ کی پہلی کتاب یا پہلے باب میں ہیروڈوٹس نے لودیا کے بادشاہ کوڈے سوس کی کہانی دی ہے جس نے ایرانی شہنشاہ کوروش اعظم سے ٹکر لے کر اپنی تباہی کا آپ سامان کیا تھا۔ اسی ضمن میں اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ کوروش اعظم کی سربراہی میں ایران کس طرح اس زمانے کی ایک بڑی طاقت بن کر ابھر تھا۔

فرعون خوفو نے اپنی بیٹی کو قحبہ خانے میں بٹھا دیا

تواریخ کی دوسری کتاب یا باب میں مصر کا حال درج کیا گیا اور مصر کی سیاحت کے دوران ہیروڈاٹس نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ بھی اس نے من و عن اسی باب میں درج کر دیا ہے۔ مصر کے عظیم اہرام کو اس نے بھی کھنڈرات کی شکل میں پایا تھا۔ اس نے 450 ق م میں اس عظیم مصری اہرام کی سیاحت کی تھی۔ اس وقت اس اہرام کو تعمیر ہوئے دو ہزار سال گزر چکے تھے۔ ہیروڈاٹس نے اس عظیم مصری اہرام کی تعمیر پر اٹھنے والے اخراجات کا ایک تخمینہ بھی پیش کیا ہے اور یہاں تک بتایا کہ فرعون خوفو نے اس اہرام کی تعمیراتی خرچ کو پورا کرنے کے لیے حکومتی ذرائع کے علاوہ اپنی بیٹی کو قحبہ خانے میں بٹھایا تھا۔

تواریخ کا تیسرا باب یا کتاب ایران اور اس کے شہنشاہوں کے متعلق ہے جبکہ چوتھی کتاب یا چوتھا باب جنوبی روم، اسکوتیا اور شمالی افریقہ کے حالات اور اسکوتی قبائل پر شہنشاہ ایران داریوش کی جڑ حائی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ پانچویں کتاب میں آریانا میں آباد یونانیوں کے ایران کے خلاف بغاوت کی تفصیل دی گئی ہے جو ایرانی حاکموں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔

چھٹی کتاب یا باب میں جنگ میراتھن کا ذکر کیا گیا ہے۔

ساتویں میں ایرانی شہنشاہ شیارشاہ کین پر یلغار اور قحرمو پلائی کے معرکے کا ذکر ہے۔

آٹھویں کتاب میں آرتیمی سیون اور سالامس کی جنگوں کا احوال درج ہے۔

نویں اور آخری کتاب پلائیہ اور موکا لے کی لڑائیوں کے احوال پر مشتمل ہے۔

ہیروڈاٹس نے اپنی اس مشہور زمانہ تصنیف میں نہ صرف اپنی سیاحت سے استفادہ کیا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی

جو سیاح ہو گزرے تھے ان کے سفری احوال اور زبانہ روایات بھی اس نے اکٹھی کی تھیں۔ ناقدین کے مطابق ”تواریخ“

کو محض تاریخ کے خانے میں ہی نہیں رکھا جاسکتا بلکہ ہیروڈاٹس نے اس میں کسی سیاحت نامے ہی کی طرح جغرافیائی،

معاشرتی، تعمیراتی بلکہ ہر طرح کی چونکا دینے والی معلومات بھی جمع کر دی ہیں۔ اس لیے محققین اسے اس کا سفر نامہ بھی

کہتے ہیں۔

(5)

140 عیسوی - پاؤسانیاں

دنیا کا اولین مغربی سیاح

یہ تو ہمیں کہا جا سکتا کہ پاؤسانیاں کا سفر نامہ ”ہیان یونان“ اپنی طرز کی اولین تصنیف حاکم کے اس سے پہلے ہی سماجوں کی رہنمائی کے لیے اسی انداز کی رہنمائی میں لکھی جا چکی تھی تاہم جو حضرت ”ہیان یونان“ کے حصے میں آئی وہ کسی اور سفر نامے کو اس وقت تک حاصل نہ ہو سکی تھی۔

کتاب کی تکمیل میں بیس سال

پاؤسانیاں (تقریباً 110 عیسوی سے 180 عیسوی) Pausanias ایک یونانی سیاح اور جغرافیہ نگار، ایٹبائے کوچک کی یونانی نوآبادی لودیایا کا رہنے والا تھا۔ اس نے مزاج انتہائی سیلابی پایا تھا چنانچہ اس لیے اس نے بحیرہ روم کے اطراف میں واقع بہت سے خطوں کی سیاحت کی۔ یونان کے علاوہ شام، فلسطین، مصر اور اٹلی کا چکر بھی لگایا۔ یونان کی سرزمین کی سیاحت کے دوران اسے جو کچھ دیکھنے کا اتفاق ہوا اسے مد نظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے سیاحت نامے کو ”ہیان یونان“ کا نام دیا۔ اس کتاب کو مکمل کرنے میں اسے تقریباً بیس سال لگے۔ ہیان یونان (Description of Greece) اس کا وہ سیاحت نامہ ہے جو اس کی وجہ شہرت ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پاؤسانیاں کے بارے میں مزید معلومات نہیں ملتی بس اس کتاب میں اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتا دیا، اسی پر سب کچھ منحصر ہے۔ ”ہیان یونان“ سرزمین یونان کی بے مثال عمارتوں، مشہور فن پاروں اور قابل دید مقامات کا سادہ سا احوال ہے۔ پاؤسانیاں نے رومی شہنشاہ ”انتونی نیوس“ کے عہد حکومت میں سرزمین یونان کا سفر یا سیاحت کی تھی۔ خوش قسمتی سے اس زمانے، دوسری صدی عیسوی کے نصف اول تک یونان کے شاعر ارمینی کی یادگاریں اور نشانات اپنی اصلی حالت میں نہ سبکی مگر بڑی حد تک محفوظ ضرور تھے۔ خود شہنشاہ انتونی نیوس کو بھی فنِ تعمیر سے شغف تھا اور اس نے یونان میں کئی معبد اور تعمیرات کیے تھے۔

”بیان یونان“ اپنی طرز کی اولین تصنیف

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ پاؤساناس کا سفر نامہ ”بیان یونان“ اپنی طرز کی اولین تصنیف تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی سیاحوں کی رہنمائی کے لیے اسی انداز کی رہنما کتابیں لکھی جا چکی تھیں تاہم جو شہرت ”بیان یونان“ کے حصے میں آئی وہ کسی اور سفر نامے کو اس وقت تک حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اسی طرح زمانہ قدیم کے مغربی سیاحوں میں جو شہرت خود پاؤساناس کے حصے میں آئی وہ کسی اور سیاح کو نصیب نہ ہو سکی تھی۔ اس کی بڑی وجہ محققین نے یہ بتائی ہے کہ دوسروں کے لکھے ہوئے پر تکیہ کرنے کی بجائے پاؤساناس نے آنکھوں دیکھا حال لکھنے کو ترجیح دی تھی جو آئندہ زمانوں کے سفر ناموں کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ پاؤساناس دوسری صدی عیسوی کے ان چند مصنفین میں سے ایک تھا جن کا طرز بیان سپاٹ ہونے کی حد تک سیدھا اور بے رنگ تھا۔ بیان یونان میں اس نے کسی تہیدی تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ یک لخت ہی کتاب کا آغاز کر دیا۔ پہلے باب میں اٹھنوز، اٹیکا اور میکارا کی سیاحت کا ذکر ہے۔ دوسرا باب کوآنتوس اور ارگوس اور ان کے نواح و مضائقات کے لیے وقف ہے۔ تیسرے میں سپارٹا کا احوال دیا گیا ہے۔ چوتھے میں میسیڈیا کا پانچویں اور چھٹے میں ایلیس اور اولیپیا کا ساتویں باب میں اخائیا، ٹھوئیں میں ارکا دیا، ٹوئیں میں جمیائی اور یوئے اوتیا اور دسویں باب میں فوکس اور ڈیلفی کا حال درج ہے۔

سیاحوں کا ہدایت نامہ

پاؤساناس کی یہ کتاب کسی جگہ کے جغرافیائی حال اور طبیعی غدوخال کو بیان نہیں کرتی بلکہ ایک قسم کا سیاحوں کا ہدایت نامہ ہے جس میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ کہاں پر کونسا قابل دید مقام واقع ہے۔ پاؤساناس زیادہ تو جرسوم، توہمات، اساطیر، لوگ کہانیاں اور مقامی داستانیں بیان کرنے پر دیتا ہے مگر اس کے باوجود ”بیان یونان“ کی حیثیت ایک بیش بہا معلوماتی ذخیرے کی ہے۔ وہ قدرتی مناظر کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کی نظریں یادگار عمارتوں، مقبروں، مجسموں اور دیگر فن پاروں پر جمی رہتی ہیں۔ وہ ان کے بارے میں بھرپور معلومات فراہم کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اس کتاب میں کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرتا بلکہ جو چاہتا ہے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اگر بات اٹھنوز میں بظلموس، لوسی ماخوش اور پروس کے مجسموں کی ہوتی ہے تو وہ سکندراعظم کی وفات کے بعد اس کے سپہ سالاروں میں جنگ کیسے ہوئی بتاتا جاتا ہے۔ پاؤساناس کے اس سفر نامے میں اس کی فراہم کردہ معلومات بڑی حد تک معتبر ہیں اور اس نے جو کچھ دیکھا، سنا اسے وہ صحیح طور پر بیان کرتا ہے۔ یونان قدیم کی یادگاریں اور باقیات دیکھ کر اس کی نظریں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں یونان میں آثار باقی تحقیق میں مگر اس قدر پیش رفت ہوئی مگر بہت سی نئی دریافتوں نے پاؤساناس کے مشاہدے کی تصدیق کی ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ”بیان یونان“ کے عدم موجودگی کی صورت میں پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا کہ یونان کے بہت سے کھنڈر اصل میں کہاں واقع ہیں۔

بیان یونان میں یادگار عمارتوں، مقبروں، مجسموں اور دیگر فن پاروں پر مکمل معلومات

وہ ان عہدوں، سرزکوں اور دیہاتوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو اس کے راستے میں آ جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ وہ مختلف علاقوں میں خاص طور پر دستیاب ہونے والی اشیاء کے نام بھی گنوا دیتا ہے مثلاً اس نے ہومیرس کے شہد، فوکس میں کے نی کس کے مقام پر نظر آنے والے لکواروں، شاہ بلوط کے درختوں اور دیو پیکل کچھوؤں کا ذکر کیا ہے تاہم اسے عام طور پر کسی جگہ کے باشندوں یا معاشاتی پہلوؤں سے بہت کم دلچسپی ہے۔ اس کا زیادہ لگاؤ زراعی رسومات یا توہمات سے ہے اور ان کی تفصیلات سے یہ سفر نامہ بھر پڑا ہے جیسے جدید دور کے سفر نامے بعض اوقات عشقِ افسانوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

(6)

399ء۔ قاہیان

بدھ مت کا نمائندہ سیاح

پانچویں صدی عیسوی کا مشہور چینی سیاح جس نے اپنی سیاحت کے حالات کو ایک سفر نامے کی شکل دی
ہوا ایک تہائی دو ستودہ یعنی گہلا.....

قاہیان ایک چینی سیاح کا مذہبی نام ہے۔ اس سیاح نے پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان کا سفر کیا
تھا۔ یہ بدھ مت کا پیروکار تھا اور چین کے صوبے شانشی میں پیدا ہوا۔ اس کا اصل نام سنی ہی تھا مگر مذہب سے لگاؤ کی وجہ
سے وہ چین میں قاہیان اور قاہیا تک کے عربی نام سے اور برصغیر پاک و ہند میں صرف قاہیان کے نام سے جانا جاتا ہے۔
تین سو سال گزرنے کے باوجود بدھ مت کی علمی اور مذہبی معلومات کی کمی

جب قاہیان پیدا ہوا اس وقت چین میں بدھ مت کو متعارف ہوئے اگرچہ تین سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور
اس کے پیروکاروں کی تعداد بھی کافی بڑھ چکی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مذہب کو قاہیان کے زمانے میں چین میں
سرکاری سرپرستی حاصل تھی جو بعد کے زمانے میں مفقود رہی۔ تین سو سال گزرنے کے باوجود اس کی علمی اور مذہبی
معلومات لوگوں میں بہت کم تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدھ مت کا تعلق ہندوستان سے ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق
زیدہ تر کتب مسکرت زبان میں تھیں اور چین میں بہت کیاب تھیں جس کی وجہ سے چین میں لوگ بدھ مت کے بارے
میں سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے تھے جس سے یہ مذہب عجیب و غریب بدعتوں کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

سفر کرنے کا مقصد

انہیں حالات کی وجہ سے قاہیان نے، جو اس مذہب سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا، ہندوستان کا سفر کرنے کا ارادہ کیا
تاکہ بدھ مت کے متعلق مسکرت زبان کی کتابیں اکٹھی کر کے چین لائے جن سے چینی لوگوں کو بدھ مت کے عقائد کے بارے
میں صحیح معلومات فراہم ہوں اور وہ اپنے عقائد درست کر سکیں تاہم اس زمانے میں چین سے ہندوستان تک کا سفر بھی جوئے شیر

سے کم نہیں تھا اگرچہ چین ہندوستان کا ایک ہمسایہ ملک ہے لیکن ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بہت ہے۔ دوسرے قایمان کے زمانے میں دونوں ملکوں کے درمیان سفر کرنے کا کوئی وسیلہ یا شاہراہ موجود نہیں تھی۔ راستے انتہائی پرخطر اور پہاڑی تھے۔ اگر ایک انسان ایسے سفر کے لیے کربا نہ تھا تو اسے یہ خوف لاحق رہتا کہ شاید اسے واپس گھر لوٹنا نصیب نہ ہو سکے گا۔

صحرا میں بدروحوں کی موجودگی

قایمان کے راستے میں یہ سب رکاوٹیں موجود تھیں۔ سب سے بڑی مشکل صحرائے گوبی کو عبور کرنا تھا جسے طے کیے بغیر ہندوستان پہنچنا ناممکن تھا۔ یہ صحرا چین میں جنوبی مانچو دیا سے صوبہ سیکیانگ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا رقبہ چار لاکھ اسی ہزار مربع کلومیٹر ہے جو پاکستان کے پورے رقبے کے برابر ہے۔ یہ لٹل وڈی صحرا ہے اور ہر زمانے میں اسے عبور کرنا انتہائی مشکل کام رہا ہے۔ قایمان کے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ قایمان نے اپنے سفر نامے میں اس صحرا کے بارے میں لکھا ہے کہ اس صحرا میں ہر قسم کی بدروحیں پائی جاتی ہیں۔ تیز ہوائیں، آندھیوں کی شکل میں چلتی ہیں جن کا مقابلہ آسان نہیں اور اکثر مسافران حالات سے دوچار ہو کر مر جاتے ہیں۔ دو دو دن تک انسان تو انسان کوئی جرم پر عمل بھی نظر نہیں آتا۔

دنیا کی چھت

قایمان 399 عیسویں میں ہندوستان کے سفر پر نکلا۔ اس وقت چین پر شہنشاہ یو ہنگ کی حکومت تھی۔ قایمان مختلف شہر سے گذرتا ہوا صحرائے گوبی میں داخل ہو گیا اور ہزار ہا میل کا پرخطر سفر طے کر کے چین کے شہر تھن پہنچا۔ یہ شہر اس زمانے میں صحرا کے کنارے آباد تھا۔ اس شہر کا ہم نام دریائے تھن ہے جو اس شہر کو سیراب کرنے کے بعد آگے جا کر صحرا کی ریت میں جذب ہو جاتا ہے۔۔۔ تھن سے ہوتا ہوا قایمان یار قند اور کا شفر پہنچا۔ یہاں سے بلند و بالا اور دشوار گزار پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوا جن پر موسم گرما میں بھی برف جمی رہتی ہے۔ تاہم صحرا کی طرح یہاں راستے غائب تو نہ تھا مگر اتنا دشوار گزار تھا کہ اس پر چلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ یہ دنیا کی چھت کہلانے والے پامیر کے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ ہر قدم پر ایک نئی مشکل کا سامنا پڑتا تھا۔ کہیں کوئی اونچی چٹان راستہ روکے کھڑی تھی تو کہیں برفانی گلیچیر راستہ کو دشوار گزار بناتے تھے۔

پاکستان کے علاقے میں دو سالہ قیام

تاہم قایمان ان مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا اور پامیر کے سلسلہ کوہ کے بعد اس نے ہندوکش کے دشوار گزار پہاڑ کو سر کیا۔ آخر تین سال کے طویل اور کٹھن سفر کے بعد وہ برصغیر میں داخل ہوا۔ پاکستان کے شمالی علاقے صوبہ سرحد اور سوات اشوک اعظم کے زمانے میں بدھ مت کے مرکز چلے آتے تھے۔ قایمان پشاور میں کافی عرصہ ٹھہرا جو اس زمانے میں پرشاپور کہا جاتا تھا۔ پھر پشکل وٹی (چار سدہ) سے ہوتے ہوئے وہ ٹیکسلا پہنچا۔ قایمان دو سال یہاں رہا۔

حضرت آدم کے قدموں کا نشان

قدیم پاکستان میں بدھ مت کے متبرک مقامات کی زیارت کرتا ہوا قایمان پنجاب سے گذر کر وسطی ہندوستان پہنچا وہاں اس نے بدھ مت کے پیروؤں کی حالت اچھی نہ پائی جیسے قدیم پاکستان کے علاقوں میں تھی۔ ہندوستان پر ان دنوں گپتا خاندان کی حکومت تھی۔ قایمان وسطی ہند کے شہر پاتلی پتر میں تقریباً دو سال قیام پذیر رہا۔ یہاں اس نے سنسکرت سیکھی اور بدھ مت کے متعلق سنسکرت کی کئی کتابوں کا ترجمہ بھی چینی زبان میں کیا پھر وہ بنگال کی سیاحت کے لیے گیا جہاں بنگلہ دیش ہے۔ یہاں وہ مدنا پور کے شہر 'تھری پتی' میں ٹھہرا۔ یہاں اس نے بدھ مت کی کئی کتابیں پڑھیں اور مہاتما بدھ کے مجسموں کے خاکے تیار کیے۔ بنگال سے قایمان سری لنکا پہنچا۔ یہ جنوبی ہندوستان کے ساحل کے قریب ایک مشہور جزیرہ ہے۔ سری لنکا ان دنوں بدھ مت کا مرکز تھا۔ اس لیے قایمان نے یہاں دو سال قیام کر کے بدھ مت کے متعلق علم کا اکتساب کیا۔ کہتے ہیں سری لنکا میں مہاتما بدھ کے پاؤں کا نشان ایک پہاڑ پر موجود ہے جبکہ مسلمان اسے حضرت آدم کے قدموں کا نشان کہتے ہیں۔ قایمان نے اس کی زیارت خصوصی طور پر کی۔ قایمان نے گپتا دور کے ہندوستان کی جو تصویر اپنے سفر نامے میں پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں برصغیر میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اس نے بدھوں اور ہندوؤں میں کھچاؤ کا ذکر بھی کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے ہندو اس زمانے میں بھی دوسرے مذہبوں کے بارے میں تنگ دل تھے۔

قایمان دو سال سری لنکا میں ٹھہرنے کے بعد سمندر کے راستے وطن واپس ہوا۔ راستے میں اس کا بحری جہاز ایک سمندری طوفان میں گھر گیا اور تباہ ہو گیا۔ یہ طوفان اسے انڈونیشیا کے جزیرے سائرا لے گیا جہاں سے وہ چین روانہ ہوا۔ 14 سال تک وہ برصغیر کی سیاحت کے بعد 413ء میں واپس چین پہنچا اور اپنے ساتھ بدھ مت کے متعلق سینکڑوں کتابیں ترجمہ کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کا یہ سفر اس وجہ سے اہم تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مت کے بارے میں بہت سا مواد اس کے ساتھ چین پہنچ گیا۔

(7)

602ء - ہیون سانگ

دنیا کا ایک اور مشہور چینی سیاح

سری لنکا کے سفر میں اسے سمری قواخوں نے گرفتار کر لیا۔ وہ کالی دہلی لے کر پہنچا۔ وہ اسے کالی دہلی کی بھینٹ پڑھانا چاہتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ اسے ذبح کر دے کہ اس نے عبادت کرنے کی مہلت مانگی۔ ابھی عبادت سے فارغ نہ ہوا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا اور سمری قواخوں نے اسے بھوڑ دیا۔

ہیون سانگ ایک اور مشہور چینی سیاح کا نام ہے۔ اس چینی سیاح نے ساتویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند کی سیاحت کی تھی اور وہ یہاں کئی سال تک مقیم بھی رہا تھا۔ اس نے برصغیر کے تقریباً تمام شہروں کو خوب محوم پھر کر دیکھا تھا۔ اس نے ایک سفر نامہ بھی لکھا تھا جس زمانے کے ہندوستانی معاشرے کی ایک صاف اور واضح تصویر کی حیثیت رکھتا ہے۔

مذہب کی تبدیلی

ہیون سانگ کو چین میں یوآن چانگ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ 604ء میں چین کے صوبہ ہونان کے ایک مقام جن لیو موجودہ کیلنگ میں پیدا ہوا اور اس نے 664ء میں چنگن کے قریب ایک خانقاہ میں وفات پائی۔ اس کا تعلق چین کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی جو علم سے محبت کرتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چین کے ایک مقول عام کنفیو شس مت کا پیروکار بن گیا مگر اس کے بڑے بھائی کی کوششوں سے اس نے چند سال بعد بدھ مت کو قبول کر لیا اور بدھ مت کی تعلیم کے حصول کے لیے چین کے کئی شہروں کا سفر بھی کیا۔

بدھ مت کے علمی مسائل کا حل صرف ہندوستان میں

ہیون سانگ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس زمانے میں چین کی بادشاہت میں تبدیلی رونما ہوئی۔

پرانے شاہی خاندان کی جگہ ایک نیا شاہی خاندان برسرِ اقتدار آ گیا جس کے بعد ملک میں بد امنی پھیل گئی۔ ہیون سانگ کو اپنے بھائی کے ساتھ اپنا گاؤں چھوڑ کر ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرنا پڑی جہاں بد امنی نہ تھی۔ یہ دونوں بھائی کئی شہروں کے بعد شوچی نامی شہر میں آباد ہو گئے۔ اس شہر میں ہیون سانگ کو بدھ مت کے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع ملا اور مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت وسیع ہو گیا مگر چونکہ بدھ مت نے ہندوستان میں جنم لیا تھا اس لیے اس مذہب کا کتابی علم اب بھی ہندوستان میں بہت زیادہ تھا۔ ہیون سانگ نے مذہب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ اسے ہندوستان کے ذخیرہ علم سے بالخصوص استفادہ حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے نزدیک بدھ مت کے علمی مسائل کا حل صرف ہندوستان میں موجود تھا۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان جا کر نہ صرف بدھ مت کے متعلق مزید کتابیں پڑھے بلکہ انھیں ترجمہ کر کے چین لائے۔

مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں کا سفر

اس زمانے میں ہندوستان پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اور ہزاروں کلو میٹر کا پرخطر سفر کر کے ہندوستان پہنچا جاسکتا تھا۔ ہیون سانگ کو اس سفر کے طویل اور پرخطر ہونے کا علم تھا مگر وہ ان مشکلات سے ڈر کر بدول نہ ہوا اور ایک دن بدھ بھکشوؤں کا زرد زعفرانی لباس پہن کر وہ چین کے شہر لان چاؤ سے اپنے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز دیوار چین کے مغربی کونے سے کیا تھا۔ اس سفر میں اس کے ہم سفر اس کا گھوڑا اور مختصر سفری سامان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں بدھ مت کی محبت اور علم کی لگن بھی اس کی ساتھی تھی۔ لان چاؤ سے روانہ ہو کر وہ قدیم تجارتی شاہراہ ریشم پر سفر کرتا ہوا نان شان کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے صحرائے گوبی پہنچا اور وہاں سے ختن، یارقداد کا شہر سے گزرتے ہوئے اس نے پامیر کے کوہستانی سلسلے کو عبور کیا اور کوہ ہندو کش کے دشوار گزار راستوں پر سفر کرتا ہوا مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں تک پہنچا۔

فاہیان اور ہیون سانگ کے درمیانی زمانے میں صحرائے گوبی کے خطرات میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ صرف رونما ہونے والی واحد تبدیلی یہ تھی کہ چین کے شہنشاہوں نے صحرائے گوبی میں جہاں جہاں نخلستان واقع تھے وہاں وہاں حفاظتی برج تعمیر کر دیے تھے۔ یہ برج خصوصی طور پر غیر ملکیوں کے چین میں داخل ہونے پر نظر رکھنے کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ صحرائے گوبی میں سفر کرنے والے مسافروں کی راہنمائی بھی کرتے تھے اور مسافرانِ برجوں سے اپنا راستہ پہچان لیتے اور سستا لیتے تھے۔

سو تیلی ماں کی سازش

ہیون سانگ کو بھی اس طویل سفر میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک نخلستان میں جب

وہ پانی کے چشمے سے پانی لینے کے لیے جھکا تو ایک تیر سنسنا تا ہوا اس کے پاس سے گذرا۔ یہ تیر ایک حفاظتی برج میں سے ایک محافظ نے چلایا تھا۔ جب برج کے محافظوں کو بطور جھکٹو اس نے اپنی پہچان کرائی تو انھوں نے اس کی نکریم کی اور دوسرے برج کے محافظوں کے نام خط بھی دیے۔ پھر ان سب خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہیون سانگ 633 عیسوی میں پرش پور یعنی پشاور پہنچا۔ یہاں کچھ دن ٹھہر کر اس نے ارد گرد کے علاقے میں بدھ مت کی پرانی خانقاہوں کی زیارت کی اور پھر ٹیکسلا کا رخ کیا۔ ٹیکسلا اس زمانے میں ہندوؤں کے ہاتھوں برباد ہو چکا تھا۔ ہیون سانگ ٹیکسلا کے بربادگی کو چوں میں اور خانقاہوں اور اسٹوپوں میں اس کی نشان اور عظمت کے آثار تلاش کرتا رہا۔ وہ اس تالاب پر بھی گیا جہاں اشوک کے بیٹے کنال کی آنکھیں اس کی سوتیلی ماں کی سازش سے نکالی گئی تھیں۔ اس زمانے میں ہندوستان پر راجہ ہرش ورمہن کی حکومت تھی۔ یہ راجہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اسی کے عہد میں ہیون سانگ وسطی ہند کے سفر کے دوران نالندہ پہنچا اور وہاں اس نے وہاں کی یونیورسٹی میں قیام کیا۔ اس نے بنگال، آسام، راجھستان اور جنوبی ہند تک کی سیاحت کی۔ نالندہ میں رہ کر سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا۔ راجہ ہرش ہیون سانگ کو پریاگ لے گیا۔ پریاگ آج کل الہ آباد کہلاتا ہے۔ کچھ عرصہ ہندوستان رہ کر آخر ایک دن ہیون سانگ نے واپسی کا سفر اختیار کیا مگر اس سے پہلے اس نے بھی سری لنکا کی سیاحت کی۔ سری لنکا کے سفر میں اسے بحری قزاقوں نے گرفتار کر لیا۔ وہ کالی دیوی کے پجاری تھے۔ وہ اسے کالی دیوی کی بھیئت چڑھانا چاہتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ اسے ذبح کر دیں کہ اس نے عبادت کرنے کی مہلت مانگی۔ ابھی عبادت سے فارغ نہ ہوا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا اور بحری قزاقوں نے اسے چھوڑ دیا۔

چین واپسی کا سفر کرنے سے کچھ پہلے اسے ایک حادثہ پیش آ گیا جس میں وہ بے موت مرنے سے ایک بار بھر بچا۔ دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اس کی کشتی الٹ گئی اور اس کی کتابوں کا بڑا حصہ پانی کی نذر ہو گیا پھر بھی بہت سی کتابیں بچ گئیں جن کو لے کر وہ چین واپس پہنچا۔ ان کتابوں کے علاوہ اس کے ساتھ مہاتما بدھ کی دوسری یادگاریں بھی تھیں۔

(8)

838ء اینن کا سفر نامہ یا روزنامہ

یہ ہندیاں صرف بدھ مت کے خلاف ہی نہیں بلکہ دوسرے ایسے مذاہب کے خلاف بھی عائد کی گئی تھیں جو ہر دنیوی دنیا سے چین آئے تھے۔ ان مذاہب میں زرتشت، نستوری عیسائیت بھی شامل تھی جبکہ اسلام اور کنفیوشس ازم ان ہندوؤں سے ماورا تھے۔

دنیا کا پہلا جاپانی سیاح جو تانگ عہد کے چین کی سیاحت پر نکلا

بدھ مت سے تعلق رکھنے والا ایک جاپانی سیاح اینن Ennin تھا۔ اس نے اپنے چین کے سفر کو اپنے چار جلدوں پر مشتمل ایک روزنامہ میں تحریر کیا۔ اس نے نویں صدی عیسوی کے تانگ شاہی سلطنت کے چین کی سیاحت کی تھی۔ اینن ان نو جاپانی راہبوں میں سے ایک تھا جنہوں نے اس عہد کے چین میں بدھ مت کی تعلیم پائی تھی۔ وہ چین کے سفر پر بدھ مت کے اہم مندروں کی زیارت کے لیے نکلا تھا اور اس نے 838ء سے 847ء تک تقریباً ساڑھے نو سال تک چین کی سیاحت کی تھی اور یہاں قیام کیا تھا۔ اس کے جاپانی زبان میں لکھے ہوئے اس روزنامہ یا سفر نامے کا ترجمہ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر علم التاریخ ایڈون اوریشور (Edwin O. Reischauer) نے کیا تھا اور اس کا عنوان اینن کا روزنامہ Ennin's Diary رکھا ہے جس کے ساتھ ذیلی عنوان The Record of A Pilgrimage for law یہ انگریزی ترجمہ 1955ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتب کی دوسری جلد کا عنوان Ennin's Travels in Tang China یا تانگ عہد کے چین کی سیاحت ہے۔ پہلی جلد میں اینن کے روزنامے سے اقتباسات دیے گئے جبکہ دوسری جلد اس کی سیاحت نامے پر مشتمل ہے۔

چین کے متعلق ایک دستاویز کی حیثیت

اینن کی یہ کتاب ایک قیمتی تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ تاریخی سقم بھی پائے گئے

ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ جاپانی ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے۔ یہ اس زمانے کے چین کے متعلق ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ایک غیر ملکی نے اس زمانے کے چین کے معاشرے کی تصویر پیش کی ہے۔ ابن نے اس زمانے کے چین کی مذہبی حالت اور عام شہری کی زندگی کے مختلف پہلو بیان کیے ہیں۔ اس کا یہ سفر نامہ اس زمانے میں چین میں بدھ مت کی حالت کا کھلایا ہے۔ ابن نے اس زمانے میں منعقد ہونے والی کئی مذہبی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال بھی درج کیا ہے جس سے ہمیں لوہیں صدی عیسوی میں بدھ مت کی مروجہ رسومات کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ ابن چین سے واپس جاتے ہوئے چینی زبان کی بدھ مت کے متعلق بہت سی کتابیں بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اپنے سفر چین کے دوران تانگ حکومت کی طرف سے بدھ مت پر عائد کردہ پابندیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ بدھ مت کے خلاف یہ پابندیاں چین میں 842ء سے 846ء تک نافذ العمل رہی تھیں۔ اس کی کتابوں میں ہمیں اس زمانے کے کوریا کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں۔ ان دنوں شمال مشرقی چین اور کوریا میں تجارت زوروں پر تھی۔ کوریا نے اس زمانہ میں مشرقی چین اور جاپان کے درمیان ہوئے والی تجارت میں بھی اہم رول ادا کیا تھا۔

بدھ مت کے خلاف عائد کردہ پابندیاں

بدھ مت کا بائیکاٹ یا اس کے خلاف پابندیاں 845ء میں تانگ شہنشاہ ووزونگ (Wuzong) نے عائد کی تھیں۔ ان پابندیوں سے اس کا مقصد جنگ کے لیے سرمایہ حاصل کرنا اور چین کو غیر ملکی اثرات سے پاک کرنا تھا۔ یہ پابندیاں صرف بدھ مت کے خلاف ہی نہیں بلکہ دوسرے ایسے مذاہب کے خلاف بھی عائد کی گئی تھیں جو بیرونی دنیا سے چین آئے تھے۔ ان مذاہب میں زرتشت، مسیحی، عیسائیت بھی شامل تھی جبکہ اسلام اور کینیوشیش ازم ان پابندیوں سے اوراء تھے۔ ان پابندیوں سے مراد بدھ مت کو بدعتوں سے پاک کرنا تھا اس کو مٹا دینا نہیں تھا۔ بدعتی طرمان کو بدھ مت کے مذہبی مہدوں سے درخواست کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ جیسے جیسے تانگ شہنشاہ ووزونگ تاؤ ازم سے متاثر ہوا تھا اس کے دل میں بدھ مت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی گئی تھی۔ اسی وجہ سے 844ء میں تانگ حکومت نے بدھ مت کو مٹا دینے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔

رہبانیت کا امتحان

بدھ مذاہب ابن کا تعلق ایک جاپانی علم دوست خانہ دان Mibu سے تھا۔ اس نے تعلیم کے حصول کے لیے ایک بدھ خانقاہ میں داخلہ لیا اور تقریباً 14 سال کی عمر میں رہبانیت کا امتحان پاس کر لیا۔ تقریباً 838ء میں وہ زائرین کی اس جماعت میں شامل ہو گیا جو چین میں بدھ مت کے حبرک مقامات کی زیارت کے لیے جا رہی تھی۔ اس جماعت میں کچھ ایسے جاپانی حکام بھی شامل تھے جو تانگ شای دربار میں سفیر مقرر کیے گئے تھے۔ ان کا چین تک کا یہ

بحری سفر انتہائی دلچسپ واقعات پر مشتمل ہے۔ اس نے چین میں پہنچ کر دو چینی عالموں سے بدھ مت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وہ کچھ عرصہ چینی صوبے شاگسی کے ایک پہاڑی علاقے Wutai Shan میں مقیم رہا۔ یہ علاقہ بدھ مت مندروں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے بعد وہ چین کے اس وقت کے دارالحکومت Chang`A.N کی سیاحت پر نکلا۔ اس نے اپنے اس سیاحت میں بحر جنوبی چین میں ایک بحری سفر کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن چین میں ہی تھا کہ بدھ مت کے خلاف تانگ شہنشاہ ووزونگ 840ء میں تخت نشین ہوا۔ ابن چین نے اپنے باقی ایام سیاحت اسی شہنشاہ کے عہد میں بسر کیے اور بدھ مت پر لگائی جانے والی پابندیوں کا سامنا کیا۔ 847ء میں وہ واپس جاپان پہنچا اور 854ء میں وہ جاپان میں بدھ مت کے ایک اعلیٰ مذہبی عہدے پر فائز کیا گیا۔ اس عہدے پر فائز ہو کر اس نے ایسی ہی عمارات تعمیر کرائیں جن میں چین سے لائے گئے تبرکات اور کتابیں محفوظ کی گئیں۔

(9)

550ء - کو ماس

بازنطینی سیاح ہند

اس نے اپنی کتاب مقام نگاری میں دنیا کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ان میں سے ایک اہم تحریر یہ ہے کہ اس زمانے تک دنیا کو گول تسلیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسے فلیٹ Flat مانا جاتا تھا اور آسمانوں کو ایک ابرے ہوئے ڈسک والے صندوق کی شکل کا سمجھا جاتا تھا۔

550ء میں بحر قلزم اور بحر ہند میں کیے گئے سفروں کی روئیداد

لاطینی زبان کے لفظ Indicopleustes کے معنی سیاح ہند یا مسافر ہند Indian voyager کے بنتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی عیسوی کے ایک بازنطینی جغرافیہ نگار کو ماس راہب Comas The Monk کے نام کا لاحقہ ہے۔ اس کی کتاب مسیحی جغرافیائی مقام نگاری Christian Topography بہت مشہور ہے۔ کو ماس ایک بازنطینی تاجر تھا۔ اس نے چھٹی صدی عیسوی میں بحیرہ قلزم Red Sea کے راستے ہندوستان تک کئی تجارتی سفر کیے تھے۔ قسطنطنیہ یا بازنطیم میں ان دنوں شہنشاہ جسطین Justinian کی حکومت تھی۔ یہ کو ماس مشہور زمانہ شامی انشا پرداز پلوٹارک ابا کا شاگرد تھا۔ اور مشرقی کلیسا پر ایمان رکھتا تھا۔

سفر

تقریباً 550 عیسوی کے لگ بھگ اس نے بحیرہ قلزم کے راستے کیے جانے والے ہندوستان سفروں پر ایک کتاب ”مقام نگاری“ Topography رقم کی تھی۔ یہ بحر ہند اور بحیرہ قلزم میں کیے گئے اس کے ذاتی تجارتی سفروں کا مرقع ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب میں چھٹی صدی کے ہندوستان اور جزیرہ سراندیپ (سری لنکا) کی جو تفصیلات دی ہیں وہ مؤرخین کے لیے بہت بیش قیمت ہیں۔ کو ماس نے اپنے ان تجارتی سفروں کے دوران براعظم افریقہ کے ساحل پر واقع ملکوں حبشہ اور افریقی سلطنت آکسوم Axum کی بھی سیاحت کی تھی۔

جہاں کالی مرچ اُگتی ہے

کلاسیک ادب کے فن پاروں سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ہندوستان اور سلطنت روما کے درمیان تجارتی روابط قائم تھے اور تقریباً پہلی صدی قبل از مسیح سے ہندوستان اور روما کے درمیان باضابطہ طور پر تجارت کی جارہی تھی۔ کواماس کی مرتب کردہ یہ کتاب ایک ایسے سیاح کا سیاحت نامہ ہے جس نے ذاتی طور پر ہندوستان کے یہ سفر کیے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان کے مقامات اور حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر پوری سچائی سے انھیں صفحات پر منتقل کر دیا۔ 522 عیسوی میں اس نے ہندوستان کے مالا ہار ساحل کی سیاحت کی جو جنوبی ہندوستان کا ساحل ہے۔ وہ دنیا کا پہلا سیاح ہے جس نے ہندوستان کے آج کے صوبے کیرالا میں شامی عیسائیوں کو آباد دیکھا تھا۔ اس نے جزیرہ سرائیپ (سری لنکا) میں بھی ایک مسیحی عبادت گاہ یا چرچ دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے جہاں کالی مرچ اُگتی ہے ان جزائر پر بھی عیسائی رہتے تھے۔ اس نے اپنی کتاب مقام نگاری میں دنیا کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ان میں سے ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ اس زمانے تک دنیا کو گول تسلیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسے فلیٹ Flat مانا جاتا تھا اور آسمانوں کو ایک ابھرے ہوئے ڈھکن والے صندوق کی شکل کا سمجھا جاتا تھا۔ وہ ہمیں یونانی ماہرین فلکیات جن میں بطلمیوس اور کئی دوسرے شامل ہیں اکتایا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ وہ زمین کو گول مانتے تھے۔ وہ اپنی کتاب میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مسیحی عہد سے پہلے جو جغرافیہ نگار یا ماہرین فلکیات ہو گزرے ہیں وہ سب مسیحی نظریات کے مقابلے میں غلط نظریات کے حامل تھے اور اسی وجہ سے زمین کو گول سمجھتے تھے جبکہ یہ حقیقتاً یہ تو ریت میں بیان کردہ چوکور تابوت کی شکل کی ہے تاہم آج ہم جانتے ہیں کہ اس کے نظریات خود غلط تھے۔ شاید اسی وجہ سے اس کی تحریر متاثر کن نہیں رہی۔ اس کے ہم عصروں میں جان فلوپوس (John Philo Ponus) اس کے نظریات سے متفق نہیں تھا۔ اسی طرح اس دور کے کئی مسیحی فلسفی بھی اس کے نظریات سے متفق نہیں تھے مگر ان غلط نظریات کو پیش کرنے کے باوجود کواماس جغرافیائی طور پر بہترین اہنٹائی کرتا ہے اور اس کی جغرافیہ نگاری انتہائی دلچسپ اور قابلِ مہرورہ ہے۔ وہ ہمیں اپنی آنکھوں سے ایک ایسا دنیا دکھاتا ہے جو آج موجود نہیں ہے۔ اس نے بحیرہ قلمز کے ساحل پر واقع آج کے اریٹریا Eritrea کی بھی سیاحت (525ء) کی تھی۔ اس زمانہ میں وہاں کا بادشاہ انٹوم کسی جنگی مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس پر حملہ کرنا چاہتا تھا جو مسیحیوں پر ظلم و تشدد وار کھے ہوئے تھا۔

(10)

941ء-95 I- المسعودی

مسلم مؤرخ اور سیاح کا دور سیاحت

ایک تو وہ مہامہات عالم دیکھنا چاہتا تھا اور سیر و فی الدنیا کی عملی تفسیر و شرح کرنے کا قائل تھا۔ دوسرے اس کا نظریہ یہ تھا کہ حقیقی علم صرف ذاتی تجربے اور سفری مشاہدے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

عہد اسلامی کا ہیر و ڈھنس جس نے سیاحت بھی اسی کی طرح کی اور تاریخ بھی لکھی۔

ابوالحسن علی ابن الحسین ابن علی المسعودی ایک مسلم مؤرخ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، تاہم وہ ایک سیاح بھی تھا اور اس نے نہ صرف دنیا کے اسلام بلکہ مشرق بعید کے ملکوں کی سیاحت بھی کی۔ المسعودی کے تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ 896ء میں بغداد میں پیدا ہوا اور اس نے مصر کے مشہور شہر المسطاط میں وفات پائی۔ مؤرخین کے مطابق اس نے ستمبر، اکتوبر 957ء میں وفات پائی تھی۔

المسعودی نے نو عمری ہی میں سیاحت کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ بغداد سے تقریباً 915ء میں روانہ ہوا اور اس نے بقیہ زندگی سیر و سیاحت میں گزار دی۔ 941ء تک وہ خراسان، جہان، کرمان، فارس، قومیس، جرجان، طبرستان، جبال (میڈیا) خوزستان عراق، الجزیرہ (میسوپوٹیمیا کے نصف شمالی) کی سیاحت کر چکا تھا۔ 941ء سے 956ء کے درمیانی عرصہ میں اس نے شام، یمن، حضرموت، عُمان اور مصر کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ وہ سندھ، ہند اور مشرقی افریقہ کے سفر پر بھی نکلا اور اس نے عالمی سمندروں میں سے بحیرہ خزر (Caspian Sea)، بحیرہ احمر (Red Sea)، بحرہ روم (Mediterranean) اور بحیرہ عرب (Arabian Sea) کے پانیوں کی سیاحت بھی کی۔ اگرچہ اس کی دستیاب تصنیفات سے اس کے ہندوستانی، چین اور جاپان کے سیاحت کے دعوؤں کی تصدیق نہیں ہوتی مگر یہ واقعہ ہے کہ اس عالمی سیاح نے کرہ ارض کے ان حصوں کی ہی نہیں بلکہ بعض محققین کے مطابق سری لنکا (جزیرہ سراندیب)، ملے عسکر اور تبت

کی سیر بھی کی تھی۔ المسعودی نے اپنی عمر کا آخری حصہ مصر میں بسر کیا۔ اس کی سفری مہمات کے دو بڑے محرکات سامنے آتے ہیں۔ ایک تو وہ عجائبات عالم دیکھنا چاہتا تھا اور سیرونی الارض کی عملی تفسیر پیش کرنے کا قائل تھا۔ دوسرے اس کا نظریہ یہ تھا کہ حقیقی علم صرف ذاتی تجربے اور سفری مشاہدے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کثیر التصانیف (30 جلدوں کا) مصنف

المسعودی کی دستیاب تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف مصنف بھی تھا اور اس نے کم و بیش 37 کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مصنف کی حیثیت سے وہ ایک وسیع المشرع شخصیت ہے اور تاریخ اور جغرافیہ سے لے کر علوم فقہ اور دینیات، علم الانساب اور فن نظامت و حکمرانی تک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی تمام تر تصانیف میں سے صرف دو ہم تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی شہرہ آفاق تصنیف مروج الذهب و معاون الجواہر ہے جو نومبر دسمبر 947ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی اور اپنی ذاتی زندگی کے آخری سال یعنی 956ء میں نے اس پر نظر ثانی کی تھی۔ المسعودی کی دوسری تصنیف جو دستیاب ہے وہ ”المختبر والاشران“ ہے جو المسعودی کی وفات سے ایک سال پہلے مکمل ہوئی تھی۔ المسعودی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ”کتاب اخبار الرمان و من آبادہ لحد ثان“ ہے۔ اس کتاب میں اس نے اپنی سیاحت کے چوڑے طور پر دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ عالم کا جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب تیس جلدوں میں تصنیف کی گئی تھی جن میں سے صرف جلد اول زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہ گئی ہے جو آسٹریا کے دار الحکومت وینا کی ایک لائبریری میں محفوظ ہے جبکہ برلن، جرمنی میں بھی اس کے ایک قلمی نسخے کا سراغ لگا ہے۔

المسعودی معتزلہ مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا جھکاؤ شیعہ ازم کی جانب زیادہ تھا۔

انسانی نسلوں کی تاریخ کا احاطہ

المسعودی بحیثیت مؤرخ قرن وسطی کے عرب مؤرخین میں سب سے ممتاز ہے۔ اس کا نظریہ تھا کہ کسی قوم کی تاریخ کی حقیقی اور معروضی عکاسی کے لیے مؤرخ کو اس ملک میں دستیاب بنیادی ذرائع سے اکتساب کرنا چاہیے اور زبانی روایات پر انحصار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان سے حقائق کے مسخ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اپنی تاریخ عالم قلم بند کرتے ہوئے اس نے نہ صرف عربی کتب تاریخ سے استفادہ کیا بلکہ اس نے اپنی سیاحت کے دوران مختلف ممالک اور ان کے بادشاہوں کے معلق جو معلومات اکٹھی کی اس کو بھی مواد کے طور پر اس میں شامل کیا۔ وہ طلوع اسلام سے چوتھی صدی ہجری تک کی اسلامی تاریخ پر روایتی انداز میں بحث کرنے کے ساتھ ساتھ قبل از اسلام کی اہم اقوام عالم اور انسانی نسلوں کی تاریخ کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ اس نے بازنطینی سلطنت، یورپی اقوام، ہندوستان اور چین کی ہم عصر تاریخ کا احاطہ کرنے کی بھی بھی المقدور کوشش کی ہے۔ علم تاریخ کے ضمن میں وہ سائنسی اور معروضی زاویہ نگاہ رکھتا تھا۔

بحرانیائی حالات سے مکمل آگاہی

المسعودی چونکہ ایک سیاح تھا اس لیے وہ کسی خطے کی تاریخ لکھنے سے پہلے اس خطے کے جغرافیہ کے خدوخال ضرور پیش کرتا ہے اور تاریخ عالم کو بیان کرنے سے پہلے جغرافیہ عالم کا ہر تفصیل جائزہ لیتا ہے۔ وہ اس بحرانیائی نظریہ کی حمایت کرتا ہے کہ کسی خاص خطے کے جغرافیائی حالات اس خطے کے جانوروں اور پودوں کے کردار، مزاج، ساخت اور رنگ و روپ سے تعبیر ہیں۔ وہ عربی مترجوں کی وساطت سے یونان، ایران اور ہندوستان کے جغرافیائی حالات، نظریات و تصورات سے مکمل آگاہی رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے عہد کے جغرافیائی عربی لٹریچر سے خوب واقفیت حاصل کی تھی۔ اس نے اپنے عہد کے جغرافیہ دانوں کی پیدا کردہ الجھنوں کی جا بجا تصحیح بھی کی۔ وہ خیال کرتا تھا کہ بحر ہند سوائے مشرق کے تمام اطراف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے اور مشرق میں وہ ایک آبنائے سے بحر الکاہل سے مل جاتا ہے۔

(11)

973ء۔ ابن حوقل

مشہور زمانہ عرب سیاح اور مصنف

ابن حوقل کی مشہور زمانہ کتاب ”صورة الارض“ پہلی اسلامی اٹلس

ابوالقاسم محمد بن الحوقل کے حالات زندگی مکمل تفصیلات سے نہیں ملتے۔ اس کے بارے میں صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ترکی کے موجودہ شہر نصیبین میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں گذرا۔ وہ ایک جغرافیہ دان اور سیاح کے طور پر مشہور ہے۔

معلومات کا تبادلہ

پیشہ کے اعتبار سے ابن حوقل ایک سوداگر تھا اور مختلف اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے شہر شہر قریہ قریہ گھومتا تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں کے نظریہ کے مطابق وہ ایک فاطمی مبلغ دین تھا اور فاطمی مسلک کی تبلیغ کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض مؤرخین نے اسے ایک فاطمی یا اسماعیلی جاسوس بھی بتایا ہے۔ اس نے اپنے طویل سیاحتی سفر کا آغاز 43ء میں کیا اور اس وقت کی دنیائے اسلام کے تفصیلی دورے پر لکھا۔ 947ء اور 951ء کے درمیانی عرصے میں وہ شمالی افریقہ کی سیاحت پر تھا۔ اس دوران اس نے صحارا اور چین کے کچھ حصوں کی سیاحت بھی کی۔ چین میں اس کی ملاقات ایک یہودی طبیب حسدائی ابن شپروت سے ہوئی جو عبدالرحمن الثالث کا وزیر تھا۔ اس نے ابن حوقل کو شمالی یورپ کے ممالک کے متعلق جغرافیائی معلومات فراہم کی جبکہ اس کے عوض مشرق میں بسنے والے یہودیوں اور خنزروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ 955ء کی درمیانی مدت میں اس نے ایران و عراق کا سفر کیا۔ اس کے بعد وہ وسطی ایشیا میں ماوراء النہر اور خوارزم کی سیاحت کرنے کے لیے پہنچا۔ 973ء میں وہ سسلی یا صقلیہ میں تھا۔ اس نے برصغیر پاک و ہند میں ملتان اور دیگر شہروں کی سیاحت بھی کی۔

ابن حوقل نے علم جغرافیہ پر ایک کتاب ”کتاب المساک والماک“ لکھی تھی۔ اسے کتاب ”کتاب

صورة الارض World, Map of the کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ محققین نے اسے اولین اسلامی اٹلس قرار دیا ہے۔ یہ کتاب اس کے پیٹر و جغرافیہ دان الاصطری کی کتاب سے بہت مشابہ ہے۔ غالباً الاصطری کی کتاب سے ہی ابن حوقل اپنی کتاب لکھنے کی طرف متاثر ہوا تھا۔ دراصل وہ الاصطری کی تصنیف پر نظر ثانی کرنا چاہتا تھا، تاہم اس کی اس تصنیف کا بیانیہ حصہ پہلے مصنفین کی کتابوں سے بہت بہتر ہے۔ ابن حوقل نے کتاب صورة الارض میں سوڈن، ترکی، توبہ اور جنوبی اٹلی کے غیر مسلم خطوں کی جغرافیائی تفصیلات بھی شامل کی ہیں۔ واقعات کے تسلسل اور ان کی تاریخوں کے تسلسل کے ضمن میں اس نے بعض اغلاط کی تصحیح بھی کی ہے۔ خام اشیاء اور ان کے معاشی مفاد کے متعلق معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ معاشی یا اقتصادی ایک ایسا موضوع ہے جو اس کے پیٹر و مصنفین کی تصانیف میں نہیں ملتا، تاہم اپنی اس کتاب میں شامل کردہ نقشوں کو ترتیب دیتے وقت ابن حوقل نے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا کہ ان نقشوں کی مدد سے اس کا قاری کتاب میں ذکر کیے گئے خطوں اور مسندوں کے محل وقوع کے متعلق کیسے جان سکے گا۔ یاد رہے کہ کتاب صورة الارض میں ابن حوقل نے دنیائے اسلام اور دنیا کے دیگر خطوں کے جو نقشے دیے ہیں وہ اولین اسلامی نقشہ نویسی کے نمونے ہیں۔ ان کے ساتھ اس نے ان کی تفصیلات بھی درج کی ہیں۔ ابن حوقل کی اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جس پر سن کتابت 1086ء درج ہیں استنبول میں توپ قیسی میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

ابن حوقل اور الاصطری کی کتابوں میں جو واضح فرق ہے وہ یہ ہے کہ ابن حوقل بازنطینی سلطنت کے بعض حصوں کے ساتھ ساتھ چین، سسلی اور شمالی افریقہ کے متعلق بھی جغرافیائی معلومات فراہم کرتا ہے جبکہ الاصطری زیادہ تر اسلامی ممالک تک محدود رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن حوقل نے شام اور مصر کے متعلق بھی اپنی کتاب میں بڑی تفصیلات درج کی ہیں جو الاصطری کی کتاب میں نہیں ملتیں۔ اصطری کا کام محض نقشوں پر تبصرے کے مترادف ہے جبکہ اس کی دلچسپی بھی صرف نقشوں تک محدود تھی۔ جب اس کی ملاقات ابن حوقل سے ہوئی تو دونوں نے اپنے تیار کردہ نقشوں کا تقابلی جائزہ لیا۔ ابن حوقل کے مطابق اصطری کے تیار کردہ نقشوں میں بہت سے قسم رہ گئے تھے۔ اسی وجہ سے اصطری نے اپنی کتاب ابن حوقل کو نظر ثانی کرنے کے لیے دی تھی مثلاً اصطری کے تیار کردہ سندھ کا نقشہ پر از نقائص تھا جبکہ ابن حوقل کا تیار کردہ آذربائیجان کا نقشہ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر ابن حوقل نے اصطری کے نقشوں پر تبصرہ نگاری کرنے کی بجائے اگلا قدم اٹھایا اور ہر خطے کی باقاعدہ جغرافیائی معلومات اپنی کتاب میں درج کیں جس سے وہ علم جغرافیہ کی ایک بہترین کتاب کی شکل اختیار کر گئی۔

(12)

922ء - ابن فضلان

شمالی یورپ اور اسکیٹنڈے نیویا کا پہلا مسلم سیاح

ابن فضلان نے لکھا ہے کہ خود شاہ بخارا بھی اسلامی طریق پر عبادت کرنے یا نماز کی ادائیگی میں غلطی کا مرتکب ہوا تھا، ابن فضلان کے مطابق چونکہ وہ ایک فقیہ تھا اس لیے اسے غلط طریق پر عبادت کرنے پر سخت غصہ آتا تھا۔ اس کے مطابق یہ لوگ گمراہی کا شکار تھے۔

وولگا کے بخاری بادشاہ کے دربار میں بھیجا جانے والا سفیر

احمد بن فضلان ابن العباس بن راشد بن حماد، عرب مصنف اور اس سفارت کے حالات کے مؤلف جسے خلیفہ المتعذر نے وولگا Volga کے بخاری بادشاہ کے دربار میں خود اس کی سرکردگی میں بھیجا تھا۔ ابن فضلان چونکہ خلیفہ المتعذر باللہ اور قاضی مصر محمد بن سلیمان کے متوسلین میں سے تھا، لہذا مؤرخین نے یقین سے لکھا ہے کہ وہ عربی النسل نہیں تھا۔ بظاہر وہ خلیفہ کی طرف سے بھیجی گئی اس سفارت میں ایک فقیہ اور مسائل شرعی کے ایک مقتدر عالم کی حیثیت سے شریک تھا، اس لیے کہ حکومت کی طرف سے سفارت کار کے فرائض دراصل سوس الری نامی ایک شخص انجام دے رہا تھا جو فذیر الحری کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ سفارت 11 صفر 309ھ / 21 جون 921ء کو بغداد سے روانہ ہوئی۔ اول وسطی ایشیا کے مشہور شہر بخارا پہنچی، پھر خوارزم اور آخراں بلاد بلخار پہنچی جہاں سلطنت میں اس کا ورود 12 محرم 310ھ / 12 مئی 922ء کو ہوا۔ یہ سفارت کب اور کس راستے سے بغداد واپس پہنچی اس کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ اس طرح اس سفارت کے متعلق سفر نامہ لکھنے والے مصنف یعنی ابن فضلان کے حالات زندگی پر بھی تاریخی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری ردسویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا، جب الاصلطری اور المسعودی نے اس

دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے —————
 سفر نامے یا رسالے سے استفادہ کیا۔ یا قوت نے اپنی کتاب میں ہاں صراحت اس کے حوالوں کے علاوہ اس کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔ ہاشم، ہلغار، خز، خوارزم و روس کے مادے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بعد کے مصنفین کو اس تصنیف کا علم ان اقتباسات کے ذریعے سے ہوا تھا۔

شاہ بلغار کی خلیفہ کو اپنے ملک میں تبلیغی وفد بھیجنے کی اجازت

ابن فضلان نے شاہ بلغار کے دربار میں خلیفہ کا مراسلہ با آواز بلند پڑھ کر سنایا اور خلیفہ کی جانب سے بھیجے گئے تحائف اس کو پیش کیے۔ خلیفہ نے چونکہ شاہ بلغار کو امدادی رقم نہیں بھجوائی تھی جس کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں سے اپنی مملکت کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، اس لیے شاہ بلغار نے ابن فضلان اور اس کے ساتھیوں پر تنقید کی۔ شاہ بلغار خلیفہ سے فوجی امداد حاصل کر کے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے بدلے میں اس نے خلیفہ کو اپنے ملک میں تبلیغی وفد بھیجنے کی اجازت دی تھی تاکہ اس کے ملک میں اسلام لانے والوں کو اسلامی قوانین کی تعلیم دی جا سکے۔ ابن فضلان نے لکھا ہے کہ خود شاہ بلغار بھی اسلامی طریق پر عبادت کرنے یا نماز کی ادائیگی میں لفظی کا مرکب ہوا تھا، ابن فضلان کے مطابق چونکہ وہ ایک فقیہ تھا اس لیے اسے فلاح طریق پر عبادت کرنے پر سخت غصہ آیا تھا۔ اس کے مطابق یہ لوگ گمراہی کا شکار تھے۔

وائیکنگو (اسکینڈے نیوین لئیرے)

ابن فضلان نے اپنے سفر نامے کے بڑے حصے میں ملک روس اور اس میں آباد لوگوں کا حال بیان کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ روسی لوگ زیادہ تر تاجر تھے جو دریائے بلغار اور دوسرے دریا کے کنارے پر اپنے اسباب تجارت کی دکانیں لگاتے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو دراز قد بتایا ہے۔ یہ لوگ اپنے ناخنوں سے سر تک اپنے جسم پر نقش و نگار کدواتے تھے۔ یہ لوگ کپھاڑوں سے مسلح ہوتے تھے اور ان کے پاس تلواریں اور مخبر بھی ہوتے تھے۔ وہ اپنے سر میں کتھا کرتے تھے۔ ابن فضلان نے اپنے سفر نامے میں وائیکنگو کا احوال بھی درج کیا جو اس زمانے میں یورپ کے ممالک کے ساحلوں پر اکثر لوٹ مار کرتے تھے۔

ایک لمبے عرصے تک ابن فضلان کا ایک نامکمل احوال یا قوت کی معجم البلدان کے مختلف مقالات میں ملتا تھا۔ کہیں جا کر 1923ء میں اس سفر نامے کا ایک مکمل نسخہ ڈکی ولیدی طوعان نامی ایک ترک شخص نے آستانہ قدس میوزیم مشہد مقدس ایران کی لائبریری سے دریافت کیا تھا۔ یہ نسخہ 13 ویں صدی سے تعلق رکھتا تھا اور 420 صفحات پر مشتمل تھا۔ دیگر جغرافیائی مقالات کے ساتھ ساتھ اس میں ابن فضلان کے سفر نامے کی تفصیلات بھی درج تھیں۔ ایک روسی عالم سی ایم۔ فرحان نے اس سفر نامے کا پہلے پہل عربی سے جرمنی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

یاجوج ماجوج

ابن فضلان نے اپنے اس سفر نامے میں یاجوج ماجوج جیسی وحشی مخلوق کو وائیکنگوں سے مشابہ قرار دیا ہے جو اس کے نزدیک اس زمانے کی بدترین مگر خوبصورت مخلوق تھے۔

ابن فضلان پہلا مسلمان سیاح جو براعظم یورپ کے شمالی علاقے اسکیٹھے ندیا Scandi

Navla تک پہنچا تھا۔

ابن فضلان کے سفر نامے پر 1999ء میں ایک انگریزی فلم 13th Warrior بنائی گئی تھی جو ایک

شاہکار فلم ہے۔

(13)

985۔ بشاری مقدسی

مشہور عرب سیاح اور جغرافیہ داں، مصنف احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم

وہ اپنے فخر و مسلم جغرافیہ دانوں، اللہ زید علی، ابن الفقیہ اور ابن خردادذہ جیسے جانے پہچانے لوگوں کے کام سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ان حرام کے کاموں پر تنقید کی ہے۔

شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر الیثامی المقدسی البشاری۔ اس کے ولادت اور وفات کے سال متعین نہیں ہیں۔ اندازاً وہ 946ء کے قریب بیت المقدس میں پیدا ہوا۔ اور دسویں صدی کے آخر میں اس نے وفات پائی۔ المقدسی کی شہرت اس کی سیاحت، جغرافیہ نگاری اور نقشہ کشی کی وجہ سے ہے۔

مسلم جغرافیہ دانوں میں ممتاز مقام

المقدسی نے بیت المقدس ہی میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ اس کے بعد وہ اندلس (جنوبی ہسپانیہ) سندھ، ملتان اور بھتان (جنوبی افغانستان) کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ کی سیاحت پر نکلا۔ وہ بحر روم میں واقع جزیرہ صقلیہ Sisley بھی گیا جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم تھی۔ اس نے اپنے سفروں اور مشاہدات و تجربات سیاحت کو کتابی شکل میں قلم بند کیا ہے۔ اسی کتاب کی وجہ سے اسے مسلم جغرافیہ دانوں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کی یہ کتاب ”احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم“ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب المقدس نے شیراز میں تقریباً 985ء میں مکمل کی تھی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر جغرافیائی معلومات پر مشتمل ہے لیکن اس کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ المقدسی اسلامی فتنہ پر بھی دسترس رکھتا تھا اور خفی فتنہ کا ایک عالم تھا۔

اپنے پیشرو مسلم جغرافیہ دانوں کے کام پر تنقید

از منہ وسطی کے جغرافیہ داں، اکثر چاہے شرق سے تعلق رکھتے ہوں یا مغرب سے، اپنی کتب میں جغرافیائی

جزئیات بیان کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اسی جزئیات نگاری کی وجہ سے ان کی کتابیں بیانیہ جغرافیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور تجارتی شاہراہوں اور سلطنتوں کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں۔ المقدسی نے اس جزئیات نگاری سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی تھی۔ وہ اپنے پیشرو مسلم جغرافیہ دانوں، ابوزید بلخی، ابن الفقیہ اور ابن خرداد بہ جیسے جانے پہچانے لوگوں کے کام سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ان تمام کے کاموں پر تنقید کی ہے۔ اس کے نزدیک وہ حکمرانوں کے مقاصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تھیں یا پھر حکومتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی تھیں یا پھر ان میں انتہائی اختصار پایا جاتا ہے جس سے کوئی علمی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ ان سب خیالات کو سامنے رکھ کر اس نے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ کیا جو معاشرہ کے مختلف طبقات مثلاً تاجروں، سیاحوں اور اہل ثقافت وغیرہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کر سکے اور دلچسپ اور مفید علمی معلومات بھی فراہم کرے۔ المقدسی کو اس حقیقت سے مکمل آشنائی تھی کہ علم جغرافیہ ایک ایسا علم ہے جس میں بادشاہ اور رعایا دونوں دلچسپی رکھتے ہیں اور فقیہ اور قاضی بھی استفادہ کرتے ہیں۔

جغرافیہ کے موضوع کو ایک نیا رخ

المقدسی نے یہ سب کچھ سامنے رکھ کر جغرافیہ کے موضوع کو ایک نیا رخ دیا اور اس میں معاشرتی کوائف شامل کر کے اسے مزید وسعت دی تاہم وہ اپنے پیشرو جغرافیہ دانوں کی روایت کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک نئی جغرافیہ دانوں نے اپنی تحریروں میں صرف اسلامی ممالک کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے جغرافیائی نظریات کو قرآن و حدیث کے علم سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک مثل سمندروں کے بارے میں المقدسی کے اس بیان سے مل سکتی ہے کہ قرآن مجید میں دو سمندروں کے عقلم پر واقع جس مقام ہمزخ کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل خائنائے سویز پر بحیرہ روم اور بحر ہند کے ملاپ کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں الفرماء اور الفلکرم کے درمیانی خطے کو البرزخ کہا گیا ہے۔

ابن ابوزید بلخی کی طرح خود المقدسی نے بھی اپنی تحریروں میں صرف اسلامی ممالک کی حدود تک ہی محدود رکھیں اور جزیرہ نما عرب کے حالات سے شروع ہو کر مسلم ممالک پر ہی اختتام کیا۔ اپنی کتاب ”حسن التقاسیم“ میں المقدسی نے اعتراف کیا ہے کہ وہ نہ تو کبھی غیر مسلموں کے ملک کی سیاحت پر گیا اور نہ اسے اب ان علاقوں کا جغرافیہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ المقدسی نے اپنی کتاب ”حسن التقاسیم“ کا آغاز مختلف موضوعات پر عمومی اثرات پیش کر کے کیا ہے جن میں سمندر اور دریا جگہوں کے نام اور ان کے متبادلات، مختلف علاقوں کی امتیازی خصوصیات، اسلام کے مختلف فرقوں اور اسلامی دنیا کے غیر مسلم باشندوں کے بارے میں معلومات اور اپنے ذاتی سفری تجربات پیش کیے ہیں۔

پوری دنیائے اسلام کی چودہ اقالیم یا خطوں میں تقسیم

المقدسی نے اس وقت کی دنیائے اسلام کو خاص نقشہ میں پیش نہیں کیا بلکہ پوری دنیائے اسلام کو چودہ اقالیم یا خطوں

میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے چھ کو اس نے عرب اقالیم کا نام دیا ہے جن میں جزیرہ نما عرب، عراق، اقدریا شمالی بین النہرین، شام، مصر اور مغرب اقصیٰ کے خطے شامل ہیں۔ باقی آٹھ خطوں یا اقالیم کو اس نے ”دنیا ئے عجم“ کا نام دیا ہے جس میں المشرق (سامانیوں کی مملکت) الالم (گیلان اور بحیرہ خزر) الرحاب (آذربائیجان، ایران اور آرمینا) کرمان اور سندھ کے خطے شامل ہیں۔ المقدسی نے ان اقالیم سے ہر ایک کا نقشہ بھی مرتب کیا ہے جس میں سرحدی راستے دریا، سمندر اور پہاڑوں کا لگ بھگ رنگوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔

(14)

1010ء - البیرونی

البیرونی کا اصل نام ابوریحان محمد بن احمد تھا لیکن وہ استاد البیرونی کے لقب سے مشہور ہوا۔ وہ خوارزم کا باشندہ جو وسطی ایشیا کے لوق و دوق میدانوں میں واقع ہے۔ خوارزم کو پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ البیرونی کا تعلق خوارزم کے ایک متمول خاندان سے تھا۔ بچپن میں اس کی سرپرستی آل عراق کے حکمرانوں نے کی تھی جن میں سے ابونصر منصور بن علی عراق نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ آل عراق کا عہد حکومت 995 عیسوی تک رہا۔ پھر جب آل عراق کی سلطنت ختم ہو گئی تو البیرونی نے خوارزم کو چھوڑ کر باقی ماندہ زندگی افغانستان اور ہندوستان کے ملکوں میں گزاری اور وہ محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ محمود غزنوی نے فتح ہندوستان کی مہمات میں البیرونی کو اپنے ساتھ رکھا اور اسے وہ بلاد ہند میں اپنے ساتھ لے گیا اور البیرونی کو ہندوستان میں رہ کر نہ صرف یہاں کی سیاحت بلکہ علوم ہند کی تحصیل کا موقع بھی ملا۔

سیاحت پنجاب

محمود غزنوی کو البیرونی کی علم ریاضی، علم تاریخ، علم جغرافیہ، علم کیمیا اور علم ہیئت میں تحقیقات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی نظر میں البیرونی کی قدرو منزلت صرف ایک نجومی کی حیثیت سے تھی اور وہ اس کے نجوم کی بڑی قدر کرتا تھا۔ جس وقت البیرونی نے ہندوستان میں قدم رکھا مغربی ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملوں کی وجہ سے سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگ و جدل کے سبب اہل ہند کے دلوں میں حملہ آوروں اور دیگر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلی ہوئی تھی مگر البیرونی نے اپنے اخلاق و اطوار سے اہل ہند کو اپنی طرف مائل کر لی۔ اس پر آشوب زمان میں اس نے ہندوستان میں قیام کر کے علوم ہند کی تحصیل کی اس زمانے میں علوم ہند کے مرکز بنارس اور کشمیر تھے اور وہاں ایک پہنچنا مسلمانوں کے لیے مشکل تھا۔ اس لیے البیرونی مجبور تھا کہ وہ اپنی سیاحت پنجاب میں ملتان تک محدود رکھے۔ البیرونی نے اپنی کتاب

”کتاب الہند“ میں ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں جہاں وہ پہنچا تھا چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ میں نے خود لاہور کے قلعے کے عرض بلد کی پیمائش کی تو 34 درجے اور 3 دقیقے پر پایا۔ قصبہ کشمیر اور لاہور کے درمیان 300 میل کا فاصلہ ہے۔

عرض البلد کی دریافت

نصف راستہ مشکل ہے۔ البیرونی نے جن اور مقامات کے عرض بلد دریافت کیے وہ یہی ہیں۔ غزنی..... 35.23، کابل..... 36.33، کنڈی..... 35.33، لمعان..... 33.24، پشاور..... 34.34، جہلم..... 30.23، قلعہ ننڈا..... 30.23، سیالکوٹ..... 32.32، ملتان..... 31.57۔ ملتان اور قلعہ ننڈا کے درمیان تقریباً 200 میل کا فاصلہ ہے۔ ان سب مقامات میں سے البیرونی نے ملتان کا ذکر سب سے زیادہ کیا ہے۔ اور وہاں کی آب و ہوا، باشندوں اور مقامی حالات سے وہ خوب واقف تھا۔ البیرونی ہندوستان سے غزنہ 420ھ کے قریب واپس لوٹا۔ ہندوستان سے واپسی کے بعد البیرونی کو غزنی دربار میں زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا۔ 1020ء میں محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور مسعود غزنوی تخت نشین ہوا۔ ان دنوں البیرونی علمی مشاغل میں مصروف رہا اور ”کتاب الہند“ لکھتا رہا۔ مسعود غزنوی علما کا قدردان تھا اس کا سلوک البیرونی سے نہایت شفقانہ تھا۔ ”قالون مسعودی“ البیرونی نے مسعود غزنوی کے نام پر معنون کی تھی۔ وہ ہندوستان میں صرف پندرہ برس رہا۔ جب ہندوستان سے واپس گیا تو اسکی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ 11 ستمبر 1048ء کو البیرونی غزنہ میں وفات کی اور وہیں مدفون ہوا۔

(15)

1061ء - حکیم ناصر خسرو

ایران سے تعلق رکھنے والا فارسی شاعر، ماہر موسیقی اور مصنف "سفر نامہ" جس نے ایک الہامی خواب دیکھنے کے بعد سیاحت عالم پر نکلنے کا فیصلہ کیا

پیدائش اور ابتدائی حالات

ابومعین ناصر بن خسرو بن حارث فارسی کا مشہور شاعر 394ھ/1003ء میں ایران کے شہر قبادیان میں پیدا ہوا جو بلخ کے نزدیک واقع تھا۔ ایرانی مؤرخین اسے علوی لکھتے ہیں تاہم اسکے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ علوی سادات میں سے تھا، ہاں وہ مسلک شیعہ تھا۔ اس کا والد بلخ کے علاقے کا چھوٹا سا زمیندار تھا۔ ناصر نے تعلیم اچھی پائی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے تک مروجہ اسلامی علوم و فنون سے بخوبی واقف ہو گیا۔

الہامی خواب

پانچویں صدی ہجری کے سنہ 32 اور گیارہویں صدی عیسوی کے سنہ 40 اور 50 کے درمیان وہ خراسان کے شہر مرو میں کسی سرکاری عہدے پر فائز تھا اور اپنے ہی الفاظ کے مطابق ایک لائہالی زندگی گزار رہا تھا۔ 1045ء میں اس کے مزاج میں اچانک ایک انقلاب آیا جس کے اصل اسباب کا علم نہیں ہو سکا، لیکن ناصر خسرو خود اس کا سبب ایک الہامی خواب بتاتا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اپنی ملازمت اور عیش و نشاط کی زندگی کو خیر آباد کہہ کر حج کے لیے جائے۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر اس نے خانہ کعبہ کی زیارت چار مرتبہ کی۔ اس کے بڑے اہم نتائج مرتب ہوئے۔ وہ ایران سے ایسے پر آشوب زمانے میں نکلا جبکہ یہاں مختلف بادشاہوں میں جنگ ہو رہی تھی اور اس جنگ و جدل سے ملک تباہ ہو رہا تھا۔ اپنی سیاحت کے دوران اس نے لکھا ہے کہ اس نے ایسے ہی حالات و اطوار دیکھے اسلامی ممالک میں بھی پائے۔ ان حالات سے صرف ایک ملک معرستہ تھا جسے دیکھ کر ناصر خسرو کو خوشی ہوئی۔ مصر میں ناصر خسرو نے خوشحالی دیکھی، مال و

اسباب سے بھرے ہوئے بازار اسے اس ملک کے شہروں میں نظر آئے اور یہاں معاشرتی ہم آہنگی کے ساتھ امن و سکون پایا۔

مسک کی تبدیلی کی وجہ سے پریشانی کا سامنا

اس زمانے میں مصر میں اسماعیلی خاندان برسرِ اقتدار تھا۔ ناصر نے نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام کی راہ سے لوگ انحراف کر چکے ہیں اور سچے مومنوں کے لیے جاہلی تاغیر ہے اور انھیں اس جاہلی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی اور اگر کوئی چیز انھیں اس جاہلی سے محفوظ رکھ سکتی ہے تو وہ صرف اسماعیلی مذہب ہے۔ مصر میں قیام کے دوران ناصر خسرو نے متعدد اسماعیلی امراء اور جلیل القدر لوگوں سے مراسم پیدا کیے اور اس مسلک سے وابستہ ہو گیا اور آخر میں فاطمی خلیفہ المستعصر باللہ، ابو جیم معد (1036ء تا 1094ء) سے اپنے وطن مالوف خراسان میں اس مذہب کی نشر و اشاعت کے لیے اجازت اور تحریک حاصل کی۔ اسماعیلی فرقہ کے درجات و مراتب میں اسے حجتہ کے عہدے پر سرفراز کیا گیا جو خاصا بڑا عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔ بلخ واپس آ کر اس نے بڑی عقیدت اور سرگرمی کے ساتھ اپنے آپ کو اسماعیلی مسلک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دیا، لیکن سلجوقیوں نے جو اس زمانے میں اس علاقے کے حکمران تھے ناصر کی ان سرگرمیوں کو اپنی حکومت کے لیے باعثِ خطرہ سمجھتے ہوئے اس کی ان سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی جس کی وجہ سے اسے بلخ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ مارو ندان گیا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ جگہ بھی اس کے لیے محفوظ نہیں تو آخر کار حالتِ پیمارگی میں اس نے وادیِ یرگن میں جا کر پناہ لی جو بدخشاں کے دشوار گزار پہاڑوں میں واقع تھی۔ وہاں کے غیر مہمان نواز ماحول میں اس سیاح و شاعر نے اپنی زندگی کے آخری سال گزارے اور وہیں اس نے اپنی اہم کتابیں تصنیف کیں اور وہیں اس کا انتقال 452ھ/1060ء میں ہوا۔ آج بھی اس علاقے میں لوگوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ موجود ہے جو اس کے نام پر ”ناصریہ“ کہلاتا ہے۔ اس فرقہ کی بنیاد اس فرقہ کے ایک بزرگ ”شو ناصر“ نے رکھی تھی۔ فرقہ بانی کے متعلق لوگوں میں عجیب و غریب داستانیں چلی ہوئی تھیں۔

نامکمل اور محرف تصانیف

ناصر خسرو کی تصانیف غالباً بہت سی تھیں لیکن وہ ہم تک کچھ مکمل اور کچھ محرف صورت میں پہنچی ہیں۔ ان تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور اس کا ”دیوان“ ہے جو اس نے اپنے ایامِ معصیت اور جلاوطنی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔ ناصر کی نثری کتابوں میں سب سے بہترین اور مشہور کتاب اس کا ”سفر نامہ“ ہے جس میں اس نے اپنے سفر کے حالات و کوائف بیان کیے ہیں اور یہ کتاب مختلف قسم کی بیش بہا معلومات کا ایک نایاب ذخیرہ ہے، تاہم بد قسمتی سے یہ قیمتی تصنیف ہم تک نہایت ناقص حالت میں پہنچی ہے مگر اس کتاب کے اردو اور انگریزی زبان کے علاوہ کئی دیگر زبانوں

میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ”سفر نامہ“ میں حکیم ناصر خسرو نے اپنے سات سالہ دور سیاحت کے حالات رقم کیے ہیں جس کے دوران اس نے اسلامی دنیا کے درجنوں شہروں کی سیاحت کی۔ وہ 1046ء میں اس سفر پر نکلا تھا اور اس کی واپسی 1052ء میں ہوئی تھی۔ اپنے سفر نامہ میں اس نے اسلامی شہروں میں واقع مدارس، کارواں سرائے، مساجد، دیگر عمارات، شاہان ملک اور اس زمانے کے اسلامی سائنس دانوں کے متعلق بڑی تفصیلات مہیا کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی پیش کردہ جغرافیائی معلومات بھی بڑی اہم ہیں۔ اس نے مختلف شہروں کا محل وقوع اور ان کی آبادی کے متعلق بڑے صحیح اعداد و شمار بھی پیش کیے ہیں۔ گزشتہ سو برس سے اس کا یہ سفر نامہ فارسی زبان کی بڑی تعداد میں پڑھی جانے والی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ ناصر خسرو نے اس کے علاوہ فلسفہ پر بھی ایک تصنیف چھوڑی ہے۔

(16)

1080ء۔ ابو حامد غرناطی

یہی صدی ہجری رہا، وہیں صدی ہیسوی کا ایک اندلسی سیاح اور طالع آزمائے محمد بن عبد الرحمن بن سلمان المازنی اقصیٰ، ایک اندلسی سیاح اور جامع ”مہاسب“ اور مغربی رحلت کا مکمل نمونہ جسے علم ہی خواہش اور طالع آزمائی کا ذوق بلاد اسلامیہ کی اعلیٰ حد و تک کمال کشاں لے گیا۔

زندگی بھر کے لیے سیاحت سے وابستگی

اس کی زندگی کے حالات سے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ اگرچہ اپنی طالع آزمائی کی اہم تاریخیں اس نے خود اپنی تصانیف میں دے رکھی ہیں۔ وہ 473ھ/1080ء میں غرناطہ میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ اقلیش میں قیام پذیر رہا۔ جب وہ تیس سال کی عمر کو پہنچا تو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر سیاحت پر نکل کھڑا ہوا اور پھر زندگی بھر وطن واپس نہ آ سکا۔ شروع میں اس نے چھ سال افریقہ کی خاک چھانٹے ہوئے گزارے اور پھر سمندی راستے سے 511ھ/1117ء میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ پہنچا اور پہلے وہیں اور بعد ازاں 515ھ/1121ء تک قاہرہ میں مقیم رہا۔ وہاں سے دمشق میں مختصر قیام کے بعد بغداد پہنچا اور چار سال تک وہیں قیام پذیر رہا اور بغداد کے گلی کوچوں کی سیاحت کی۔ 524ھ/1130ء میں وہ ایران کے شہر اہرہ میں موجود تھا اور بعد ازاں وہاں سے دریائے وولگا Volga کے دھانے تک پہنچا۔ اس کے خاصے عرصے کے بعد وہ مشرقی یورپ کے ملک ہنگری گیا اور تین سال یعنی 648ھ/1153ء تک وہاں رہا اور اس یورپی ملک کی معاشرت کا مطالعہ کرتا رہا پھر مشرقی یورپ کے دیگر ممالک اور سبکی کی سیاحت کرتے ہوئے خوارزم پہنچا۔ وہاں سے حج کے لیے براستہ بخارا، مرو، نیشاپور، رے، اصفہان اور بصرہ بلاد عرب میں وارد ہوا۔ عرب دنیا میں اس بار بغداد میں اس نے مستقل سکونت اختیار کی لیکن چھ سال کے بعد وہ موصل

چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے ملک شام کے شہروں کا رخ کیا اور حلب میں کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ دمشق پہنچا اور وہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ اس اسلامی سیاح اور طالع آزمائے دمشق ہی میں 565ھ/1169ء میں وفات پائی اور فرناطہ میں پیدا ہونے والا یہ سیاح دمشق میں مدفون ہوا۔

کتابوں پر مشروح تراجم

ابو حامد فرناطی نے اپنے قیام بغداد اور پھر موصل میں دو کتابیں تصنیف کیں۔ انہیں کتابوں پر اس کی شہرت کا دارومدار ہے۔ 516ھ/1122ء میں بغداد میں اس نے مشہور وزیر یحییٰ بن محمد بن ہیرہ کے لیے اپنی کتاب ”المغرب عن بعض عجائب المغرب“ یا ”عجائب البلدان“ تصنیف کی اور موصل میں اپنے سرپرست اور مربی ابو حفص الارودیلی کے این پر اپنی کتاب ”تحفة الالباب و تحفة الاعجاب“ لکھی جس کے حوالے مشرق اور مغرب کے مسلم مصنفین نے اپنی کتابوں میں بکثرت درج کیے ہیں۔۔۔ یہ دونوں کتابیں جن کے کئی مخطوطے آج بھی محفوظ ہیں نہ صرف دلچسپ معلومات اور صحیح بیانات پر مشتمل ہیں بلکہ اسطوری یا فوق العادہ چیزوں کے متعلق بھی معلومات ان میں درج ہیں۔ ان پر بہت سے مقالے لکھے گئے ہیں، متن بھی مدون ہوا ہے اور اس کا مشروح ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ مشہور مستشرق جو فران G.Ferran نے ہسپانوی ترجمے کے ساتھ بمعہ ایک تنقیدی مطالعے شائع کیا تھا۔ کتاب تحفہ میں شہر روم کا جو احوال درج ہے اس کا ترجمہ علیحدہ طور پر 1900ء میں مغرب میں شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب سسلی کے شہر پلمور میں شائع ہوئی تھی۔

ابو حامد کی کتاب ”تحفہ“ بالکل الگ کتاب ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اس دنیا اور اس میں بسنے والے انسانوں اور ذمی روحوں سے متعلق ہے۔ اس میں سڑان میں سونے اور نمک کی تجارت کے بارے میں دلچسپ اور مفصل بیان اور معلومات درج ہیں۔ دوسرے حصے میں اہرام مصر اور اسکندریہ کے مینارہ نور کی تفصیلات درج ہیں۔

(17)

1183ء۔ ابن جبیر اندلسی

اندلس کا ایک عرب ادیب جو حج کے لیے نکلا اور دنیا کے مشرق میں کھو گیا

اسکندریہ میں قیام کے دوران ابن جبیر اور اس کے ساتھی نے اس شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کی اور پھر 3 اپریل 835ء کو اسکندریہ سے روانہ ہو کر قاہرہ کے مصافحات میں مصر نامی ایک آبادی میں قیام پزیر ہوئے۔ اس آبادی میں ان کا قیام حضرت عمرو بن العاصؓ کی مسجد کے قریب چودہویں کے ایک کوسے میں تھا۔ قاہرہ اور اس آبادی کی عمارات اور صلابہ کرام کے مقام نے ابن جبیر کے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔

ابن جبیر ابو الحسن محمد بن احمد کنانی (1145ء۔ 1217ء) فرناطہ کا ایک عرب ادیب تھا جو 578ء/ 1183ء میں حج کعبہ کے لیے فرناطہ سے نکلا اور بحیرہ روم کے راستے سے مصر پہنچا جہاں ان دنوں سلطان صلاح الدین ابوبلی کی حکومت تھی۔ ابن جبیر نے اس سفر میں چھٹی صدی ہجری کے بہت سے اسلامی ممالک مصر، شام، عراق وغیرہ کے سیاسی اور معاشرتی حالات کے متعلق آگاہی حاصل کی اور پھر اسے ایک سفر نامہ کی شکل دی۔

اندلس میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں

ابن جبیر کا دنیائے اسلام کے مشرق کا یہ سفر نامہ از مدہ وسطی کی ان پرکشش سرگزشتوں میں سے ایک ہے جو زمانے کی دستبرد کے ہاتھوں برباد نہیں ہوئیں اور محج و سالم ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ سفر نامہ ابن جبیر نے 1183ء سے 1185ء کے درمیانی عرصے میں ترتیب دیا اور اس کو اپنے مسند راوی خشکی کے انتہائی پراز مصوبت سفر کے دوران ہی تحریر کیا۔ بارہویں صدی میلادی کا یہ زمانہ دنیائے اسلام میں ایک نہایت اہم اور پر آشوب دور تھا۔ اندلس میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں شروع تھیں مگر ابھی ان کے اس سر زمین سے قدم نہیں اکڑے تھے یورپ میں تمدن کی قمیص روشن کیے ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ میں بیت المقدس پر مسیحاؤں کا قبضہ تھا اور مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ابوبلی بیت

المقدس کو صلیبی عساکر سے آزاد کرنے میں معروف جہاد تھا۔ مسیحی یورپ ازمنی وسطی کی تاریکی سے نکل کر آہستہ آہستہ تہذیب و تمدن کے اجالے کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہاں سائنسی ترقیوں کی ابتدا ہونے والی تھی۔ ابن جبیر کے سفر نامہ میں وہ تاریخی حقائق ملتے ہیں جو بعد کے مؤرخین کی مستند تاریخوں میں بھی نہیں ملتے۔ مارکو پولو اور ابن بطوطہ کی طرح ابن جبیر بھی ایک بڑا سیاح تھا اور وہ انسانی تاریخ و معاشرت پر گہری نگاہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنے سفر نامے میں اپنے تاثرات بڑے دل نشین پیرائے میں بیان کیے ہیں جس سے اس زمانے کے معاشرت اور طرز معاشرت کی ایک واضح تصویر قاری کے ذہن میں ابھرتی چلی جاتی ہے۔

گورنر کی نگاہ میں ایک خاص مقام

ابن جبیر غرناطہ کے ایک ہشتر ہمسے میں پیدا ہوا اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد اپنی ذہانت اور خدا داد قابلیت کی بنا پر غرناطہ کے گورنر ابوسعید ابن عبدالمومن کی نگاہوں میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ ابوسعید کا تعلق الموحدون سے تھا جو المرابطین کے بعد اندلس کے حکمران بنے تھے۔ فروری 1183ء میں ابن جبیر نے گورنر غرناطہ سے حج پر جانے کی اجازت حاصل کی اور مسافرت کا عصابا تھم میں تمام لیا۔ وہ غرناطہ کے ایک طبیب ابو جعفر احمد بن حسین کے ہمراہ اپنے اس مبارک مگر کٹھن سفر پر نکلا۔ ایک پہر دن چڑھنے کے بعد وہ غرناطہ کے خوبصورت دروازہ سے باہر نکلے اور راستے میں کئی جگہ پڑاؤ کرتے ہوئے سہرے کی بندرگاہ پر پہنچے۔ سہرے کی بندرگاہ سے اس دن جینیوا کے رومی جہاز رانوں کا ایک جہاز روانہ ہونے والا تھا جو مصر کی بندرگاہ اسکندریہ جا رہا تھا۔ وہ دونوں اس جہاز پر سوار ہو گئے اور افریقہ کے بربری ساحلوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے 26 مارچ کو اسکندریہ پہنچے اور صابن سازی کے کارخانوں کے قریب واقع ایک کارواں سرائے میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ سرائے ٹھہرنے کی سرائے کھلاتی تھی۔

اسکندریہ آمد

اسکندریہ میں اس زمانے میں بھی جدید زمانہ کی طرح ہی کٹھن والے سیاحوں سے بداخلاقی اور اور جبرستانی سے پیش آتے تھے۔ اس پر ابن جبیر اور دوسرے مسافر تلخ لائے مگر وہ اس بدسلوکی پر دانت پینے کے سوا کیا کر سکتے تھے۔ سرکاری کارندوں نے مسلمان مسافروں سے زکوٰۃ وصول کی اور کٹھن بھی وصول کر لیا۔ اسکندریہ میں قیام کے دوران ابن جبیر اور اس کے ساتھی نے اس شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کی اور پھر 3 اپریل 8 ذی الحجہ کو اسکندریہ سے روانہ ہو کر قاہرہ کے مضافات میں مصر نامی ایک آبادی میں قیام پذیر ہوئے۔ اس آبادی میں ان کا قیام حضرت عمرو بن العاص کی مسجد کے قریب چڑھاؤں کے ایک کوچے میں تھا۔ قاہرہ اور اس آبادی کی عمارات اور صحابہ کرام کے مقام نے ابن جبیر کے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ اس نے ان عمارات کی تفصیل رقم کی ہے۔

سرزمین حجاز کے لیے روانگی اور عمرہ ادائیگی

مصر کے شہر عیذاب سے وہ 25 ربیع الاول مطابق 18 جولائی کو وہ جدہ جانے کے لیے حلبہ میں سوار ہوئے۔ سمندری سفر کے دوران ان کا پالا ایک سمندری طوفان سے بھی پڑا۔ اس طوفان نے ان کے جہاز کو اصل راستے سے ہٹکا دیا مگر آخر کار وہ سرزمین حجاز پر پہنچے میں کامیاب ہو گئے۔ جدہ ان دنوں ابن جبیر کے بیان کے مطابق ایک معمولی ساحلی بستی تھی۔ یہاں سے وہ مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جمرات 13 ربیع الآخر 4 اگست کو ایک پہر دن چڑھے وہ باب عمرہ سے مکہ میں داخل ہوئے اور لبیک اللہم لبیک کی صداؤں میں انہوں نے عمرہ ادا کیا۔ مکہ معظمہ کے متعلق ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں مرصع اور محرر انگیز زبان استعمال کی ہے اور مقامات اور واقعات کی حیرت انگیز تفصیلات مہیا کی ہیں۔

مدینہ منورہ روانگی

ادائیگی فرضہ حج کے بعد وہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور مسجد نبوی شریف کے علاوہ وہ جنت البقیع اور دیگر اہم مقامات پر حاضری دی۔ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے بغداد کے لیے روانہ ہوا۔ بغداد کو ابن جبیر نے اس کا شہر لکھا ہے۔ اس نے بغداد کے الف لیلوی ماحول میں کچھ عرصے قیام کیا اور پھر وہ بغداد سے دمشق کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ مشہور شامی شہر حلب میں بھی کچھ دن کے لیے ٹھہرا۔ حمص کی تازگی اور حسن کو بھی اس نے محسوس کیا اور پھر وہ بالآخر دمشق جنت بلا د اسلام جا پہنچا۔ دمشق کو اس نے مشرق کا بہشت قرار دیا ہے..... ابن جبیر نے اسکندریہ مصر میں وفات پائی اور پھر دوبارہ کبھی غرناطہ واپس نہیں جاسکا۔

(18)

1188ء جیرالڈ آف ویلز

سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صلیبیوں کی فوج بھرتی کرنے والا وائس راجہ اور سیاح
جیرالڈ آف ویلز (Gerald of Wales) (1146-1223ء) ایک کیمبروٹارمن آرچ ڈیکن تھا۔
دو انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم کا شاہی کاتب تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا عرصہ سفر میں گزارا۔ وہ فرانس میں حصول
تعلیم کے لیے گیا اور اس نے روم کی سیاحت بھی کئی مرتبہ کی۔

ویلز کی تاریخ پر اہم دستاویزات

شاہ ہنری دوم کا شاہی کاتب بننے کے بعد 1184ء میں اسے شہزادہ جان کی ہم آئر لینڈ میں رفیق سفر منتخب کیا
گیا۔ اس سفر کا احوال اس نے اپنی کتاب (H. Bernica, Topographia) میں قلم بند کیا ہے۔ اس کی یہ
کتاب 1188ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا نام تاریخ رکھنے کی بجائے جیرالڈ نے Topography یا مقام
نگاری رکھا ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کا آغاز ہنری دوم کی فتح آئر لینڈ سے کیا ہے۔ جیرالڈ کی سفری خدمات کے پیش
نظر اسے آرچ بشپ آف کنٹربری، ہالڈون آف نورڈ کے 1188ء میں ویلز کے علاقے صلیبی فوج بھرتی کرنے کی ہم
پر بھیجا گیا جسے یروٹلم نے مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جانا تھا۔ یہ تیسری صلیبی
جنگ کہلاتی ہے۔ اپنے اس سفر کا احوال جیرالڈ نے اپنی کتاب (Cambiae, Itineaaum) (1191ء) میں
درج کیا ہے۔ اس کتاب کے بعد اس نے Description Cambrieac لکھی۔ یہ دونوں کتابیں ویلز کی
تاریخ پر اہم دستاویزات کے طور پر جانی جاتی ہیں۔

تبلیغ کے ذریعے صلیبی جنگجو بھرتی کرنے کا فریضہ

1187ء میں شاہ انگلستان ہنری دوم نے یروٹلم کے آرچ بشپ کی اپیل پر توجہ دی جو 1185ء میں

انگلستان آنے والے تھے۔ ہنری کے بیٹے شاہ رچرڈ انگلستان نے جس نے بذات خود صلیبی جنگ میں حصہ لیا تھا اسی طرح ہنری نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ لڑی جانے والی تیسری صلیبی جنگ کے لیے صلیبی مجاہدین بھرتی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے آرج بشپ آف کنزبری بالڈون آف فورڈ کو ویلز کے علاقے میں تبلیغ کے ذریعے صلیبی جنگجو بھرتی کرنے کا فریضہ سونپ دیا۔ یہ جنگجو سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتح یروشلیم کے بعد اس سے یروشلیم آزاد کرنے کے لیے بھرتی کیے جانے تھے۔ آرج بشپ آف کنزبری نے اپنے نائب کے طور پر اس مہم میں جیرالڈ آف ویلز کو منتخب کیا۔ فوج بھرتی کرنے کی اس مہم کے ذریعے تین ہزار تومند صلیبی جنگجو بھرتی کیے جانے تھے۔ جیرالڈ آف ویلز کو لاطینی اور فرانسی زبان پر عبور حاصل تھا اور وہ ان زبانوں کے علاوہ مقامی زبان میں تبلیغ کر سکتا تھا۔ ویلز کے لوگ یا جنگجو لاطینی اور فرانسی زبان سے نا آشنا تھے۔ شاعری کے امراء اور دیگر لوگوں کا خیال تھا کہ اگر آرج ڈیکن جیرالڈ آف فورڈ خطاب کرے تو ویلز کا کوئی فرد اس رضا کار فوج میں بھرتی ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

تبلیغی مہم کے دوران 760 میل کا فاصلہ

اس تبلیغی مہم کا آغاز ویلز میں ہیر فورڈ کے مقام سے مارچ 1188ء میں کیا گیا اور جیرالڈ آف ویلز نے ہر قصبے اور شہر میں تقریریں کر کے بہت سے صلیبی رضا کار بھرتی کر لیے۔ مؤرخین کا اندازہ ہے کہ اس مہم کے دوران جیرالڈ آف ویلز اور اس کے ساتھیوں نے 760 میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس سفر کے متعلق خود جیرالڈ نے لکھا ہے کہ یہ بہت طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ جیرالڈ اور آرج بشپ آف کنزبری کے ساتھ اس مہم میں دیگر چار خانقاہوں کے بشپ بھی ساتھ تھے۔

اس سفر کی روئیداد جیسا کہ پہلے ذکر آیا جیرالڈ نے Topography of Ireland کے نام سے مرتب کی اور اس کی ایک جلد آرج بشپ آف کنزبری کو تحفہ پیش کی۔ آرج بشپ اس کی اس تعریف سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے جیرالڈ کو ایک ایسی ہی دوسری رپورٹ مرتب کرنے کی فرمائش کی۔ 1194ء میں جیرالڈ نے اس فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے اس سفر پر اپنی دوسری کتاب Descriptive Cambriae لکھی تھی۔

(19)

1165ء۔ الادریسی

مقلیہ کے نارمن بادشاہ کا درباری جغرافیہ نویس اور سیاح

چونکہ اس نے براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیشتر حصوں کی سیاحت کی تھی اس لیے وہ پوری دنیا کا نقشہ تیار کرنے کا خواہاں تھا اور ایک ایسا عالمی جغرافیہ ترتیب دینا چاہتا تھا جس میں دنیا کے بیشتر ممالک کے متعلق معلومات درج ہوں۔ اپنے سر پرست روجردوم کے حکم پر اس نے چاندی کے قمرے پر پوری دنیا کا نقشہ تیار کیا تھا جو اس کا خطی ترن من ملی و ساتسی کا نام تھا۔

دنیا کے نقشے کا مکمل بیان

ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ادریسی الحسینی، المعروف بہ شریف عبد اللہ شریف الادریسی (آل رسول ہونے کی وجہ سے) 493ھ/1100ء میں سبتہ Ceuta میں پیدا ہوئے اور 560ھ/1165ء میں وفات پائی۔ اس نے قرطبہ میں تعلیم پائی اور القرطبی بھی کہلاتا ہے۔ الادریسی نے متعدد ملکوں کا سفر کیا اور وہ ایک طویل مدت تک سسلی کے شہر پالمو Palermo میں قیام پذیر رہا۔ مقلیہ (Sicily) کے نارمن بادشاہ راجردوم کے اصرار پر اس کے دربار میں رہا۔ راجر کی موت (1154ء) سے ذرا پہلے اس نے دنیا کے اس نقشے کا بیان مکمل کیا جو اس نے چاندی کے ایک بڑے قمرے پر بنایا تھا یعنی روجر کی کتاب یا کتاب الروجاہ۔ اس کا اصل نام نزہۃ المساق فی اختراق الافاق ہے جس کا عربی متن مع 71 نقشوں کے جزوی طور پر شائع ہوا ہے۔ اس کے پورے متن کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہوا ہے مگر یہ پراثر اغلاط ہے۔ مقلیہ کے دوسرے نارمن بادشاہ ولیم اول William I کے لیے ادریسی نے اس سے بھی بڑی کتاب ”روض الانس و نزہۃ النفس“ یا ”کتاب المملوک المساک“ تصنیف کی تھی لیکن اس کا صرف ایک اقتباس کتاب خانہ حکیم اوغلو علی

پاشا، استنبول میں محفوظ ہے۔ اس کا سران ایک مستشرق ہو روڈو (J. Horovitz) نے استانبول میں تاریخی مخطوطات کو تلاش کرتے ہوئے لکھا تھا۔

بادشاہ کی درخواست پر ہرمو میں مستقل قیام

الادریسی نے اپنی سیاحت کا آغاز ایشیائے کوچک کے سفر سے کیا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی۔ ایشیائے کوچک کے بعد وہ جنوبی ساحل فرانس کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا انگلستان تک پہنچا اور وہاں سے واپس ہسپانیہ اور مراکش پہنچ گیا اور عین اور مراکش کی سیاحت کی۔ 1138ء میں الادریسی کو صقلیہ Sicily کے نارمن بادشاہ روجردوم نے ہرمو کی سیر و سیاحت کی دعوت دی۔ جب وہ ہرمو پہنچا تو بادشاہ نے اس سے درخواست کی کہ وہ ہرمو میں مستقل قیام کرے۔ ادیسی کا تعلق چونکہ علوی سادات کے ادیسی خاندان سے تھا جو خلافت عباسیہ کے خلاف خود خلافت کا مدعی تھا اس لیے روجردوم نے اسے کہا کہ اگر وہ مسلمانوں میں رہا تو عباسی خلفاء اس کو قتل کروانے کی کوشش کریں گے اور یوں اس کی جان کو خطرہ لاحق رہے گا لیکن اگر وہ ہرمو میں اس کے ساتھ رہے تو اس کی زندگی خطرات سے محفوظ رہے گی۔ بادشاہ کی درخواست پر الادیسی ایک طویل عرصہ تک ہرمو میں مقیم رہا اور روجردوم کا درباری جغرافیہ داں بن گیا۔ اسی وجہ سے بعض اوقات اسے الصقلی بھی کہا جاتا ہے۔ 1154ء میں روجردوم نے وفات پائی اور ادیسی اپنے وطن سہیلوٹ آیا۔

چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا نقشہ

بارہویں دی عیسوی میں صقلیہ، عرب اور یورپی تمدن کے حکم کے لیے ایک موزوں ترین ملک کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ان دنوں وہاں عربوں کے بعد نارمنوں کی حکومت تھی جو عجم و فنون کے سرپرست اور سائنسی علوم کی ترقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ اسی دور میں ادیسی نے روجردوم کے زیر سرپرستی مسیحی علماء کے ساتھ مل کر کام کیا اور جغرافیہ نویسی اور نقشہ نویسی کے فن میں نہایت اہم اور گراں قدر اضافے کیے۔ چونکہ اس نے براعظم ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے بیشتر حصوں کی سیاحت کی تھی اس لیے وہ پوری دنیا کا نقشہ تیار کرنے کا خواہاں تھا اور ایک ایسا عالمی جغرافیہ ترتیب دینا چاہتا تھا جس میں دنیا کے بیشتر ممالک کے متعلق معلومات درج ہوں۔ اپنے سرپرست روجردوم کے حکم پر اس نے چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا نقشہ تیار کیا تھا جو اس کا عقلی ترین علمی و سائنسی کارنامہ تھا۔ الادیسی کی کتاب ”نقشۃ المشرق فی الخرق الاقاق“ جو دسمبر و زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہے اس کتاب میں متن کے علاوہ دنیا کے مختلف علاقوں کے اکہتر نقشے بھی دیے گئے ہیں جو اس نے چاندی کے نقشے سے اتارے گئے ہیں۔ اس نقشے عالم میں دنیا کو سات ایسی عرضی اقالیم میں منقسم کیا گیا ہے جو خط استوا کے متوازن ہیں۔

قرون وسطی کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا

اس کے علاوہ اس کتاب میں یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک کے بارے میں مفصل معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس میں نہ صرف جغرافیائی حقائق شامل ہیں بلکہ اس عہد کے اجتماعی، معاشیاتی اور سیاسی حالات بھی دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتب قرون وسطی کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا بن گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں درج معلومات کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس طرح امکان تلاش کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔

یہ تصنیف یورپی یونیورسٹیوں میں علم جغرافیہ کے نصاب میں رائج رہی

نزمۃ المستحق "اس امر کی واضح مثال ہے کہ قرون وسطی میں مصلیہ میں جغرافیہ اور نقشہ کشی کے میدان میں عرب اور نارمن سائنسدانوں نے مل کر کام کیا تھا۔ یہ تصنیف صدیوں تک یورپی یونیورسٹیوں میں علم جغرافیہ کی نصابی کتاب کے طور پر رائج رہی۔ اس کتاب کے بہت سے خلاصے اور شرحیں بھی لکھی گئیں۔ ان میں 1592ء میں اٹلی کے شہر روم سے شائع والا خلاصہ "نزمۃ المستحق فی ذکر الامصار والاقطار والبلدان والجزر واللدائن ولا قاق" اولین حیثیت کا حامل ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں مارونی راہبوں نے کیا تھا۔

(20)

1179ء - یاقوت الحمودی

یاقوت الحمودی وہ سیاح اور جغرافیہ داں جس نے قرون وسطیٰ کے مسلم معاشرے کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔

یاقوت کی مہم اہلند ان تقریباً آٹھ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس طویل سفر میں اس سبب کو نہ صرف اسلامی دنیا کے علماء اور محققین کے لیے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل رہی بلکہ مسٹر قین نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔

جنگی قیدی کی حیثیت سے بغداد آمد

شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت ابن عبد اللہ ارض روم میں پیدا ہوا۔ یہ شہر ان دنوں ہارنظینی سلطنت میں شامل تھا اور آج کل ترکی میں ہے۔ اس کے آباؤ اجداد غالباً یونانی تھے۔ اسے بچپن میں ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے بغداد لایا گیا جہاں اسے ایک سوداگر کے ہاتھوں بطور غلام فروخت کر دیا گیا۔ اس سوداگر کا نام عسکر ابن ابراہیم الحموی تھا۔ اسی کے نام پر یاقوت بھی الحموی کہلایا۔ عسکر نے یاقوت کو تھوڑی بہت تعلیم بھی دلوائی اور اسے اپنا کاروباری مستند بنالیا۔ وہ تجارتی اسباب لے کر شام، خلیج فارس کے علاقے قیس کے سفر پر نکلا اور اس نے کئی کامیاب تجارتی سفر کیے۔ 1199ء کے آخر میں ایک کاروباری تنازعہ کی وجہ سے عسکر نے یاقوت کو اپنے کاروبار سے الگ کر کے آزاد کر دیا۔ اب اس نے کتابوں کے قلمی نسخے تیار کر کے فروخت کرنا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ عربی زبان کے گرامر کو الاکبریٰ اور دیگر علماء سے پڑھا۔ کچھ وقت بعد اس کی اپنے آقا عسکر سے صلح ہو گئی اور ایک بار پھر وہ کاروباری سرگرمیوں میں اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ عسکر کی وفات کے بعد یاقوت نے مستقل طور پر بغداد میں رہائش اختیار کی اور کتاب فروشی کا کام شروع کر دیا۔

خارجیوں کے کتب فکر سے متاثر

یاقوت خارجیوں کے کتب فکر سے بہت متاثر تھا اور ایک مرتبہ جب دمشق میں اس نے ایک عام مناظرے کے دوران خارجی خیالات کا اظہار کیا تو مجمع حضرت علی کے معلق اس کے یہ خیالات برداشت نہ کر سکا اور لوگوں نے اسے زد و کوب کیا۔ اس نے اپنی کتابوں کے لیے مواد اکٹھا کرنے کے لیے اس زمانے کے اسلامی شہروں کی سیاحت کی اور بڑے بڑے کتاب خانوں سے استفادہ کیا۔ 1218ء میں یاقوت خوارزم جاپہنچا۔ یہاں اس کی لمبہ میز منگول حملہ آور فوجوں سے ہو گئی جس کے بعد وہ اپنا جان بچا کر 1219ء میں خراسان کی طرف نکل گیا اور اپنا تمام مال و اسباب خوارزم ہی میں چھوڑ گیا۔ 1220ء میں جب وہ موصل پہنچا اور پھر 1222ء میں حلب آ گیا۔ یہاں اس نے ایک امیر ابوالحسن علی بن یوسف القنطری کی سرپرستی میں رہنا شروع کیا اور اس کی وفات تک حلب میں رہا۔ یاقوت نے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت اسلامی دنیا کے ممالک، شام، فلسطین، مصر، ایران، عراق، خراسان اور خوارزم کی سیرو سیاحت میں گزارا اس نے حلب میں 20 اگست 1229ء کو وفات پائی۔

یاقوت نے کتب فردوسی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف پر بھی توجہ دی۔ اس کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل چار کتابیں بہت مشہور ہیں:

(1) معجم البلدان

(2) کتاب الارشاد الارباب الی معرفت الادیب۔ اس کتاب کا دوسرا نام معجم الادباء بھی ہے۔

(3) کتاب المعصرک وفعاء الکلف صفا

(4) المستعجب من کتاب جمہرۃ الملب۔

یاقوت نے اس کے علاوہ تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔ یاقوت کو جغرافیہ سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ اس کے نزدیک جغرافیہ اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس نے جگہوں کے ناموں کو صحیح تلفظ سے ادا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اس کی کتاب معجم البلدان جو ترحیب سے تحریر کی گئی ہے اس میں کوشش کی گئی ہے کہ کہ جگہوں کے نام صحیح جے کے ساتھ دیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ان جگہوں کا جغرافیائی محل وقوع، ان کی حدود اور خطوط مرتبہ بھی بیان کرتی ہے۔ اس کتاب میں شہروں، قصبوں، دریاؤں، وادیوں، پہاڑوں، صحراؤں، سمندروں اور جزیروں کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یاقوت نے اس کتاب میں ہر جگہ کے ممتاز اور با اثر افراد کے متعلق معلومات مہیا کی ہیں اور دلچسپ حقائق کے ساتھ ساتھ کچھ داستانیں اور قصے بھی بیان کیے ہیں۔

یاقوت کی معجم البلدان۔ آٹھ سو سال قبل کی ایک تاریخی دستاویز

یاقوت کی معجم البلدان تقریباً آٹھ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس طویل عرصے میں اس کتاب کو نہ صرف اسلامی

دنیا کے علماء اور محققین کے لیے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل رہی بلکہ مستشرقین نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ اصل کتاب ہدیٰ خنیم تھی اس لیے اس کی ایک تلخیص تیار کی گئی۔ تلخیص کا یہ کام عبدالمومن ابن عبدالحق نے کیا تھا۔ اس تلخیص کا نام اس نے ”مرصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع“ رکھا تھا۔ یہ تلخیص اصل کتاب کے جغرافیائی حصے پر مشتمل تھی۔

قرون وسطیٰ کا معتبر ترین

یا قوت نے قرون وسطیٰ کے اس دور میں علم کی شمع روشن کی جب علم کا سورج نصف النہار پر تھا۔ یہ اس علم کے استحکام کا دور تھا جو گزشتہ پانچ صدیوں میں مسلمان سائنسدانوں نے حاصل کیا تھا اور یا قوت جیسے محققین نے اس علم کی ایک مختصر لغات، مخصوص لوگوں کی سوانح حیات اور مختلف علوم و فنون کے مخصوص پہلوؤں پر عام لوگوں کی آراء کو مرتب کر کے ترتیب دی تھی۔ یہ تقریباً وہی دور تھا جب مسلمانوں کی عقلی، علمی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز بغداد سے حلب، دمشق اور قاہرہ جیسے مقامات پر منتقل ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے یا قوت کی تصنیفات میں انواع و اقسام کی معلومات ملتی ہیں۔ یہ معلومات جو اس نے مختلف شہروں کی سیاحت کر کے حاصل کی تھیں علم الانسان سے لے کر روایات، ادب اور قرون وسطیٰ کے مسلم معاشرے کی دیگر خصوصیات کی خوب عکاسی کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے یا قوت کو بجا طور پر قرون وسطیٰ کے علوم کے معتبر ترین اصحاب میں شامل کیا جاتا ہے۔

(21)

1245ء - گیوانی داپیان ڈیل کارپائن

GIOVANNI DA PIAN DEL CARPINE

پہلا یورپی سیاح جو مارکو پولو سے پہلے منگول خاقان کے دربار میں پہنچا
گیوانی اٹلی کے صوبہ امبریا Umbria کا رہنے والا تھا جو وسطی اطالیہ میں واقع ہے۔

اوگدائی خان کا قبضہ

گیوانی فرانسسکن راہبوں میں ایک اہم مرتبہ پر فائز تھا اور اس کی تعلیمات نے شمالی یورپ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ گیوانی مشرقی یورپ پر ایک بڑے منگول حملے کے دوران جرمنی میں کلیسائی صدر کے عہدے پر فائز تھا۔ اپریل 1241ء کو جنگ لیگنیکا (Battle of Legnica) لڑی گئی جس میں یورپی افواج کی شکست کے بعد مشرقی یورپ کے بڑے حصے پر اوگدائی خان کا قبضہ ہو گیا۔ یاد رہے کہ اوگدائی Ogedei خان چنگیز خان کا جانشین تھا۔

پہلی رسمی کیتھولک سفارت بھیجنے کا فیصلہ

یورپ میں ان دنوں تقریباً چار سال سے ”تاتاریوں“ کے متعلق خوف پھیلا ہوا تھا۔ اسی دوران پوپ انوسینٹ چہارم (Innocent IV) نے پہلی رسمی کیتھولک سفارت منگول خاقان کے دربار میں بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ یہ سفارت مسیحی دنیا پر منگول حملے کے خلاف احتجاج کرنے اور منگول عسکری طاقت کا جائزہ لینے کے لیے بھجوائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس سفارت کے ذریعے پوپ اس غیر اسلامی طاقت سے مسلمانوں کی خلافت کے خلاف قائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ پوپ انوسینٹ چہارم نے اس مشنری سفارت کے سربراہ کے طور پر فرائز جونز (Friar Joanes) کو منتخب کیا۔ فرائز جونز کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ سال تھی اور وہ اس سفارت کے سیاہ و سفید کا تھا مالک تھا۔ وہ اس پاپائی سفارت

کے سربراہ کی حیثیت سے منگول خاقان کے لیے پوپ کا ایک مراسلہ لے کر جا رہا تھا۔ جون نے مقام لیون Lyon سے اپنے سفر کا آغاز کیا جہاں ان دنوں پوپ رہائش پذیر تھا۔

دو دہائیوں کے ”الاؤ“ میں سے گزرتا

اس سفارت میں اس کے ساتھ ایک اور فرانسیسی آف یوہا بھی شامل تھا۔ ان دونوں سفارت کاروں نے ایسٹر کے تہوار 1245ء سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ خیوا پہنچنے پر فرانسیسی اس سفارت سے علیحدہ ہو گیا تاہم پوپ نے جون کو ایک اور ساتھی سفارت کار ہینڈ کٹ پولاک (polak Benedykt) فراہم کر دیا جو اس سفارت کا ترجمان بھی تھا اور اس کے ذمہ خان اعظم کی گفتگو کا لاطینی میں ترجمہ کرنا تھا۔ خیوا سے گزر کر وہ تاتاری مملکت میں داخل ہوئے اور Kaniv میں واقع تاتاری چوکیوں تک پہنچے پھر انھیں یکے بعد دیگرے تین دریا دریائے میچر (Napere)، دریائے ڈان (Don) اور دریائے وولگا (Vlga) عبور کرنے پڑے۔ جون پہلا مغربی سیاح تھا جس نے ان دریاؤں کے یہ جدید نام اپنی کتاب میں دیے ہیں۔ دریائے وولگا کے کنارے باتو خان قاج مشرق یورپ کا کیمپ واقع تھا۔ باتو خان ہی مغربی محاذ پر سپریم منگول جنرل تھا جو تاتاری لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ باتو خان چنگیزی خاندان کے شہزادوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس موقع پر پوپ کے سفارت کاروں کو تاتاری رواج کے مطابق دو دہائیوں کے ”الاؤ“ میں سے گزرا گیا تاکہ ان کے ذہن معزز خیالات سے پاک ہو جائیں اور ان کے تحائف کی زہر آلودگی صاف ہو جائے تاکہ انھیں تاتاری شہزادے کے حضور میں حاضر کیا جائے۔ (اپریل 1246ء)

3000 میل کا یہ سفر 106 دن میں طے کیا گیا

باتو خان نے انھیں منگول خان اعظم کے دربار میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ یوں ایسٹریچ 1246ء کو ان کے اس ناقابل فراموش سفر کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ اس طویل سفر کی تھکان کی وجہ سے وہ اتنے مضطرب اور بیمار ہو چکے کہ گھوڑے کی پشت پر سفر کرنے کے قابل نہیں تھے۔ جون نے لکھا ہے کہ اس پورے سفر میں ان کی خوراک اُبلے ہوئے جو نمک اور سادہ پانی کے سوا کچھ نہیں تھی جو راستے میں پڑی ہوئی برف کو ایک برتن میں پگھلا کر حاصل کیا جاتا تھا۔ ان کے جسم اس سفر سے تھک کر چور چور ہو چکے تھے۔ وہ بحر کیسپین سے جمیل یورال کے کناروں سے میز دوتا تک سفر کر چکے تھے۔ انھیں Dzugarian Lake تک مزید سفر کرنا تھا۔ آخر وہ کوہستان قراقرم میں دریائے آرخان کے کنارے واقع منگول شاہی کیمپ تک جویرا اور Yellow P'villion کہلاتا تھا پہنچ گئے۔ جون اور اس کے ساتھیوں نے اعجازاً 3000 میل کا یہ سفر 106 دن میں طے کیا تھا۔

اوگدائی خان کی وفات کے بعد منگول شاہی اقتدار اس کے بڑے بیٹے گیووک (Guyuk) کو منتقل ہو چکا تھا۔ اس شہزادے کے انتخاب اور تخت نشینی کے دوران پوپ کے سفارت کار منگول شاہی کیمپ میں موجود تھے۔

تحت نشینی کی اس رسم میں 3000 سے 4000 دیگر سفارت کاروں نے بھی شرکت کی جو دنیا کے دیگر ممالک سے اس میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ انھوں نے اپنے تحائف منگول خاقان کی خدمت میں پیش کیے۔

واپسی کا طویل اور کشن سفر

پوپ کے سفیروں نے منگول خاقان کو عیسائی بن جانے کی دعوت دی جو اس نے قبول نہ کی اور اس کے بجائے اس نے سفیروں سے کہا کہ پوپ اور شاہان یورپ کو چاہیے کہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ پوپ کی یہ سفارت نومبر 1246ء تک قراقرم میں رہی اور نومبر میں خان اعظم نے انھیں تاتاری زبان میں لکھا ہوا ایک خط پوپ کے نام دیا۔ اس خط کا عربی اور لاطینی میں ترجمہ بھی ساتھ ہی دیا گیا جس میں منگول خان نے پوپ کو متنبہ کیا کہ چنگیزی خاندانہ قہراغی ہے۔ پھر موسم سرما کی شدت کے باوجود اطالوی سفیروں نے واپسی کا طویل اور کشن سفر شروع کیا۔ اس سفر میں انھیں سینکڑوں میل برف پر سفر کرنا پڑا۔ وہ واپس خیمہ 10 جون 1247ء کو پہنچے۔ یہاں ان کا استقبال سلواک عیسائیوں نے اس اعزاز میں کیا جیسے وہ موت کی دادی سے واپس آئے تھے۔ اس سفر کے اعزاز میں جوز کو پوپ نے آرج بشپ کے عہدے پر فائز کیا۔ ڈیل کارپائن نے منگول دارالحکومت کی طرف اپنے اس سفر کا احوال اپنی کتاب Ystoria Mongalorum میں تحریر کیا ہے۔ Ystoria Mongalorum یہ منگولرم وہ سفر رپورٹ یا سفر نامہ ہے جو گیوانی ڈایمان ڈیل کارپائن نے اپنے منگول سلطنت کے سفر پر مرتب کیا تھا۔ یہ 1240ء کی دہائی کے آخری سالوں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ کسی یورپی زبان میں لکھا گیا منگول سلطنت کا اولین احوال ہے۔ گیوانی کو پہلے یورپی مؤرخ کی حیثیت بھی حاصل ہے جس نے منگول تاریخ لکھی تھی اور کیتھولک مسیحیوں اور منگولوں کے تعلقات بیان کیے تھے۔

اس کتاب کے نو ابواب ہیں۔ پہلے آٹھ ابواب میں تاتاریوں کے ملک کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں اس کی آدھوا، تاتاریوں کا مذہب، ان کے طور و طریقے، ان کا کردار، حکمت عملی اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔ لوئیں اور آخری باب میں ان علاقوں کی تفصیل دی گئی ہے جن سے گزر کر گیوانی منگول سلطنت تک پہنچا تھا۔

اس رپورٹ میں گیوانی نے اپنا احوال سفر بھی بیان کیا ہے اور جو کچھ اسے منگول تاریخ کے بارے میں پتہ چلا تھا وہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ منگول رسم و رواج بھی اس میں بیان کیے گئے ہیں۔ از منہ وسطی کی دیگر کتابوں کی طرح اس میں بھی سیاح نے اپنا ذاتی احوال شامل نہیں کیا ہے۔

(22)

1260ء۔ مارکو پولو

قبرلانی خان کے دربار میں سفیر یورپ اور عظیم سیاح

مارکو پولو نے اہل و عیال کو بتایا کہ چین میں ایک ایسا کالہ معدود دستیاب ہے جسے زمین محدود کر حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اسے آگ دکھائیں تو وہ جلنے لگتا ہے اور کلوی سے کہیں زیادہ حرارت مہیا کرتا ہے اور دیر تک جلتا رہتا ہے۔

قید خانہ میں اسیر سیاح

1298ء کے لگ بھگ مارکو پولو اطالوی ریاست جنیوا کے قید خانے میں اسیر تھا۔ مارکو پولو جو اپنی زندگی کے بہترین پچیس سال تک دنیا کے مشرق کی صحرا و ردی کرتا رہا تھا اپنے وطن و عیال کوٹ کر ہمایہ ریاست جنیوا سے جنگ کے دوران قید ہوا تھا۔ اسی قید خانے میں اس نے اپنے ساتھی قیدی رستی چیلو کو اپنے طویل سفر مشرق کی روئیداد لکھوائی تھی۔ رستی چیلو پیسا کا ایک معروف ادیب تھا۔ اس نے مارکو پولو کے اس سفر نامے کا عنوان دنیا کا خاکہ Divisament Dou Monde رکھا مگر بعد ازاں یہ IL. Millione کے نام سے مشہور ہوا۔

مارکو پولو وینس کے ایک تاجر کو پولو کا ایک کم پڑھا لکھا بیٹا تھا۔ وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ طالع آزمائی کے لیے بحیرہ اسود یا دنیا کے مشرق کے سفر پر نکلا اور 1260ء تا 1269ء چین کے سفر میں رہا۔ طویل عرصہ تک سفر کرنے کے بعد وہ چین پہنچے اور انھوں نے منگول خاقان، قبرلانی خان کے دربار میں رسائی پائی۔ مارکو نے اپنی ذہانت، فطانت اور غالباً چرب زبانی سے قبرلانی خان کے دل میں جگہ پائی۔ منگول شہنشاہ نے اسے تاتاری سفیر کی حیثیت سے جاپان، ایران، ہندوستان اور روس بھیجا۔ مارکو پولو ان ممالک کے اپنے سفروں کی روئیداد اور سفارت کا احوال واپسی پر اپنے تمام مشاہدات و تجربات کے ساتھ دلچسپ ہیرائے میں شہنشاہ کی خدمت میں گوش و گزار کرتا تھا۔ غالباً شہنشاہ اسی مقصد کے

پیش نظر مارکو پولو کو ان سفارتوں پر روانہ کرتا تھا تاکہ ان ممالک کے متعلق جان سکے۔ اگلے سترہ برس تک مارکو پولو قبلائی خان کے دربار سے وابستہ رہا۔ چین سے مارکو اور اس کے والد اور چچا کی واپسی پر قبلائی خان نے ان کے ہاتھ پائے روم (پوپ) کے نام ایک خط بھیجا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ اسے یروشلیم میں واقع مزار مسیح کے چراغوں کی تحلی کی ایک ڈبیہ بھیجی جائے اور ایک سونے کا تاج بھیجیں تاکہ وہ منگول معاشرے میں مسیحیت کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور اہل چین کو یورپ کے علوم و فنون سے روشناس کرائیں۔ وطن واپسی پر مارکو نے دنیا کے مشرق کے ایسے عجائب و غرائب بیان کیے جو اس کے بعد بھی سلوں تک لوگوں کو سمجھ نہ آئے۔ مثال کے طور پر مارکو پولو نے اہل دیش کو بتایا کہ چین میں ایک ایسا کالا پتھر دستیاب ہے جسے زمین کھود کر حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اسے آگ دکھائیں تو وہ جلنے لگتا ہے اور لکڑی سے کہیں زیادہ حرارت مہیا کرتا ہے اور دیر تک رہتا ہے۔ مارکو پولو کا اشارہ معدنیاتی کوئلے کی طرف تھا جس کے استعمال سے ابھی اہل یورپ ناواقف تھے۔ اسی وجہ سے اہل دیش کو مارکو کی باتوں پر یقین نہیں آیا اور اسے وہ ”لکھپت مارکو“ کے عرفی نام سے پکارنے لگے۔

پیکنگ میں عالی شان محل کی تعمیر

1298ء میں جینوآ Genoa اور دیش میں جنگ چھڑ گئی۔ مارکو پولو نے اس جنگ میں دیش کے فوجی دستوں کی قیادت کی۔ جنگ کے دوران اسے اہل چین کو اپنے گرفتار کر لیا اور قید میں ڈال دیا۔ اپنی اس اسیری کے دوران ، جیسے کہ پہلے ذکر آیا، اس نے اپنا سفر نامہ لکھوایا۔ اپنے سفر نامے میں مارکو پولو نے پہلی مرتبہ یورپ کے مخیر قارئین کے لیے قبلائی خان کے محلات کے متعلق لکھا اور بتایا کہ ہر سال تین مہینے قبلائی خان کیتھے Cathay (چین) کے دارالحکومت ”ہنگ“ یعنی پیکنگ میں گزارتا ہے اور اس نے پیکنگ میں ایک عالی شان محل تعمیر کروایا ہے جس کے گرد حفاظتی فصیل بھی تعمیر کی گئی ہے۔ اس محل کے خاص کمرے جہاں قبلائی خان رہتا ہے، طلائی، نقرئی اور جواہرات سے مرصع ظروف بھرے پڑے ہیں۔ اپنے اسی سفر نامے میں مارکو پولو نے پہلی بار جاپان، کوریا، ہندوستان، ہندوستان، بحر ہندوستانی، جاوا، جزائر شرق الہند، سامبریا، حبشہ اور ملے فاسکر جیسے دور دراز خطوں کا احوال بھی قلمبند کیا۔

پانچ بادشاہ آپس میں سکے بھائی

مارکو پولو ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے کہ جزیرہ مرااندھپ (سیلون) کے مغرب میں کوئی ساٹھ میل کے فاصلے پر مہر کا صوبہ واقع ہے جو عظیم ہندوستان کا ایک اہم صوبہ ہے۔ مہر کا علاقہ پانچ بادشاہوں میں منقسم ہے۔ ان کے بادشاہ آپس میں سکے بھائی ہیں۔ اس ریاست اور جزیرے کے درمیان میں خلج حاکم ہے جہاں سمندر کی گہرائی دس یا بارہ قدموں سے زیادہ نہیں.....

مارکو پولو نے قبلائی خان کے حکم پر بینک سے بنگال تک کا بھی سفر کیا تھا جس کے دوران وہ چین کے کئی صوبوں اور تبت کے پہاڑی علاقے سے گزرا اور اس نے وہاں کئی عجیب و غریب مشاہدات کیے۔ جن دنوں مارکو پولو نے بنگال کا سفر کیا یہ علاقہ قبلائی خان کی قلمرو میں شامل نہیں تھا۔ اس نے لکھا کہ یہاں کے باشندے بت پرست ہیں اور یہاں لٹکے بڑی کثرت میں رہتے ہیں..... بعد ازاں جب مارکو پولو کے ان سفری مشاہدات پر مبنی یہ سفر نامہ شائع ہوا تو اس نے پورے یورپ میں تہلکہ مچا دیا کیونکہ مارکو پولو نے اپنے اس سفر نامے میں دنیائے مشرق کو اس کی تمام تر سر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گرد کیا تھا جو اہل مغرب کے لیے بڑی کشش کا باعث تھا۔

محققین کے مطابق اگرچہ مارکو پولو کے اس سفر نامے کا اصل مسودہ نایاب ہے جس میں مارکو پولو نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں جو اس نے دیش میں بسر کیے تھے مسلسل ترمیم و اضافہ کیا تھا۔ یورپ میں پرنٹنگ مشین کی ایجاد کے بعد مارکو کے سفر نامے کے کئی یورپی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے جن میں اختلافات موجود تھے۔

(23)

1320ء - حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

ہندوستان کے اولیاء کرام میں سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت وہ سیاح ہیں کہ جنہوں نے
سبے انعامیرو سیاحت عالم کی۔

جلال الدین حسین البخاری، المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہندوستان کے قدیم اولیاء اللہ میں سے
ہیں۔ آپ سید احمد کبیر کے فرزند تھے جن کے والد سید جلال الدین سرخ، بخارا سے ترک وطن کر کے ملتان اور پھر بھکر
میں آباد ہوئے۔ آپ کے والد امام علی الہی کی نسل سے تھے اور شیخ رکن العالم ملتانی سے بیعت تھے جو حضرت شیخ
بہاؤ الدین زکریا کے فرزند اور غلیفہ تھے۔

سورج کی سیاحت کا قصد

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ولادت 707ھ/1308ء میں اچ شریف میں ہوئی اور ان کا مزار
بھی وہیں مرجع الخلائق ہے۔ ابتدائی تعلیم اچ شریف اور ملتان میں حاصل کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزید حصول علم
کے لیے اوائل عمر ہی میں حجاز مقدس چلے گئے تھے جس کے ساتھ ہی ان کی دور دراز سیاحت کا آغاز ہوا۔ اسی دور دراز کی
سیاحت کے باعث وہ جہاں گشت کہلاتے ہیں۔ اسی سیاحت کے دوران وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ کازرون،
مصر، شام، فلسطین، الجزائرہ (عراق)، بلخ، بخارا اور خراسان گئے۔ ان کا سفر نامہ جس کا اردو ترجمہ 1909ء میں لاہور
سے شائع ہوا تھا، ان کی سیاحت کا حال بیان کرنے کے لیے لکھا گیا۔ اس سفر نامہ میں سفری احوال کے ساتھ ساتھ مافوق
الفطرت قصے بھی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک کے مطابق حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے سورج کی

سیاحت کا قصد بھی کیا تھا اور سورج کے قریب پہنچنے پر اس کی حرارت سے مجلس گئے اور جب اس سفر سے واپس آئے تو جملے جانے کی وجہ سے انھیں پہچانا دشوار ہو گیا تھا کیونکہ ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔۔۔۔۔

خرقہ تبرک سے سرفراز ہونا

مکہ معظمہ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت امام عبداللہ یافعی کے ساتھ رہے اور انھوں نے مکہ معظمہ میں حدیث شریف کی کتب صحاح ستہ اکٹھے پڑھیں۔ مکہ المکرمہ میں شیخ الاسلام سند احمد شین حضرت شیخ حنفیہ الدین عبداللہ المطری سے آپ کو خرقہ خلافت ملا۔ آپ دو سال تک شبانہ روزان کی خدمت میں رہے اور عوارف اور سلوک کی کئی کتابیں ان سے پڑھیں۔ علم الطریقت ان سے سیکھا اور ذکر الہی کرنے کی ترکیب حاصل کی۔ شیخ حنفیہ الدین نے ان سے فرمایا کہ کارزون (ایران) جا کر اپنا فیض جاری کرو۔

جب آپ کارزون پہنچے تو وہاں شیخ امین الدین مرحوم کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھ سے بوقت انتقال کہا تھا کہ میری ملاقات کے لیے سید جلال الدین بخاری کارزون آئیں گے۔ وہ کارزون کے رستہ میں تھے کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ شیخ امین الدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لیے سید جلال الدین بخاری پہلے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہ واپسی میں کارزون آئیں گے۔ ان کو میرا سلام اور میری جائے نماز اور قیمتی ان کو دے کر میرا ہماز خلیفہ بنا دینا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے کارزون پہنچے پر شیخ امام الدین نے اپنے بھائی کی وصیت پر عمل کیا۔ کارزون سے ایک بار پھر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ملتان پہنچے اور حضرت شیخ رکن الدین العالم سے خرقہ تبرک پہنا۔

چالیس خانقاہیں

دہلی میں سلطان محمد بن تغلق نے انھیں شیخ الاسلام مقرر کیا تھا اور سیوستان (موجودہ سیون شریف) سندھ میں چالیس خانقاہیں مع مضائقہ کے انھیں تفویض کی تھیں لیکن اس عہدے کو قبول کرنے سے پہلے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ایک مرتبہ ہجرت کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ ان کی دہلی واپس پر سلطان محمد بن تغلق ان کا گرویدہ ہو گیا اور ان کی بے حد تعظیم کرنے لگا۔ شیخ بھی ہر دوسرے یا تیسرے سال سلطان سے ملنے دہلی تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت مخدوم مہم ٹھہرے میں بھی سلطان کے ہمراہ سندھ تشریف لے گئے تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کی مذہبی حکمت عملی پر بھی حضرت موصوف کا بڑا اثر تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے 10 ذوالحجہ 785ھ / 3 فروری 1384ء کو وفات پائی۔

معائنہ کر کے کرامتیں چھین لینا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف ”اخبار الاخیار“ میں رقم طراز ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے گہری محبت تھی۔ خزانہ جلالی میں لکھا ہے کہ انھیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی بے حد لگاؤ تھا اور اسی وجہ سے بغداد بھی تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال آپ نے بے انتہا سیر و سیاحت عالم کی اور اکثر اولیا کرام سے نعمتیں اور برکتیں حاصل کیں جو آپ کے ان اسفار کا حاصل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ جس سے گلے ملتے تھے اس کی کرامتیں چھین لیتے تھے یعنی اس بزرگ کی اتنی خدمت کرتے کہ وہ بے اختیار ہو کر اپنی تمام کرامتیں ازراہ تبرک انھیں عطا کر دیتا تھا۔ آپ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ کے ہم عصر تھے۔

(24)

1325ء ابن بطوطہ

PRINCE OF THE TAVELLERS

مسلسل 25 سال تک دنیا کی سیاحت کرنے والا سیاح

جو کسی تعارف کا محتاج نہیں

ذوق سیاحت کی تسکین

ابن بطوطہ نے جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو ریل کی سہولت تھی نہ فضائی سفر میسر تھا مگر اس بہادر سیاح نے مسلسل 25 برس تک سمندروں، پہاڑوں، ریگستانوں میں سفر جاری رکھا۔ وہ پر شور دریاؤں کو کھنگاتا، فلک رفعت پہاڑوں کو سر کرتا ہوا، جنگلوں اور بیابانوں اور برصغیر کو طے کرتا ہوا اپنے ذوق سیاحت کی تسکین کرتا چلا گیا۔ مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ 17 ربیع الثانی 703ھ فروری 1304ء میں مراکش کے شہر طنجة میں پیدا ہوا۔ ابن بطوطہ کا پورا نام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم تھا۔ اس کا تعلق بربری قبیلے سے تھا۔

سیاحت کا جنون اور حصول علم کا متلاشی

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد ابن بطوطہ 13 جون 1325ء کو کمر سے حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا اور تقریباً پچیس سال بعد نومبر 1349ء میں واپس مراکش پہنچا۔ اس مدت میں اس نے ایشیا کے بیشتر ممالک اور مشرق بعید میں چین تک کی سیاحت کی۔ ابن بطوطہ 1326ء میں شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا مصر پہنچا جہاں اسکندریہ میں قیام کے دوران اس کی ملاقات ایک عالم دین برہان الدین سے ہوئی جس سے وہ بے حد متاثر ہوا۔ سید برہان الدین نے اسے حصول علم کے لیے ہندوستان اور چین جانے کی ترغیب دی۔ ابن بطوطہ سیاحت پر نکلنے کے لیے پہلے ہی بے چین تھا وہ اس ترغیب سے بے حد خوش ہوا۔ برہان الدین نے ہندوستان کے چند ایسے علماء کے نام اور پتے اسے دیے جن سے اس کی ملاقات ضروری تھی تاہم وہ فوراً سفری مشکلات کی وجہ سے ہندوستان نہ نکل سکا اور شام و فلسطین سے ہوتا ہوا حجاز

پہنچا جہاں اس نے فریضہ حج ادا کیا۔ حج کے بعد ابن بطوطہ نے عراق اور ایران کی سیاحت کی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ آ گیا اور دو سال تک وہیں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ جنوبی عرب سے ہوتا ہوا مشرقی افریقہ تک گیا اور واپسی میں ظلیج فارس پہنچا پھر تیسری بار مکہ پہنچا اور اس نے تیسری بار حج کیا۔ مکہ سے وہ مصر کے مقام اسوان پہنچا اور مصر و شام سے ہوتا ہوا ایشیائے کوچک اور کریمیا تک چلا گیا۔ اس دوران ابن بطوطہ نے بازنطینی دارالحکومت قسطنطنیہ کی سیاحت کی اور قیصر روم اندرونیکوس سے ملاقات کا شرف حاصل کیا پھر دریائے ودلگا کو عبور کر کے وہ خوارزم، بخارا اور افغانستان سے ہوتا ہوا براستہ کوہ ہندوکش وارد ہندوستان ہوا۔ یہاں اس نے سلطنت دہلی کے مشہور سلطان محمد تغلق سے ملاقات کی جس نے اسے قاضی کے عہدے پر فائز کر دیا جس کی وجہ سے اس نے کچھ عرصہ کے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کی لیکن سیاحت کے جنون نے اسے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہندوستان میں دو سال کے قیام کے بعد اس نے چین کا قصد کیا مگر جزیرہ مالدیپ پہنچ کر وہیں ٹھہر گیا اور یہاں بھی قاضی کے عہدے پر ڈیڑھ سال تک فائز رہا۔ 1344ء میں وہ مالدیپ سے نکلا اور سراندیپ (لنکا) مالا بار، بنگال اور ہندو قسطنطنیہ کی سیاحت کرتا ہوا چین جا پہنچا۔ چین کی سیاحت کے بعد وہ جزائر شرق الہند میں ساٹرا ہوتا ہوا بحری راستے سے ساحل عرب پر واپس آ گیا۔ ایران، عراق، شام اور عرب میں سفر کرنے کے بعد اس نے مصر سے واپس مکہ جا کر چوتھی بار حج کیا۔ شام میں ایک طویل عرصے کے بعد اسے اپنے وطن اور گھر کے متعلق معلومات ملیں۔ اسے معلوم ہوا کہ اس کا والد چندرہ برس قبل فوت ہو چکا ہے لیکن ماں ابھی زندہ ہے۔ لہذا وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد شمالی افریقہ کے راستے سے 1349ء میں واپس فیض (مراکش) میں داخل ہوا۔ اپنے وطن میں تھوڑا عرصہ قیام کے بعد ابن بطوطہ ایک بار پھر سیاحت عالم پر نکل کھڑا ہوا اور اندلس جا پہنچا۔ اندلس سے وہ افریقی ریاست مالی پہنچا اور ٹمبکٹو اور دیگر شہر دیکھنے کے بعد ثواب اور گدیز کے ٹکٹانوں سے ہوتا ہوا 1354ء میں ایک بار پھر مراکش آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی اٹھائیس سالہ سیاحت کا ہنگامہ خیز دور اختتام کو پہنچا جس کے دوران اس نے کرۂ ارض پر تقریباً 75000 میل کا سفر طے کیا تھا۔

ابن بطوطہ کا سفر نامہ

ابن بطوطہ نے فیض میں مراکش کے سلطان ابوحنان کے حکم پر ایک اندلسی عالم ابن جزی النکسی کو اپنے اس طویل سفر کے حالات قلم بند کرائے۔ ابن جزی سلطان ابوحنان کے دربار کا کاتب تھا اور انشا پر داری کا ماہر تھا۔ اس نے بڑی توجہ سے ابن بطوطہ کا سفر نامہ ”تختہ النظاری غرائب الامصار و عجائب الاسفار“ مرتب کیا اور اسے کتابی شکل دی۔ اس کتاب کا کچھ حصہ آج کل پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

ابن بطوطہ کے سفر نامے کا اصل مقصد حصول علم تھا۔ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ جو لوگ حج کی غرض سے

دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے —————
 نکلے وہ راستے میں مختلف علماء کی محبت میں بیچہ کر تحصیل علم کرتے تھے۔ ابن بطوطہ بھی علم حاصل کرنے نکلا تھا مگر بعد ازاں اس پر شوق سیاحت غالب آ گیا اور وہ مختلف ممالک کی خاک چھانتا رہا۔

قاضی کے عہدہ پر فائز

ابن بطوطہ کی سیاحت میں زیادہ تر مسلم ممالک کا ذکر ہے مگر اس نے قسطنطنیہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کی سیاحت بھی کی اور وہاں کے علماء اور صوفیائے تک رسائی حاصل کی اور دوران سیاحت اسے بطور قاضی بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ ہندوستان اور مالدیپ میں قاضی کے عہدے پر فائز رہا۔

ابن بطوطہ کا سفر نامہ اس کے عہد کی ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے اس زمانے کی پوری تاریخ مرعوب کی جاسکتی ہے۔ اس نے تاریخ کے اہم واقعات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی بالغ نظری اور دور اندیشی نے آئندہ نسلوں کے لیے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ اس کی بصارت کا آئینہ دار ہے۔ اسی وجہ سے دنیا کے مغرب اسے ”پرنس آف دی ٹریولرز“ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

(25)

1419ء - غیاث الدین نقاش

تیموری حکمران شاہ رخ میرزا کا شہنشاہ چین کے دربار میں بھیجا گیا سفیر

مولانا غیاث الدین نقاش (1419-1422ء) سمرقند کے تیموری حکمران شاہ رخ میرزا کا بھیجا ہوا چین کے یونگل شہنشاہ آف منگ خاندان کے دربار میں بھیجا ہوا سفارت کار تھا۔ مولانا غیاث الدین سرکاری طور پر شاہ رخ میرزا کی چین بھیجے جانے والی سفارتی مہم کا روزنامہ نگار تھا جو شاہ رخ میرزا نے 1419ء میں چین کے منگ شہنشاہ یونگل Yongle کے دربار میں بھیجی تھی۔ ایک مغربی مؤرخ ویزلی بارٹولڈ Vasily Bartold کے مطابق وہ ایک مصور تھا جیسا کہ اس قلم ”نقاش“ سے پتہ چلتا ہے۔

شاہ رخ میرزا کی سفارت عازم چین

شاہ رخ میرزا کی اس سفارت میں بھیجے گئے دوسرے سفارت کار شادی خواہ اور کوکے شامل تھے۔ یہ سفارت ہرات سے روانہ ہوئی جو ان دنوں شاہ رخ میرزا کا دارالحکومت تھا۔ (24 نومبر 1419ء / 6 ذیقعدہ 822ھ) یہ سفارت کار بلخ و سمرقند کے راستے سے روانہ ہوئی۔ وہاں اس سفارت میں شاہ رخ میرزا کے بیٹے النگ بیک کی طرف سے بھیجے گئے سفارت کار بھی اس سفارت میں شامل ہونے کی توقع تھی۔

یاد رہے کہ النگ بیک ان دنوں ماوراءالنہر کا گورنر تھا مگر وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ النگ بیک کے بھیجے گئے سفارت کاروں کا وفد وہاں سے پہلے ہی روانہ ہو چکا ہے۔ اس لیے شاہ رخ میرزا کی بھیجی ہوئی یہ جماعت علیحدہ طور پر روانہ ہوئی۔ وہ 25 فروری 1420ء کو سمرقند سے چین کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ وہ چینی سفارت کار تھے جو واپس چین جا رہے تھے۔ سفارت کاروں کا یہ کارواں شاہراہ ریشم کی ایک شمالی شاخ سے براستہ تاشقند اور سیرام Sayram جا رہا تھا۔ غیاث الدین نے لکھا ہے کہ اس کارواں میں کچھ غیر مسلم عیسائی بھی شامل تھے جو صلیب کی عبادت کرتے

تھے۔ 29 اگست 1420ء کو یہ کارواں عظیم دیوار چین کے مغربی سرے واقع جیائے یوگان Jiayuguan سے چین میں داخل ہوا۔ اس سرحد مقام پر چین کے سفارتی قوانین پر عمل کرتے ہوئے کارواں میں شامل سفارت کاروں کا امدراج کیا گیا۔ پھر شوژاؤ نامی شہر پہنچنے پر چینی قوانین کے تحت چین میں داخل ہونے والے ان مسافروں کی کتنی کی گئی۔ شوژاؤ نامی یہ شہر جیائے یوگان سے 45 میل کے فاصلے پر دیوار چین کو عبور کرنے کے بعد واقع تھا۔ اس کارواں میں اس وقت وسطی ایشیا کے تاجروں کی شمولیت کی وجہ سے افراد کی تعداد 500 سے تجاوز کر چکی تھی جو چین میں تجارت کے لیے جاتے رہتے تھے۔

شوژاؤ سے اس سفارت کو خصوصی چینی ہرکاروں کے ساتھ پیکنگ روانہ کیا گیا۔ اس راستے پر چین کی حکومت 2900 کو میٹر کے اس فاصلے میں تقریباً 99 کارواں سرائے تعمیر کیے ہوئے تھے۔ اس سفارت نے پیکنگ کے اس سفر میں گنزو Ganzhou اور لینز او نامی چینی شہروں میں قیام کیا اور دریائے زرد پر بنے ہوئے کشتیوں کے پلوں سے اس دریا کو عبور کیا اور آخر کار یہ سفارت 14 دسمبر 1420ء کو پیکنگ پہنچ گئی۔

ان سفارت کاروں نے تقریباً پانچ ماہ تک چینی شہنشاہ کے دربار میں قیام کیا۔ نقاش کی تحریروں کے مطابق چینی شہنشاہ کا درباری دزیر مولانا حاجی یوسف قاضی نامی شخص تھا جو سفارتی معاملات سنبھالتا تھا۔ یہ چینی مسلمان عربی، منگولی، فارسی اور چینی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا اور شہنشاہ اور سفارت کاروں کے درمیان مترجم کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ غیاث الدین نقاش نے چینی شاعری دربار کی تقریبات کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ شاعری دھوتوں میں فن موسیقی کا مظاہرہ اور کھیل تماشوں کا انتظام بھی کیا جاتا۔ نقاش خصوصی طور پر چینی کارکنوں کے فن سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے چینی حکومت کی طرف سے انصاف کے تقاضوں کو بھی پورے کیے جانے کی تعریف کی ہے۔

سفارت کی واپسی

18 مئی 1421ء کو شاہ رخ میرزا کی اس سفارت نے ہرات واپس جانے کے لیے پیکنگ سے واپسی کے سفر پر روانگی اختیار کی۔ راستے میں وہ کئی ماہ تک چینی شہر گنزو میں ٹھہرے اور منگول حملوں کی وجہ سے انھیں جیاؤ Xiaoxou میں بھی قیام کرنا پڑا تب کہیں جا کر وہ 13 جنوری 1422ء کو آخری چینی چیک پوسٹ سے باہر نکلے اور وسط ایشیا میں داخل ہوئے۔ چینی چیک پوسٹ پر ان کے ناموں کا امدراج موجود تھا اس لیے انھیں چین چھوڑنے کی اجازت باآسانی مل گئی تھی۔ یہ سفارت 29 اگست 1422ء بمطابق رمضان المبارک 825ھ کو واپس ہرات پہنچی۔

ایک اہم تاریخی دستاویز

غیاث الدین کا تحریر کردہ اس سفارتی مشن کا روزنامہ ایک بڑی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ یہ اس وقت کے

چینی معاشرے پر تحریر کردہ ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ غیاث الدین نقاش کا تحریر کردہ یہ روزنامہ اپنی اصلی حالت میں بھی اب تک محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اس روزنامہ کے ترکی اور ایرانی میں تراجم بھی موجود ہیں۔ اس روزنامہ کو شاہ رخ میرزا کے درباری مؤرخ نے زبدۃ تاریخ ہاکسٹری کے نام سے بعد ازاں ایک کتاب کی شکل بھی دی تھی۔

غیاث الدین نقاش کی یہ سفری رپورٹ ”مطلع السعدین و مجمع البحرین“ نامی کتاب میں عبدالرزاق سرقدی نے ضم کر دی تھی جو غیاث الدین کی سفارتی مہم کی طرح شاہ رخ میرزا کی دیگر مہمات میں خود بھی شامل رہا ہے۔ چند صدیوں بعد میلا دی میں غیاث الدین نقاش کے اس روزنامہ کے ترکی زبان میں کئی تراجم بھی کیے گئے ہیں جو خانے مقبول ہوئے تھے۔

(26)

1419ء - نیکولو ڈی کونٹی

NICCOLO DE CONTI

مارکوپولو کے بعد دوسرا اہم اٹالوی سیاح جس نے اہل یورپ کو دنیائے مشرق سے متعارف کرایا۔
 نیکولو ڈی کونٹی (NICCOLO DE CONTI) ایک اٹالوی تاجر و سیاح اور معلومات فراہم کرنے والا متفق و
 متشقق تھا۔ وہ اٹالوی قصبہ شیو جیا (Chlo Ggia) میں پیدا ہوا اور اس نے ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کا سفر کیا
 اور وہ جنوبی چین بھی گیا۔ اس کی تحریر کردہ معلومات پر بعد ازاں اٹالیہ میں فرامورو (Fra Mauro) نقشہ ترتیب دیا
 گیا تھا جس میں یورپ سے افریقہ اور ہندوستان کا بحری راستہ دکھایا گیا تھا۔
 نیکولو ڈی کونٹی 1419ء میں ونس سے روانہ ہوا اور اس نے خود کو دمشق میں رہائش پذیر کر لیا جہاں اس نے
 عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ تقریباً 25 سال تک اس نے براعظم ایشیا کے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اسلامی تمدن و
 معاشرت سے اس کی واقفیت اور عربی زبان پر اس کی دسترس کئی مقامات پر اس کے کام آئی اور وہ مسلم تاجروں کے ساتھ
 ان کے بحری جہازوں میں سفر کرتا رہا۔

نیکولو کے سفر مشرق

1295ء میں مارکوپولو کی ونس واپسی کے بعد سے کسی اور مغربی سیاح اور تاجر کے سفر مشرق کا کوئی سراغ
 نہیں ملتا یہاں تک کہ 1439ء میں تقریباً بیس سال تک دنیائے مشرق کی سیاحت کے بعد نیکولو ڈی کونٹی وطن واپس پہنچا
 تھا اور دوسرا اہم اٹالوی سیاح قرار پایا تاہم اس کے علاوہ ہمیں تاریخ اکتشاف عالم میں ایک پادری اوڈوریکسیائی زونکی
 نام ملتا ہے جس نے 1310ء میں آرمینیا، عراق، ایران، سیلون، سماٹرا، کبویا اور چین تک سفر کیا تھا۔

نیکولو ڈی کونٹی شام کے صحرا کو عبور کر کے پہلے بغداد پہنچا تھا جہاں سے اس نے دریائے دجلہ کے راستے بصرہ

تک کا سفر کیا اور وہاں سے خلیج فارس کے راستے ایران پہنچا جہاں اس نے دوسری اسلامی زبان فارسی سیکھی۔ اس کے بعد و بحیرہ عرب کو عبور کر کے سمندری راستے سے کوہِ مہِ Combay، گجرات پہنچا اور وہاں سے خشکی کے راستے سے سفر کرتا ہوا 1555ء سے پہلے دکن پہنچنے والا پہلا یورپی سیاح بن گیا۔ اس نے ہندوستانی ریاست و جیا گمر کی بھی سیاحت کی۔ اس نے جنوبی ہندوستان میں بولی جانے والی تیلگو زبان کے جملوں کو حروف علت Vowels پر ختم ہوتے ہوئے پایا جو اطالوی زبان سے ملتے جلتے تھے۔ اسی بنا پر مشرق کا اطالوی باشندہ کہلایا۔ وہ ہندوستان کے انتہائی مشرقی ساحلی گوشے میں واقع مالیا پور Mallia Pur پہنچا جو آج کل بھارت کے صوبے چٹائی (مدراس) میں واقع ہے اور آج کل میلا پور کہلاتا ہے۔ وہاں اس نے ایک مسیحی سینٹ تھومس کے مقبرے کی زیارت کی جو ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پہلی مسیحی آبادی قائم کرنے والا سینٹ کہلاتا ہے۔

ویت نام کے لیے روانگی

تقریباً 1421ء میں گولوڈی کوئی نے جزائر شرق الہند میں جنوبی ساٹر کے علاقے پڈیر Pedir کو عبور کیا اور وہاں ایک سال تک قیام پذیر رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر البحر چنگ Zheng چین اور ساٹرا کے درمیان سفر کر کے تجارتی رابطہ قائم کر رہا تھا۔ ڈی کوٹ نے بھی جزائر شرق الہند میں ہونے والی مضامحوں اور سونے کی تجارت کے متعلق مفصل معلومات حاصل کیں۔ ساٹرا سے 16 دن کے بحری سفر کے بعد وہ ٹینسیرم Tenasserim پہنچا۔ ملایا کے جزیرے عا پر واقع تھا۔ یہاں سے اس نے دریائے نکا کے دہانے تک سفر کیا جو خلیج بنگال میں واقع ہے۔ بنگال پہنچنے کے بعد اس نے سونارگاؤں (ڈھاکہ) اور چٹاگانگ کی ساحت کی اور پھر خشکی کے راستے آراکان برما پہنچا۔ برما سے بحری سفر کے بعد وہ جاوا پہنچا وہاں اس نے نو ماہ تک قیام کیا اور پھر چمپا Champa (آج کل ویت نام) کے لیے روانہ ہو گیا۔

ڈی کوئی نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا دولت و ثروت میں دنیا کے تمام خطوں سے آگے تھا اور تہذیب و معاشرت میں اطالیہ سے بہتر تھا۔ 1430ء کی دہائی میں ویت نام سے واپس ہندوستان اور کالی کٹ اور کوہ سے ہوتا ہوا مشرق وسطیٰ کی اہم بندرگاہوں، عدن، بربرہ اور جدہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جدہ سے اس نے خشکی کے راستے سے کوہ سینائی تک سفر کیا جہاں اس کی ملاقات ایک ہسپانوی سیاح پیڈرو ٹافور Pedro Tafur سے ہوئی جہاں سے وہ پیڈرو کے ساتھ قاہرہ کے لیے روانہ ہوا۔

یہ حیرت انگیز امر ہے کہ ان تمام سفروں میں اس کے بیوی بچے بھی ڈی کوئی کے ہمرا تھے۔ اس کی بیوی سے اس کی ملاقات ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس کے چار بچوں میں سے دو کا انتقال مصر میں ہوا تھا۔ ڈی کوئی 1444ء میں واپس وینس پہنچا جہاں وہ ایک قابل احترام تاجر قرار پایا۔

پوجیو Poggi نے 1444ء میں ڈی کوئی کا سفر نامہ ترتیب دیا۔ اس کے مطابق وہ چندرھویں صدی میلادی کا سب سے بہتر تاجر و سیاح قرار پایا۔

مصالحوں کے جزیرے

کولوڈی کوئی کے سفر نامے سے اہل یورپ کو بڑی اہم جغرافیائی معلومات حاصل ہوئیں اور اہل یورپ کو بحیرہ ہند اور جزائر سندا Sunda Islands اور مصالحوں کے جزیروں کے متعلق پہلی بار مفصل معلومات ملیں جس سے اہل یورپ کے سیاحوں کو اس صدی کے آخر میں دنیائے مشرق کی سیاحت پر نکلنے کے لیے حوصلہ ملا۔

کولوڈی کوئی کے سفر نامے کا پہلا پرنٹڈ ایڈیشن 1492ء میں شائع ہوا جو لاطینی زبان میں تھا۔ اس کے بعد اس کے مختلف یورپی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے۔ اس کا پہلا انگریزی ترجمہ جو ہسپانوی زبان سے کیا گیا تھا 1579ء میں شائع ہوا۔ اس میں مارکو پولو اور ڈی کوئی کی تحریروں کا امتزاج شامل تھا۔

(27)

1487ء - پری رئیس

اپنے مشاہدات اور دیگر معلومات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے پری رئیس نے ”کتاب بحر یہ“ لکھی

پری رئیس کا اصل نام محی الدین تھا۔ وہ ترکی کے شہر گیلی پولی میں 1470ء میں پیدا ہوا اور اس نے 1554ء میں مصر میں وفات پائی۔ وہ ترکی کے قومی ہیروز میں سے ایک ہے۔ اس کے خاص موضوعات جغرافیہ اور نقشہ کشی تھے۔

پہلا بحری نقشہ

پری رئیس مشہور ترک امیر البحر کمال رئیس کا بھتیجا تھا۔ اس نے 1487ء سے 1493ء تک ترکی کی بحریہ میں ملازمت کی اور اپنے چچا کے زیرِ کمان چند بحری جنگوں میں حصہ لیا۔ 1511ء میں اپنے چچا کے انتقال کے بعد اس نے ترک بحریہ کو چھوڑ دیا اور اپنے پہلے بحری نقشے پر کام شروع کیا۔ اس کے بعد اس نے الجزائر کے ترک گورنر اور امیر البحر خیر الدین باربروسا کی ملازمت اختیار کر لی۔

اسکندریہ کی فتح

1516-1517ء میں پری رئیس کو چند ایسے جہازوں کی کمان سونپی گئی جو مصر کے خلاف عثمانی مہم میں حصہ لے رہے تھے۔ پری رئیس نے اسکندریہ کو فتح کر لیا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جس کے نتیجہ میں سلطان سلیم اول سے اس کی ملاقات ممکن ہو گئی۔ اسی توسط سے پری رئیس نے سلطان سلیم کو 1513ء میں اپنا گیلی پولی میں تیار کردہ نقشہ پیش کیا۔ مصر کی سلطنت عثمانیہ سے الحاق کے بعد پری رئیس اپنے آبائی شہر گیلی پولی واپس لوٹ آیا اور یہاں اس نے اپنی ”کتاب بحر یہ“ لکھنا شروع کر دی۔ مصر میں خلفشار پیدا ہو جانے کے بعد پری رئیس کو ابراہیم پاشا کا گائیڈ مقرر کیا گیا۔ جب پری رئیس اپنے بحری بیڑے سمیت مصر جا رہا تھا تو راستے میں اس کے بحری بیڑے کو ایک سمندری طوفان نے آیا جس کی وجہ سے اس کے جہازوں کو بحیرہ روم میں واقع جزیرہ رہوڈس میں رکتا پڑا۔ اس دوران پری رئیس کو بار بار اپنی تحریروں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس سے ابراہیم پاشا کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی اور ابراہیم پاشا نے اس کی

حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنی کتاب مکمل کرے تاکہ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ 1526ء میں پری رئیس کو جنوبی سمندروں کا امیر البحر بنادیا گیا۔ اس کا آخری سرکاری عہدہ بحرہ قلم اور بحیرہ عرب کے امیر البحر کا تھا۔

ہرن کی کھال پر نقشہ

1929ء میں استنبول کے طوطا قہپی میوزیم سے نقشے کا ایک ٹکڑا دریافت ہوا تھا۔ اس نقشے میں جزیرہ ہسپانیہ، شمالی افریقہ کا مغربی ناکلا، ہوا حصہ، بحر اوقیانوس اور جزائر و سواحل براعظم امریکہ ظاہر کیے گئے ہیں۔ یہ نقشہ ہرن کی کھال پر بڑی احتیاط سے بنایا گیا تھا۔ اس میں رنگین تصاویر بھی شامل ہیں اور حاشیہ پر ملکوں قوموں جانوروں اور نباتات کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ اس نقشے پر ثبت دستخطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر نے بنایا تھا اور یہی وہ نقشہ تھا جو اس نے 1513ء میں سلطان سلیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ پری رئیس کے نقشے پر وہ تمام اہم معلومات درج ہیں جو کولمبس کے نقشے پر درج تھیں۔ مثال کے طور پر ٹرینی ڈاڈ کو اس نقشے پر کیلے رات Kale Rot لکھا گیا ہے۔ یہ نام غالباً اس جزیرہ پر واقع ایک ایسے مقام کے نام سے لیا گیا جس کو کولمبس نے گیلرا Galra لکھا تھا۔ اسی طرح پورٹری کو کو سان جوان بائٹا بتایا گیا ہے۔ اس نقشے پر پانچواں حاشیہ امریکہ اور اس کی دریافت کے بارے میں ہے۔ اس پر لکھا گیا ہے کہ یہ سواحل جن کا نام انیلیا ہے یہ سن 896ء میں دریافت ہوئے تھے اور ان علاقوں کو جینیواٹلی میں رہنے والے ایک جہازران کولمبوس نے دریافت کیا تھا۔ اسی طرح پری رئیس کی کتاب بحر یہ ایک رہنما کتاب ہے جس میں ہر قسم کی بنیادی معلومات دی گئی ہیں۔ اس میں اہم ساحلی بحری راستوں کے بڑے بڑے نقشے مختلف رنگوں میں مفصل بحری چارٹ دے گئے ہیں۔

کتاب بحریہ

کتب بحریہ کے اکیس ابواب ہیں۔ ابتدا میں مصنف نے تاریخی اور جغرافیائی معلومات درج کی ہیں۔ اس کے بعد جہازرانی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں پری رئیس اپنی اس کتاب کی تصنیف کا مقصد بیان کرتا ہے اور اپنی بحری زندگی کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا یہ حصہ اس کے چچا کمال رئیس کے ساتھ گزرا تھا۔

باب سوم اور پنجم میں پری نے ان طوفانوں، ہواؤں اور کپاس کے بارے میں معلومات درج کی ہیں۔

ابواب ششم اور ہفتم میں نقشوں اور ان کی علامات کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

باب ہفتم میں دنیا کے براعظموں اور سمندروں کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

باب نہم میں پرتگیزی جہازرانوں کی بحری اور جغرافیائی دریافتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اکیسویں اور آخری باب میں پری نے بحر اوقیانوس کے بارے میں معلومات درج کیں اور اس میں واقع ایک نئے براعظم سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اس براعظم کو پری ریخس نے انگیلیا کا نام دیا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ براعظم امریکہ ہے جس کے پہاڑوں پر سونے کی کچھ وحیات بکثرت موجود بتائی گئی ہے۔ اس براعظم کے مقامی باشندوں کو یورپی مورخین کی طرح ہی خطرناک مخلوق قرار دیتا ہے۔ مغربی سمندر کے بارے میں وہ تمام معلومات اس باب میں درج ہیں جو امریکہ کی دریافت کے بعد لوگوں کے علم میں آ چکی تھیں۔

(28)

1436ء - کونارڈ گروئن برگ

Conard Groinburg

از مسی و سطلی کا زائر یروخلیم جس نے 33 ہفتے میں زیارت یروخلیم کا سفر مکمل کیا

باتصویر ”سفرنامہ زیارت یروخلیم“

کونارڈ گروئن برگ، کونسٹنس Constance شہر کا رہنے والا تھا اور اپنی نسبتی امارت اور اس کے امتیازی نشانات کی وجہ سے جانا جاتا تھا۔ اس کی تصانیف میں Österreichische Wappenchronic اور اس کا ایک باتصویر ”سفرنامہ زیارت یروخلیم“ بہت مشہور ہیں۔

مزار مسیح کا بہادر

گروئن برگ غالباً 1420ء میں پیدا ہوا تھا اور کونسٹنس شہر کے منیر کا بیٹا تھا۔ اس کا ذکر اس شہر کے بزرگوں کی فہرست 1441ء میں پہلے پہل ملتا ہے۔ 1465ء میں وہ شہنشاہ فریڈرک سوم کا درباری بن چکا تھا اور 1485ء اور 1486ء تک اس کی خدمات کے صلے میں اس کو Ritter مذہبی رسوم کی ادائیگی کرانے والا کا خطاب مل چکا تھا۔ اس کے علاوہ قیام یروخلیم میں اس کو ”مزار مسیح کے بہادر“ Knight of Holy Sepulchre کا خطاب بھی ملا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کئی اور کلیسائی خطابات کا بھی حامل تھا۔

اس کی زیارت یروخلیم کا سفر تقریباً 33 ہفتے پر محیط ہے جو اپریل 1486ء میں شروع ہوا اور آغاز دسمبر 1486ء تک جاری رہا۔ اپنے اس سفر کا آغاز کونارڈ نے 22 اپریل 1486ء کو کونسٹنس سے روانہ ہو کر کیا تھا۔ وہ رینک Rheineck کے راستے پہلے وینس پہنچا اور راستے میں اس نے سترزنگ Sterzing، ٹائرول Tyrol اور ٹرینٹو Trento کی سیاحت کی۔ پھر 31 مئی کو وہ وینس سے بذریعہ بحری جہاز پوریک Porec، زادر Zadar اور Corfu اور دیگر جزائر سے ہوتا ہوا 24 جولائی کو جفہ Jaffa کی بندرگاہ فلسطین میں وارد ہوا۔ پھر خشکی

پرسفر کرتے ہوئے اس نے لیڈا Lydda، رملاء، ایماؤس سے یروشلم اور بیت اللہم تک کا سفر کیا۔ یہ سفر زیادہ تر اس نے ٹخڑ پر سوار ہو کر کیا۔ کچھ عرصہ یروشلم کی سیاحت کرنے کے بعد وہ واپس پہنچا اور اس نے یکم ستمبر 1486 کو ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر واپسی کا شرک کیا۔ 16 نومبر سینٹ اوتھامر کے دن وہ ونس کی بندرگاہ میں اترا اور آغاز دسمبر میں وہ گھر واپس پہنچ گیا۔ کونستینس پہنچنے کے بعد اس نے اپنے سفر زیارت کے دو ہاتھوں پر مسودے تیار کیے اور اس سفر نامہ میں اپنے سفر زیارت یروشلم کو بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا۔ اس سفر نامے میں یروشلم کے اہم اور تاریخی مقامات کے علاوہ لیڈا Lydda کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

(29)

1492ء - کولمبس

کولمبس اپنا بحری بیڑا لے کر مغرب کی سمت میں ہندوستان کی تلاش میں نکلا مگر نئی دنیا پہنچ گیا

نئی دنیا کی دریافت

مغربی نصف کرہ کی سب سے پہلی سرزمین جسے کولمبس یا کسی اور پہلے یورپی باشندے نے دیکھا وہ جزائر بہاماس کا مشرقی ساحل تھا جسے آج کل سرکاری طور پر سان سلواڈور یا دسٹنگو آئی لینڈ کہتے ہیں۔ خشکی کا یہ منظر دیکھ کر کولمبس کے ساتھیوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ حفاظت سے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ان کے ہونٹوں پر خدا کی حمد اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ کولمبس نے ساحل پر اتر کر اعلان کیا کہ اس جزیرے کا نام سان سلواڈور ہوگا۔ یہ تھائی دنیا کی دریافت کا منظر جو کرسٹوفر کولمبس نے اپنی سوانح عمری میں بیان کیا ہے۔

زمین گول ہے

کرسٹوفر کولمبس جینوا اٹلی میں 1451ء میں پیدا ہوا۔ جب جوانی کی دہلیز پر پہنچا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ زمین گول ہے۔ اسی بنا پر وہ سمجھتا تھا کہ اگر مغرب کی سمت میں بھی سفر کیا جائے تو ہندوستان پہنچا جاسکتا ہے۔ اسی خیال کو ذہن میں لے کر کولمبس پر نکال کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے سامنے کولمبس نے مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل تک پہنچنے کی تجویز پیش کی اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اسے چند بحری جہاز اور مناسب مالی معاونت دی جائے تو وہ بالضرور ہندوستان کے لیے ایک نیا بحری راستہ دریافت کر لے گا۔ دراصل پرتگیز جہاز راں ہندوستان کے بحری راستے کی تلاش میں کئی دہائیوں سے کوشش کر رہے تھے۔ بادشاہ نے کولمبس کی تجویز پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کیا جو کبھی وفا نہ ہوسکا۔

ایک نئے بحری راستہ کی تلاش

اب اس نے اسپین کے بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی۔ فرڈیننڈ نے کولمبس کی

تجويز پر غور کرنے کے لیے ایک کمپنی تشکیل دی اور آخر اس کی اس تجويز پر رضامندی ظاہر کرتے ہوئے اسے اٹھاسی ملاح اور تین جہاز بمع مالی امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ کولمبس تین بحری جہازوں سانٹا مار یا مینینا اور لینا کے ساتھ ہسپانیہ سے بروز جمعہ 3 اگست 1492ء کو انجانی دنیا کے سفر پر روانہ ہوا۔ کولمبس نے عمر بھر ہندوستان کے ساحل تک پہنچنے کے خواب دیکھے تھے اس لیے اس کی اس بحری مہم کا مقصد ہندوستان کے لیے ایک نئے بحری راستے کی تلاش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مسلسل مغرب کی سمت میں سفر کیا جائے تو یقیناً دنیا کے گول ہونے کی وجہ سے ہندوستان تک پہنچا جاسکتا ہے جو عام طور پر مشرق میں واقع سمجھا جاتا تھا۔

مسلسل کئی ہفتے کے سفر کے بعد جب ایک دن مینینا کے جہاز یوں نے لکڑی کا ایک تختہ جہاز کے قریب سمندر کی سطح پر حیرتا ہوا دیکھا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے۔ اس سے پہلے سب بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھے اور سمجھتے تھے کہ کولمبس انھیں بے منزل سفر پر لے جا رہا ہے۔ پھر کولمبس نے اپنی بہترین وردی پہنی اور وہ اپنے کچھ اقدیموں کے ساتھ ہسپانیہ کا جھنڈا لیے اس نئی سرزمین پر اترے اور اس نے اس کا نام سان سلواڈور رکھا۔

کسمپری کی موت

واپسی پر اس کا بہت پرہوش استقبال کیا گیا۔ کولمبس کی دوسری مہم میں 1493ء میں جزائر ورجن، یورٹیکو اور جیکارڈ یافت کیے گئے۔ تیسرے سفر 1498ء میں کولمبس نے وینزویلا اور ٹوکوکا دہاندہ دریافت کیا۔ ان دریائوں کے بعد کولمبس نے شاہ و ملکہ ہسپانیہ کو تجويز پیش کی کہ نئی دنیا میں مسیحیت کی پرزور تبلیغ کی جائے اور مقامی باشندوں پر سختی کر کے انھیں ان کا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے بعد کولمبس کو نئی دنیا کے اس علاقے کا گورنر بنا کر بھیجا گیا مگر وہ بطور حاکم ناکام ثابت ہوا اور اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کر دیے گئے جن کی پاداش میں اسے پابہ زنجیر ہسپانیہ واپس لایا گیا۔ اس کی چوتھی مہم 1502ء میں وقار کی بحالی کے لیے تھی۔ اس مہم میں ہوڈراس کے ساحل تک پہنچا مگر اسے اتنی مشکلات پیش آئیں کہ مجبوراً اسے واپس لوٹنا پڑا اور وہ بڑی کسمپری کی حالت میں مرا۔

(30)

1554ء سیدی علی رئیس

عُمان کے ساحل پر سیدی علی رئیس کو ایک شدید طوفان نے آگھیرا اور وہ ہندوستان کے ساحل پہنچ گیا

سیدی علی رئیس 1498ء میں استنبول کے علاقے Galata میں پیدا ہوا۔ سیدی علی رئیس کا تعلق مشہور سینوپ Sinop خاندان سے تھا۔ آپ کے دادا سلطان محمد فاتح کے عہد میں شب یارو کے ناظم اعلیٰ تھے۔ آپ کے والد حسین آغا بھی ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ خود سیدی علی رئیس نے بھی اپنے کیریئر کے آغاز میں شب یارو میں بطور رئیس کام کیا۔ سیدی علی نے خیر الدین بارہروسہ کی کفالت میں پرورش پائی۔ 1522ء میں وہ جزیرہ رودس کی فتح میں اور بحر ابیض کے مغربی ساحلوں پر لڑی جانے والی جنگوں میں خیر الدین بارہروسہ کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہوئے اور بحر ابیض کے ساحلوں کے متعلق بہت سی جغرافیائی معلومات اکٹھی کیں۔ 1538ء میں پروزر Prevezar کی جنگ میں عثمانی بحری بیڑوں کی میسرہ کی قیادت کی۔ اس جنگ نے آپ کی شہرت میں اضافہ کر دیا۔ 1551ء میں فتح طرابلس میں کپتان سان پاشا اور ترک رئیس کی قیادت میں کام کیا۔

بحر ہند کا کپتان

ایک سمندری جنگ میں پرتگالیوں کے قافلے سے ٹکھٹھڑ ہوئی اور مراد رئیس کو ترک بیڑہ کی قیادت سے ہاتھ دھونے پڑے تو اس کے بعد سیدی علی رئیس کو بحر ہند کا کپتان بنا دیا گیا اور بصرہ کے بحری قافلے کا سالار کارواں بنا کر قافلے سمیت سویٹش کی طرف بھیج گیا۔ اس تجربے کی وجہ سے آپ کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ گیا۔ 15 بحری جہازوں کو مرمت کروا کر 1554ء میں بصرہ سے روانہ ہوئے۔ اس دوران جغرافیہ نگاری اور نقشہ سازی کے میدان میں بے مثال ماہرانہ صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ 1554ء میں بصرہ سے سویٹش سفر کے دوران خرقان اور مسقط کے قریب پرتگالی بحری بیڑے نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ کے بعد جوابی کارروائی

کرتے ہوئے 6 پرنگالی جہازوں کو غرق کر دیا جبکہ عثمانی قافلے کے بھی پانچ بحری جہاز غرقاب ہو گئے اور ایک کو آگ لگ گئی۔

صراط کی بندرگاہ پر آمد

اس سفر کے دوران عمان کے ساحل پر شدید طوفان آیا اور سیدی علی رئیس کا نو بحری جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ اس طوفان میں گھر کر جنوب کی سمت میں چلا گیا اور ہندوستان کے ساحل پر سلطنت گجرات کے قلعے کے سامنے جا کر ٹھہرا جبکہ تین جہاز برف میں پھنس گئے۔ باقی چھ جہازوں کے ساتھ سیدی علی صراط کی بندرگاہ پر اترے۔ چونکہ پرنگالی جہاز بھی انھیں پکڑنے کی نیت سے وہاں گشت کر رہے تھے اس لیے سیدی علی بھی اپنے باقی جہازوں کے پاس گجرات کے دارالحکومت احمد آباد چلے گئے۔ گجرات کے سلطان احمد خان نے ان کا اچھا استقبال کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ سلطان کے ماتحت ہو گئے اور ترک بحری بیڑے کی سولش تک پہنچنے کی صورت ناممکن ہو گئی۔ اس لیے باقی بیڑے جہازوں کو فروخت کر کے سیدی نے استنبول جانے کا فیصلہ کیا۔ سیدی علی رئیس احمد آباد سے اس زمانے میں سندھ کے دارالحکومت ملتان اور پھر لاہور سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ دہلی میں امیر تیمور کی اولاد سے ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے (1555ء) یہاں کچھ عرصہ کے لیے ہمایوں بادشاہ کے وزیر رہے۔ پھر ہمایوں کی ایک حادثہ میں اچانک وفات کے بعد سیدی نے دہلی کو خیر آباد کہا۔

اناطولیہ کا سفر

1556ء میں سیدی نے افغانستان، ترکستان اور ایران کے راستے اناطولیہ کا سفر شروع کیا۔ ترکستان کی سیاحت چار سال تک کرتے رہے۔ اپنے اس دلچسپ سفر کی روداد کو ایک سفر نامے کی کتابی شکل بھی دی۔ بعد ازاں یہ کتاب اناطولیہ پہنچنے پر عثمانی سلطان، سلیمان قانونی کی خدمت میں پیش کی۔

سیاحت کے شوق کی بے قراری

اس کے بعد دوبارہ کاہل، سرقند، بخارا اور مشہد مقدس کے شہروں کی سیاحت پر نکلے۔ بخارا کے قریب ازبکوں کے حملے سے زخمی ہو گئے۔ ایران میں بھی مشہد کے گورنر نے انھیں گرفتار کر لیا لیکن بعد میں رہا کر دیا اور شاہ طہماسپ اول کے پاس بھیج دیا۔ شاہ نے کچھ عرصہ نظر بند رکھنے کے بعد اناطولیہ واپس جانے کی اجازت دی۔ شاہ طہماسپ کا ایک خط سلطان سلیمان قانونی کے نام لے کر قزوین، ایران سے روانہ ہوئے۔ راستے میں بغداد کی سیاحت کی پھر بصرہ سے روانگی کے ٹھیک تین سال سات ماہ بعد دوبارہ عثمانی مملکت میں قدم رکھا۔ سیدی علی رئیس 1557ء میں منی کے مینے میں استنبول واپس پہنچے۔ یہاں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے بعد تحصیلدار مقرر کیے گئے۔

کافی عرصہ تک شہزادہ سلیم کی خدمت میں رہے۔ 1560ء میں گلانا خاصہ کی شپ یارڈ کے رئیس بھی رہے اور 1562ء میں استنبول میں وفات پائی۔

آپ کی تصانیف میں آپ کے سفر نامے کے علاوہ کئی دیگر کتب بھی بہت اہم ہیں۔ ان میں ”مرآۃ کائنات“ سورج کی گردش کی کشادگی اور الریح المحیب جیسے موضوعات سے پر ہے۔ فلکیات پر ہی دوسری کتاب خلاصۃ الصحیفہ ہے جو علی کچھ کی کتاب ”الرسالۃ الفخیمہ“ کا ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ حیدر آباد قیام کے دوران آپ نے ”کتاب المحيط فی علم الافلاک والابحار“ یا محیط نامی کتاب بھی لکھی تھی۔ اس کتاب میں بحر ہند کے جغرافیائی نقشے شامل ہیں۔ اس لیے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا سفر نامہ یا ”مرآۃ الممالک“ وہ کتاب ہے جو آپ نے ہندوستان سے بغداد جاتے ہوئے لکھی تھی۔

(31)

1521ء - ڈیوریت باربوسہ

وہ پرتگیزی سیاح جو میکسین کے دنیا کے گرد پہلے بحری سفر میں خود اسی کی طرح فلپائن میں مارا گیا

ڈیوریت باربوسہ (Durate Barbosa) 1480ء میں لزبن، پرتگال میں پیدا ہوا۔ وہ ایک معصف اور پرتگیزی ہندوستان میں 1500ء سے 1516ء تک ایک افسر اعلیٰ تھا وہ کانور (Cannaore) فیکٹری میں عرائض نویس بھی رہا اور اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مقامی زبان ملیالم کا مترجم بھی تھا۔ 1516ء میں اس نے اپنا سفر نامہ (Book of Durate Barbrosa) کے نام سے لکھا۔ یہ پرتگیزی زبان کے اولین سفر ناموں میں سے ایک ہے۔ اس نے یہ سفر نامہ بحر ہند میں سفر کرنے کے بعد لکھنا شروع کیا تھا۔ 1519ء میں ڈیوریت باربوسہ دنیا کے گرد لگائے جانے والے اولین چکر کی مہم پر روانہ ہوا۔ وہ مشہور زمانہ جہاز ران فرڈیننڈ میکسین (Ferdinand Magelin) کے ساتھ اس کے بحری بیڑے میں شامل ہو کر اس سفر پر روانہ ہوا تھا اور میکسین کا قریبی عزیز تھا۔

ڈیوریت باربوسہ، ڈیاگو باربوسہ کا بیٹا تھا جو الوارڈ آف برگینٹرا کی ملازمت میں رہا تھا۔ یوں اس کا پورا خاندان جہاز رانوں کا خاندان تھا۔ اس کے چچا گوٹکا لوگل باربوسہ (Goncalo gil Bhrbosa) 1500ء میں کوچین ہندوستان میں ایک افسر تھا۔ وہ 1502ء میں کانور ٹرا سفر کر دیا گیا۔ ڈیوریت باربوسہ کے سفر نامے کے مطابق وہ اس دوران اپنے چچا کے ساتھ تھا۔

ہندوستان کے ان شہروں میں قیام کے دوران ڈیوریت باربوسہ نے مقامی زبان ملیالم سیکھی تھی۔ 1503ء میں اس نے پرتگیزی وائسرائے البورق (Albuerquq) کے رتبہ کانور کے ساتھ کیے جانے والے معاہدے میں اس نے کانور کے عرائض نویس کی حیثیت سے شاہ پرتگال مینوئل اول (Mauell I) کو خط لکھا اور بادشاہ سے

درخواست کی کہ اسے ہیڈ کلرک کا عہدہ دے دیا جائے۔ بادشاہ نے جوابی حکمنامہ میں اس سے وعدہ کیا کہ اسے یہ عہدہ دے یا جائے گا۔ 1514ء میں وائسرائے الیو قرق نے ڈیوریت باربوسہ کو مترجم کی حیثیت سے شاہ کوچین کو عیسائی بنانے کے لیے اس کے دربار میں بھیجا۔ 1515ء میں الیو قرق نے اسے دو بحری جہازوں کو تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ یہ جہاز بحرہ قزم میں ایک مہم پر بھیجنے کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ اسی دوران باربوسہ پر نکال واپس لوٹ گیا اور اس نے اپنی تصنیف Book of Durate مکمل کی۔ اطالوی مؤرخ گیوانی بیٹیکا کے مطابق ڈیوریت باربوسہ نے یہ کتب 1516ء میں مکمل کی اور اس میں بہت سے ممالک کے تمدنوں اور ثقافتوں کو بیان کیا تھا مگر یہ کتاب گیوانی ہی کے مطابق انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے دریافت اور شائع نہ ہو سکی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں یہ کتاب لڑبن کی ایک لائبریری سے دریافت ہوئی تھی۔

1516ء میں ڈیوریت باربوسہ جنوبی اسپین کے شہر اشبیلیہ میں تھا۔ انھیں دنوں مشہور جہاز راں فرڈیننڈ میگلین اور اس کے خاندان کے درمیان رشتہ مصاہرت قائم ہوا اور میگلین نے باربوسہ کی بہن بیٹریز (Beatriz) سے شادی کی اور وہ ڈیوریت باربوسہ کا قریبی عزیز قرار پایا جس سے باربوسہ اور اس کے درمیان قریبی تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ اسی وجہ سے 10 اگست 1519ء کو باربوسہ میگلین کے دنیا کے گرد بحری سفر کی مہم میں اس کے ساتھ روانہ ہوا مگر اسی سفر کے دوران میگلین اس سے کئی مرتبہ ناراض ہوا اور قریب تھا کہ وہ اسے گرفتار کر کے محبوس کر دے، اسی سفر کے دوران جزائر فلپائن میں 21 اپریل 1521ء کو مقامی لوگوں سے جھگڑے میں میگلین مارا گیا اور باربوسہ کو اس مہم کا نائب سربراہ بنادیا گیا۔ یکم مئی 1521ء کو فلپائن کے ایک مقامی راجہ نے اس کی اور کئی پرتگیزی جہاز رانوں کی سیبو Cebu کے نزدیک دعوت کی اور انھیں شاہ اسپین کے لیے تحائف دینے کے لیے بلایا گیا۔ اسی دعوت کے دوران باربوسہ مقامی لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

(32)

1537ء - فرناؤ مینڈیز پینٹو

FERNAO MENDYS PINTO

فرناؤ مینڈیز پینٹو (1509-1583ء) ایک پرتگیزی متکشف، سیاح اور مصنف تھا۔ اس کے سیاحتی سفروں کا احوال اس کی کتاب Pilgrimage میں موجود ہے۔ یہ کتاب 1614ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس کتاب کی تاریخ صحت مشکوک ہے کیونکہ اس میں بیان کیے گئے بہت سے واقعات میں حد سے زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے نقادوں نے اس کا عربی نام فرناؤ مینٹیز منٹو (MINTO, FERNO MENTES) رکھ دیا تھا۔ لاطینی زبان میں اور پرتگیزی زبان میں Mentir جھوٹ کو کہتے ہیں یعنی اس کو ”جھوٹا“ کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا البتہ اس کی یہ خودنوشت بہت سے پہلوؤں میں اہمیت کی بھی حامل ہے اور اس کی مندرجات کی توثیق بھی ہوئی ہے۔

فرناؤ مینڈیز پینٹو تقریباً 1519ء میں پرتگال میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین غریب تھے اور ان کا تعلق دیہات سے تھا۔ 1551ء میں اس کے ایک بھائی الوارو Alvaro نے پرتگیزی مالاکا Malacca میں خدمات انجام دی تھیں۔ اس کے بھائی نے مالاکا ہی میں 1557ء میں وفات پائی تھی۔ اسی سال پینٹو کے ایک امیر چچا فرانسسکو گارسیا ڈی ورسکاس کا سرانجام جنوبی ہندوستان کی بندرگاہ کوچین میں ملتا ہے۔ بچپن میں پینٹو ایک امیر خاتون کے ہاں ملازم تھا پھر وہ وہاں سے بھاگ کر بندرگاہ پر چلا گیا جہاں ایک جہاز پر اسے ایک جہازی لڑکے کی ملازمت مل گئی اور وہ اس جہاز پر سیٹوبول Setubal کے سفر پر نکلا۔ راستے میں فرانسیسی بحری قزاقوں نے اس جہاز پر قبضہ کر لیا اور اس جہاز کے مسافروں کو Alentejo کے بندر ساحل پر چھوڑ دیا۔ پینٹو نے سیٹوبال کی راہ لی اور وہاں فرانسسکو ڈی مایا کے ہاں ملازمت کر لی جو سان ٹیاگو میں ایک نائٹ (Knight) تھا۔ 28 سال کی عمر میں پینٹو نے یہ ملازمت چھوڑ دی اور پرتگیزی اٹلیا آرمیڈا میں ملازمت اختیار کر لی اور اسی ملازمت میں اس نے مشرق کے کئی بحری سفر کیے۔

پتو کے ان بحری سفروں کو مورخین نے تین مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اس نے پرگال سے ہندوستان کے سفر کیے۔ دوسرے مرحلے میں وہ فلج اور بحر قلم میں سفر کرتا رہا اور تیسرے مرحلے میں اس نے مشرقی ہندوستان سے جزائر مشرقی الہند (انڈونیشیا) ساٹرا، سیام اور چین تک کے سفر کیے۔

11 مارچ 1537ء کو پتو لڑبن سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں وہ پرتگیز موزمبیق کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہوا۔ پھر اسی سال 5 ستمبر کو وہ دیو دیو (Diu) (ہندوستان کے ساحل پر پہنچا۔ ڈیو آج کل ممبئی کے شمال مغرب میں واقع ایک قلعہ بند جزیرہ اور شہر تھا۔ یہ شہر 1535ء میں پرتگیزیوں کے قبضے میں تھا اور عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے اس کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

اس کے بعد پتو نے اس پرتگیز مہم میں شرکت اختیار کی جو بحیرہ قلم میں فوجی ٹھکانوں کا کھوج لگانے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ یہ مہم ایتھوپیا سے گزر کر بحرِ قلم Red Sea میں داخل ہوتا تھا۔ میساوا (Massava) کے بندرگاہ سے روانہ ہوتے ہی اس پرتگیزی مہم کا سامنا تین ترکی بحری جہازوں سے ہو گیا۔ پرتگیزیوں کو اس جھڑپ میں شکست کا سامنا ہوا اور ان کے جہاز کے عملے کو پرغال بنا کر بحیرہ احمر کی ایک بندرگاہ موخا (Mocha) میں فروخت کر دیا گیا۔ انھیں میں پتو بھی شامل تھا۔ ایک یونانی مسلمان نے اسے خرید لیا جو غلاموں کے حق میں ظالم تھا۔ جب اپنے آقا کے مظالم کے خلاف پتو نے خودکشی کرنے کی دھمکی دی تو اسے ایک یہودی تاجر کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ اپنے اس نئے آقا کے ساتھ ایک کارواں میں پتو نے ہرمز (ایران) کا سفر کیا۔ ہرمزان دونوں فلج فارس میں ایک پرتگیز تجارت کا مرکز تھا۔ ہرمز میں پرتگیز حکومت نے 300 درہم ادا کر کے پتو کو غلامی سے نجات دلوائی اور اسے ہرمز کے ”پرتگیز قلعہ“ کا بحری جہاز کا کپٹن بنا دیا گیا اور شاہ پرگال نے اسے ہندوستان کے معاملات میں اپنا نمائندہ خصوصی اور محسٹریٹ بنا دیا۔

غلامی سے نجات ملنے کے کچھ عرصہ بعد پتو نے ایک بار پھر ہندوستان کی بندرگاہ گوا کا سفر کیا مگر اس کی مرضی کے خلاف سندھ کی بندرگاہ دہل بھیج دیا گیا جہاں عثمانی ترکوں کی بحریہ سے جنگ کے بعد وہ گوا پہنچا۔ 1539ء میں وہ مالا کا کے گورنر پیڈرو ڈ فاریا (Pedro de Faria) کے حکم پر ایک قریبی سلطنت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ چھوٹی سی سلطنت ساٹرا کی مسلم سلطنت کے خلاف پرتگیزیوں کی اتحادی تھی۔ 1569ء میں ساٹرا کی مہم کے بعد پتو نے Patani بھیج دیا گیا جو جزیرہ نما ملایا کے مشرقی ساحل پر واقع تھی۔ یہاں سے پتو نے سیام (ویت نام) کے لیے اسباب تجارت بھیجنے کی کوشش کی مگر راستے میں یہ اسباب تجارت بحری قزاقوں نے لوٹ لیا جس کے بعد پتو نے بحیرہ جنوبی چین میں بحری قزاقوں کے خاتمہ کے لیے ایک مہم روانہ کی اور خود اس کی قیادت کی۔ بحیرہ زرد سے پتو چین میں داخل ہو گیا اور اس نے ایک شہنشاہ چین کے مقبرے پر حملہ کیا مگر اسی دوران پتو کا بحری جہاز غرقاب ہو گیا اور

اسے چینیوں نے گرفتار کر کے عظیم دیوار چین پر ایک سالہ سخت مشقت کی سزا دی مگر اس سزا کے پورا ہونے سے پہلے ہی اسے تاتار حملہ آوروں نے گرفتار کر لیا۔ وہ ان تاتاریوں کا ایجنٹ بن گیا اور ان کے ساتھ اس نے کوچین چائنا Cohin China کا سفر کیا۔ کوچین چائنا آج کے ویت نام اور کمبوڈیا کا انتہائی جنوبی حصہ تھا۔ اس سفر میں پخو نے ایک مقدس شخصیت غالباً دلائی لامہ تبت سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ دلائی لامہ نے یورپ کے متعلق اپنی زندگی میں کبھی سنا تک نہیں تھا۔ پخو اس کے دوستی جاپان جانے والے ایک چینی بحری قزاقوں کے جہاز پر سوار ہو گئے مگر یہ بحری جہاز جاپانی جزیرہ تنیگا شیمہ (Tanega Shima) کے قریب ڈوب گیا۔ اسی وجہ سے پخو نے پہلا یورپی ہونے کا دعویٰ کیا جس نے سرزمین جاپان پر قدم رکھا۔

1542ء میں پخو نے جاپان کی سرزمین پر آتشین اسلحہ کو متعارف کرایا اور ایک جاپانی خانہ جنگی میں اسے

استعمال کیا۔

جاپان اور پرتگال کے درمیان بحری تجارت کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے پخو نے کوشش کی مگر اس سفر میں اس کا بحری جہاز تباہ ہو گیا۔ 1554ء میں پخو نے یسوعی تبلیغی مشن میں شرکت اختیار کی اور وہ مشہور مسیحی تبلیغی سینٹ فرانسیس زویر (Farancis Xavier) کے ساتھ جاپان واپس لوٹا۔ اس نے اس تبلیغی مشن کو ایک بڑی خطرہ رقم بطور نذرانہ پیش کی۔ بعد ازاں وہ پرتگیز ہندوستان یعنی گوا میں واپس آئے بنا دیا گیا۔ مشرق میں بہت سال تک خدمات انجام دینے کے بعد پخو 1558ء میں واپس پرتگال پہنچا اور 1583ء میں اس نے وفات پائی۔

(33)

1589 - محمد قاسم ہندو فرشتہ

محمد قاسم ہندو فرشتہ ایک مشہور فارسی مورخ گزرا ہے۔ وہ 1570ء میں استر آباد کے مقام پر پیمبرہ کیسپین کے کنارے پیدا ہوا۔ اس کے بچپن میں اس کا والد تلاش روزگار میں ہندوستان پہنچا اور دکن کی اسلامی سلطنتوں میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ اپنے والد کے حلقہ اثر کی وجہ سے فرشتہ نے بھی ترقی کی اور وہ 1589ء میں بیجا پور پہنچا جہاں اس نے زندگی کے باقی ایام شاہ ابراہیم ثانی کے دربار میں گزرا رہے۔ شاہ نے اسے تاریخ لکھنے پر ملازم رکھا۔ چنانچہ اس کام میں وہ بہت مہتمم ہو گیا۔ یہ ایک بہت محنت طلب کام تھا۔ اس کے لیے بہت سی کتابوں کے مطالعے کی ضرورت تھی۔ اس لیے فرشتہ نے لاتعداد کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اپنے اسی کام کی وجہ سے فرشتہ مشرقی مورخین میں معتبر شمار ہوتا ہے۔ اس کی یہ تصنیف بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اسے تاریخ فرشتہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ بھی موجود ہے۔

تاریخ فرشتہ

فرشتہ کی یہ تصنیف بارہ مقالوں کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اس میں سب سے پہلے مقدمہ ہے۔ اس کے بعد مقالہ اول سلاطین لاہور کے ذکر میں، مقالہ دوم دہلی کے بادشاہوں کے بیان میں، مقالہ سوم شاہان دکن کے حالات میں، مقالہ چہارم شاہان گجرات کے اذکار میں، مقالہ پنجم سلاطین مالوہ کے تذکرہ میں، مقالہ ششم شاہان خاندیس کے بیان میں، مقالہ ہفتم شاہان بنگالہ کے ذکر میں، مقالہ ہشتم ملتان کے بادشاہوں کے ذکر میں، مقالہ نهم سندھ کے شاہوں کے بارے میں، مقالہ دہم کشمیر کے شاہوں کی صفات میں، مقالہ یک از دہم مالا بار کے فرمانرواؤں کی توصیف میں اور مقالہ دوازدہم مشائخین ہندوستان کے حالات میں ہے۔

اپنی اس تصنیف میں فرشتہ نے ہندوؤں کی کتابوں سے اقتباسات بھی شامل کیے ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ آسمان

اور ستاروں کی گردش سے جہاں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو ”جگ“ کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ”ست جگ“، ”ترتا جگ“، ”دوا پر جگ“ اور ”کلجگ“۔ ہر ایک جگ کے خواص علیحدہ علیحدہ ہیں مثلاً ست جگ کی مدت سترہ لاکھ اور اٹھائیس ہزار زمینی سالوں کے برابر ہے۔ انسان کی اس عہد میں طبعی عمر ایک لاکھ برس ہے۔ اس جگ میں نیکی اور راستی کا دور دورہ تھا اور کردار و گفتار کی درستی مقصود تھی۔ ترتا جگ کا زمانہ بارہ لاکھ اور چھیا نوے ہزار سال پر محیط ہے۔ اس جگ میں انسان کی طبعی عمر دس ہزار سال تھی۔ تیسرا دور دوا پر جگ کہلاتا ہے۔ یہ آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال لمبا ہے اور اس عرصہ میں اہل عالم کی طرز و روش درست گفتار و ارادہ راست کردار ہے جبکہ انسان کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہے۔ چوتھا جگ کلجگ کہلاتا ہے۔ اس کی معیاد چار لاکھ اور تیس ہزار سال ہے۔ اس دور میں رہنے والے انسانوں کے اطوار ارنا روا اور نادرست ہیں۔ یہ زمانہ آج کل گزر رہا ہے۔ اس کو شروع ہوئے صرف پانچ ہزار سال گزرے ہیں۔ کلجگ ختم ہونے پر ست جگ شروع ہوگا۔ محمد قاسم نے حکمرانان ہندوستان کے حالات میں راجہ بکراجیت، راجہ بھوج، مہلب بن ابی صفوہ، محمد و غر۔ زلوی، قطب الدین ایبک۔ غیاث الدین بلبن، محمد تغلق، جلال الدین اکبر کے بارے میں خصوصاً لکھا ہے۔ سلاطین دکن، سلاطین گجرات، مملکت مالوہ میں بھی خاصی تفصیل مہیا کی ہے۔ ہندوستان کی قوموں، بت پرستی کے رواج، مہابھارت وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فرشتہ نے مہابھارت کو ایک محترم کتاب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب کا ہندی سے فارسی زبان میں ترجمہ شیخ ابوالفضل نے اکبر کے حکم پر کیا تھا۔

(34)

1607ء - رچرڈ ہیكلوٹ

RICHARD HAKLUYT

شمالی امریکا میں پہلی برطانوی نوآبادی درجینا کے قیام کے لیے کوشش کرنے والا سیاح

رچرڈ ہیكلوٹ ایک انگریز مصنف تھا۔ اس نے امریکہ کی دریافت پر 1582ء میں Discovery of America نامی کتاب لکھی تھی۔ رچرڈ ہیكلوٹ نے ویسٹ منسٹر سکول کرائسٹ چرچ آکسفورڈ سے تعلیم پائی۔ 1583ء سے 1588ء تک وہ سرائے ورڈشا فورڈ کا ذاتی نائب رہا جو فرانسیسی دربار میں انگلستان کا سفیر تھا۔ بعد ازاں وہ برٹل کیتھڈل اور ویسٹ منسٹر ایبے میں روبرٹ سیسل کا نائب بن گیا جو ملکہ الیزبتہ اول کے عہد میں فرسٹ آڈل آف سائمری تھا۔ رچرڈ ہیكلوٹ نے اپنی کتب Principal of Navitation کو رابرٹ سیسل کے نام معنون کیا۔ رابرٹ سیسل جو ملکہ الیزبتہ کے بعد جیمز اول کے عہد میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اس نے رچرڈ ہیكلوٹ کو ویسٹ منسٹر ایبے کا آرچ ڈین مقرر کیا۔

بعد ازاں رچرڈ کو شمالی امریکہ میں ملکہ الیزبتہ کے نام پر قائم کی گئی نوآبادی درجینا میں پروموز مقرر کیا گیا (1606ء) درجینا کے قیام کے لیے ہیكلوٹ نے جو کوششیں کیں اور اس سلسلے میں جو کچھ لکھا وہی اس کی شہرت کا باعث بنا۔

1846ء میں ہیكلوٹ سوسائٹی قائم کی گئی جس نے اس کے بحری سفروں کو کتابی شکل دی اور اس کی نایاب کتابیں دوبارہ شائع کیں۔

مئی 2008ء میں ہیكلوٹ کے کتابی کارناموں پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس کے کارناموں کو اجاگر کیا گیا۔ ہیكلوٹ کی تصانیف میں Touching Disvory of Divers Voyages America شامل ہیں۔

(35)

1615ء۔ سر طامس رو

SIR TOMAS RAO

در بار مغلیہ میں

سر طامس رو در بار مغلیہ میں بھیجا جانے والا ایک انگریز سفیر تھا جسے شاہ انگلستان جیمز اول نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر 1615ء میں بطور ایجنٹی ہندوستان بھیجا تھا تاکہ مغل شہنشاہ جہانگیر سے انگریز تاجروں کے لیے انگریزی حکومت کے نام پر تجارتی مراعات حاصل کرے۔ ان دنوں اگرچہ انگریزوں نے سورت کے مقام پر تجارتی کوٹھی تعمیر کی ہوئی تھی مگر پرتگیز تاجر کو شش کر رہے تھے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکلوا دیں۔ اسی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے طامس رو کو ہندوستان بھیجا تھا۔ فروری 1615ء میں وہ اپنے پندرہ ساتھیوں کے ساتھ انگلستان سے جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہوئے اور چھ ماہ بعد سورت پہنچے۔ انھیں دنوں پرتگیزیوں نے ایک انگریزی بحری جہاز لوٹ لیا تھا جس میں مغل شہنشاہ جہانگیر کے لیے تحائف لدے ہوئے تھے۔ اس بنا پر مغل حکومت پرتگیزیوں کے خلاف ہو گئی تھی اور شہنشاہ جہانگیر نے مغل فوج کو پرتگیز قلعوں کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ جب شہنشاہ جہانگیر کو معلوم ہوا کہ شاہ انگلستان نے اپنا ایک خصوصی ایجنٹی مغل دربار میں بھیجا ہے تو اس نے پروانہ راہداری مجبوا دیا۔ سر طامس رو سورت سے برہان پور پہنچا۔ وہاں سے اجیر گیا۔ برہان پور میں اس کی ملاقات شہزادہ پرویز سے ہوئی جو جہانگیر کا دوسرا بیٹا تھا۔ شہزادہ پرویز سے اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بے ایک فرمان حاصل کر لیا جس کی رو سے کمپنی اس شہر میں تجارتی کوٹھی تعمیر کر سکتی تھی۔ پھر 10 جنوری 1616ء میں وہ مغل دربار میں پہنچ گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ اسے بادشاہ کے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ شہنشاہ جہانگیر کو تخت نشین ہوئے اس وقت دس سال ہوئے تھے۔ وہ اپنے باپ شہنشاہ اکبر کا جانشین ہوا تھا مگر اس میں اپنے باپ جیسی انتظامی صلاحیتیں نہیں تھیں تاہم

ملک میں عدل و انصاف قائم تھا۔ دلوں بادشاہ مذہبی مباحثوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ سرطاس رو نے مزید لکھا ہے کہ جہانگیر اس پر بہت مشفق و مہربان تھا لیکن وہ اپنی ملکہ نور جہاں کے حلقہ و اثر میں تھا جس نے تمام انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ طاس رو نے شہنشاہ خرم سے بھی ملاقات کی جو آئندہ شہنشاہ بننے والا تھا۔

دوسری اقوام کے جہاز نہ لوٹیں

آخر کار شہزادہ خرم کے خسر آصف خاں کی سفارش پر طاس رو کو انگریز تاجروں کے لیے مراعات مل گئیں اور انگریز تاجروں کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ تمام ہندوستانی بندرگاہوں پر اپنا سامان لائیکس اور ضرورت سے زیادہ ٹیکس بھی ادا نہ کریں۔ سرطاس رو نے اپنی قوم کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ غیر آئینی کارروائی نہ کریں اور دوسری اقوام کے جہازوں کو نہ لوٹیں۔ ہندوستان کے حالات لکھتے ہوئے طاس رو نے جہانگیر، نور جہاں، آصف خاں اور دیگر افسران مغلیہ کی عادات و اطوار کا ذکر کرتے ہوئے تعصب سے کام بھی لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جہانگیر ہر دھرم پر مکرزور تھا۔ پرویز ناکارہ اور شرابی تھا۔ آصف خاں لالچی تھا۔ اس نے آگرہ اور دہلی میں بادشاہوں کے رہنے کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ بادشاہ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ سرطاس رو کو انگلستان سے ایڈورڈ ٹیری کے ہاتھوں مزید تحفے پہنچے اور اس نے یہ تحائف دے کر ملکہ نور جہاں اور آصف خاں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ ستمبر 1618ء میں اسے انگریزی تاجروں کے لیے مراعات حاصل ہوئیں جس کے بعد سرطاس رو فروری 1619ء میں واپس انگلستان روانہ ہو گیا۔ اس نے لکھا ہے کہ مغل شہنشاہ سالگرہ کے موقع پر اسے پہلے چاندی کے سکوں سے ہم وزن کیا جاتا تھا پھر سونے اور جواہرات سے تو لایا جاتا تھا اور جواہرات غربا میں تقسیم کر دیے جاتے تھے

(36)

1635ء - اولیاء چلبی

تاریخ کو ایک نیا رخ دینے والا مسلمان ترک شہرہ آفاق سیاح
 ”سفر نامہ“ کے نام سے آپ کی مشہور تصنیف صدیوں سے تاریخ اور علم الہام پر کام کرنے والوں
 محققوں کے لیے دلچسپی کی حامل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اسلامی سفری ادب بلکہ ادبیات عالم کی سب سے
 مفہم اور جامع کتاب اور سفر نامہ ہے۔ یہ کتاب تاریخی ادبی اور جغرافیائی اعتبار سے سترہویں صدی
 میلادی کا حقیقی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

اولیاء چلبی 1611ء میں استنبول کے محلے انکاپانی Unkapani میں پیدا ہوا۔ ابتداء میں ان کا خاندان
 کتابت میں مقیم تھا۔ فتح کے بعد استنبول میں منتقل ہو گیا۔ آپ کا شجرہ نسب مشہور بزرگ احمد یوی سے ملتا ہے۔
 ابتدائی تعلیم استنبول میں کتب صہبان سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ محلہ انکاپانی میں احمد آقندی کے مدرسے
 میں بھی سات سال تک زیر تعلیم رہے اور دارالقرآن سجدی زادہ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنے والد سے فن نقاشی، خطاطی
 اور تہذیب سکسی اور شعر بھی کہنے لگے۔ سلطان مراد رابع آپ کے علم اخلاق اور آواز کی خوب صورتی سے بہت متاثر ہوا
 جس کی بنا پر اس نے ان کو اپنے پاس بلا کر کچھ ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اولیاء چلبی جب سلطان مراد کی خدمت میں حاضر
 ہوئے تو آپ کا اندراج یہاں کی حکومتی کابینہ، ارباب علم و دانش اور عسکری شخصیات کے لیے قائم کیے گئے سب سے
 بڑے مکتب ”اعدرون مکتب“ میں کیا گیا۔ یہاں چار سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد شعبہ سپاہ میں شامل ہو گئے۔
 آپ نے 1630 میں سیاحت، مختلف قبائل، شہروں اور فن تعمیر کے شاہکاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا
 ارادہ کیا۔ بچپن میں اپنے والد کے قریبی دوستوں سے سیاحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا اور یہی دلچسپی انھیں سیاحت
 پر نکلنے کے لیے راغب کر گئی۔

اولیاء چلی نے 1635ء میں اپنی سیاحت کا آغاز استنبول سے کیا اور اس شہر کی تاریخی عمارتوں اور تاریخی اہمیت کو احاطہ تحریر میں لائے۔ استنبول کی تعمیر سے لے کر اپنے دور تک کے عرصے کا نقشہ کھینچا اور اس کو وضاحت سے بیان کیا۔ یوں اولیاء چلی کے ”سیاحت نامے“ کی پہلی جلد منظر عام پر آ گئی۔

اولیاء چلی کے والد ان کو استنبول سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن 1640ء میں اولیاء چلی اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ چھپ کر برص (Burs)، ازمیت (Izmit) اور طرابزون کے سفر پر نکلے۔ یہ سفر ایک ماہ کے دورانیے پر مشتمل تھا۔ واپسی پر جب ان کے والد نے اندازہ لگایا کہ اب بیٹے کو سیاحت سے روکنا ممکن نہیں رہا تو انھیں اکیلے سیاحت پر نکلنے کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کے ساتھ ہی اسلامی ترکی ادبیات کے شہرہ آفاق سیاح سامنے آئے۔

1667ء میں اولیاء چلی یورپ کی سیاحت کے دوران بلغاریہ کے شہر روسہ اور سلیمتر آگئے۔ صوبہ روزی کے دیہاتوں میں خوب گھومے پھرے۔ نیز بلغاریہ کے شہر صوفیہ Sophia کی سیاحت بھی کی۔

1664ء میں خلافت عثمانیہ اور پولی ملک آسٹریا کے درمیان طے پانے والے دوسار Vasvar معاہدے کے بعد ترک سفیر کا محمد پاشا کی معیت میں دینا چلے گئے اور نہ صرف اس یورپی شہر بلکہ پورے آسٹریا کی سیاحت کی۔

1668ء میں استنبول سے خشکی کے راستے مغربی ترائکیا (تھریس) مقدونیہ، یونان کے علاقے تیسالیہ، ییلوپونیز کے ساحلوں کی سیر و سیاحت کی اور وہاں سے کادیہ (ایرا کلیو) کی فتح میں شرکت کے لیے جزیرہ کریٹ چلے گئے۔ اس کے علاوہ ادیریہ (البحر الادانیکی) (بحیرہ ایڈریٹک) کے ساحلوں کی سیر کو نکلے۔ مسلسل گھڑ سواری، نیزہ بازی کرنے اور اسلحے کے استعمال پر دسترس کی وجہ سے اولیاء چلی بڑے پھر تیلے اور تندرست جسم کے مالک تھے، تاہم ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود انھوں نے شادی نہیں کی۔ جنگی مال غنیمت اور مختلف مقامات پر تجارت سے حاصل کردہ کثیر رقم کی بدولت آپ نے بڑی امیرانہ زندگی گزاری۔ بادشاہ اور وزراء سے قریبی تعلق کے باوجود کبھی شاہی دربار میں اعلیٰ مقام، مرتبہ حاصل کرنے کا انھیں خیال تک نہیں آیا۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت علم اور لوگوں اور علاقوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے میں بسر کیا۔

1630ء میں استنبول سے شروع کیا جانا والا ان کا سیاحتی سفر اگلے 50 سال تک جاری رہا۔ اس دوران آپ نے اناطولیہ، شام، فلسطین، ہنگری، دوینیا، پولینڈ، ہالینڈ، کریسیا، قفقاز، ایران، عراق، سوڈان، کریٹ، حجاز، مصر اور حبشہ کی سیاحت کی اور براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ تک کی خاک چھانی۔

دوران سیاحت مختلف مقامات کی جتنی بھی خصوصیات کو دیکھا، ان کا باریکی سے جائزہ لیا اور احاطہ تحریر میں

لے آئے۔ جن علاقوں کی سیاحت کی وہاں کے لوگوں کی اخلاقیات، عرف، عادات، مشاہیر، تاریخی عمارات اور ان کی تاریخ کو تفصیل سے لکھا۔ آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ عجیبہ صنفِ قسطاس پر منتقل کر دیا اور اس پر تبصرہ کر کے سفر نامہ لکھنے کی روایت میں ایک نئے انداز کا اضافہ کیا۔

آپ نے دو ان سیاحت جنگوں میں بھی حصہ لیا اور قلم کے ساتھ زور بازو اور اسلحہ کو بھی آزمایا اور اپنے مشہور ”سفر نامہ“ میں جنگوں کا احوال بھی شامل کیا۔ ”سفر نامہ“ کے نام سے آپ کی مشہور تصنیف صدیوں سے تاریخ اور علم الاقوام پر کام کرنے والوں محققوں کے لیے دلچسپی کی حامل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اسلامی سفری ادب بلکہ ادبیات عالم کی سب سے ضخیم اور جامع کتاب اور سفر نامہ ہے۔ یہ کتاب تاریخی ادبی اور جغرافیائی اعتبار سے سترہویں صدی میلادی کا حقیقی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس سفر نامہ کا طرزِ تحریر بے حد سادہ اور زبان آسان فہم ہے۔ کتاب کا انداز تقریری اور اسلوب فصیح ہے۔ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے اولیاءِ عقلی نے کہیں کہیں مزاح کا انداز بھی اپنایا ہے۔ اس سفر نامہ کی کل دس جلدیں ہیں جو شائع ہو چکی ہیں۔

(37)

1654ء - ڈاکٹر فرانس برنیئر

DR. FRANCES BERNIER

عہد شاہجہاں اور اورنگ زیب میں ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا یورپی سیاح

ہندوستان کی سیاحت پر آنے والے یورپی سیاحوں میں فرانس برنیئر غالباً سب سے زیادہ عالم فاضل اور ذہین و فطین شخص تھا اور ایک فلسفی اور سیاح کی حیثیت سے وہ ممتاز ہوا۔ 1620ء کے لگ بھگ وہ مغل بادشاہ شاہجہاں کے بڑے بیٹے اور ولی عہد دارا شکوہ کا ذاتی طبیب رہا اور دارا شکوہ کی وفات کے بعد مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس نے قریباً بارہ سال ہندوستان میں قیام کیا۔

فرانس برنیئر ایک کسان کا بیٹا تھا۔ اس نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری 1652ء میں حاصل کی تھی۔ 1654ء میں وہ دنیا کے مشرق کی سیاحت پر نکلا اور مشرق وسطیٰ میں شام، مصر اور فلسطین کی سیاحت پر نکلا۔ ایک سال سے زائد عرصہ قاہرہ میں مقیم رہا جہاں وہ طاعون کی وبا پھیلنے سے بیمار بھی ہوا۔ 1658ء میں وہ عازم ہندوستان ہوا اور جنوبی ہند کی بندرگاہ سورت پہنچا۔ مغل دربار میں رسائی اسے شہزادہ دارا شکوہ کے ذاتی معالج کی حیثیت سے حاصل ہوئی پھر دارا شکوہ کی وفات کے بعد وہ اورنگ زیب کے مشہور معتمد امیر دانشمند خاں کے توسط سے اورنگ زیب کے دربار کا شاہی معالج بن گیا۔ اسی دوران اورنگ زیب کے حکم پر وہ کشمیر بھی گیا اور اسے اس جنتارضی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کشمیر سے واپسی پر اس کی ملاقات ایک اور مشہور یورپی سیاح جین ہوسٹ نڈریر سے ہوئی جو ان دنوں بنگال کی سیاحت پر تھا۔ اس مشہور سیاح کے ساتھ وہ ایران کی سیاحت کے لیے نکلا اور پھر 1668ء میں واپس سورت پہنچا۔ تقریباً بارہ سال تک برصغیر میں قیام کے بعد وہ وطن واپس لوٹ گیا۔

فرانس برنیئر جن ایام میں برصغیر پاک و ہند پہنچا تو ان دنوں شاہجہاں کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی آخری

مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز ہی اس جنگ کے بیان سے کیا ہے اور اس جنگ کی کافی تفصیل پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے سفر Dans les Etats Du Grand, Des Voyage Mughals, میں مغل دربار کے حالات، آگرہ اور دلی کے شہروں کے حالات اور کشمیر اور بنگال کے صوبوں کا احوال، شاہی فوج، مغلیہ سلطنت کے نظم و نسق، معاشی حالات اور ہندوؤں کے رسوم اور عقائد کے متعلق بڑی اہم معلومات درج کی ہیں۔

البتہ ایک یورپی ہونے کی حیثیت سے بعض مقامات پر اس نے کچھ غلطیاں بھی کی ہیں جیسے شاہجہاں کے ذاتی کردار کے حوالے سے اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل اعتنا نہیں۔ ایک اور یورپی سیاح منوچی نے اپنے سفر نامے میں اس کی تردید کی ہے۔ اس کی وجہ غالباً اس کا سطحی مشاہدہ تھا اور اس نے سنی سنائی باتوں پر تحقیق کیے بغیر اپنے سفر نامے میں درج کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا سفر نامہ عہد شاہجہاں اور عہد عالمگیری کی تاریخ کا ایک اہم یورپی ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے اور دلچسپ و مفید ہے۔

فرانسس بریئر اپنے قیام ہندوستان کے دوران بارہ سال سے زائد عرصہ تک یہاں رہا اور کشمیر سے گوکھنڈہ اور سورت سے لے کر بنگال میں قاسم بازار تک ہر جگہ گھوما۔ کبھی لال قلعہ میں بیٹھ کر اس نے مغلیہ ہندوستان کے سیاسی و سماجی نشیب و فراز کا جائزہ لیا اور کبھی بنگال کے تجارتی مرکزوں سے ہندوستان کے اقتصادی حالات پر نظر ڈالی۔ یہاں کے موسم گرما سے گھبرا کر اس نے اپنے دوستوں کو لکھا: میرا سراپدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کی نوک کی طرح چبھتے ہیں۔ گرمی کا یہ عالم ہے کہ سیاحی قلم کی نوک پر خشک ہو جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گر جاتا ہے۔“ جب کشمیر کی جنت نظیر وادی میں پہنچا تو بے اختیار پکار اٹھا: میں کشمیر پر دل و جان سے فریفتہ ہوں اور اس کی خوبصورتی میرے تخیلات اور تصورات سے بھی بالاتر ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ اس کی خوبیوں کو نہیں پہنچتا۔ جب پہلے پہل اس نے دہلی میں شہنائیاں، نفریاں اور نقارے بجتے ہوئے سنے تو وہ بول اٹھا ”اس شور سے تو کان بہرے ہوئے جاتے ہیں“ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ مشرقی موسیقی اور سازوں کی آواز سے اتنا مانوس ہو گیا کہ اس نے لکھا: رات کو جب اپنے مکان کی چھت پر لیٹ کر ان مشرقی سازوں کی آواز سنتا ہوں تو بہت بھلی اور سریلی معلوم پڑتی ہے۔“

ہندوستانی طرز معاشرت کا شوق مطالعہ فرانسس بریئر کو جگہ جگہ لے گیا۔ وہ امراء کی مجلسوں میں پہنچا، نان ہائیکوں کی دکانوں میں بیٹھا، سورج گرہن کے میلوں میں شریک ہوا اور فقیروں کی محفلوں میں بیٹھا، بنارس میں ہندو پنڈتوں سے ملا، حیر پنجال میں تارک الدنیا جو گیوں اور درویشوں سے ملاقات کی، لشکریوں کے حالات کی نوہ لگائی۔ ایک ہندو عورت کو اس کے خادمہ کے مرنے پرستی ہوتے دیکھا، ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کے شوق میں اس نے اپنا جان تک کو خطرہ میں ڈال دیا۔

جب اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو گرفتار کر کے انتہائی ذلت کے ساتھ دہلی کے بازاروں میں گشت کرایا تو اس وقت فرانس برصغیر بھی وہیں موجود تھا۔

جب دارا شکوہ کے بیٹے شہزادہ سلیمان کو پابہ زنجیر اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا فرانس برصغیر مغل دربار میں موجود تھا۔

خانہ جنگی کے اختتام پر اورنگ زیب نے جو جشن منایا اس میں فرانس برصغیر نے بھی شرکت کی۔ بارہ سال کے قیام کے بعد جب وہ فرانس واپس لوٹا تو شاہ فرانس لوکی چہار دہم کی خدمت میں اس نے اپنا سفر نامہ ان الفاظ میں پیش کیا کہ دریائے سین سے نکل کر وجلہ، فرات، دریائے سندھ اور گنگا تک وہ جہاں بھی پہنچا فرانس اور اس کے شہنشاہ کے متعلق اس نے لوگوں کی نہایت اعلیٰ رائے سنی۔

1671ء میں اس کا سفر نامہ پیرس سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوا۔

(38)

1655ء - جین بپٹسٹ ٹیورنیر

JEAN-BAPTIST TAVER

سترہویں صدی کا ایک فرانسیسی تاجر اور سیاح جس نے 120,000 میل کا سفر کیا

جین بپٹسٹ ٹیورنیر 1605ء میں پیرس میں پیدا ہوا اور بعد ازاں اس کا خاندان فرانسیسی ہیوگوناٹ، پروٹسٹنٹ ہونے کے بعد بلجیئم کے شہر اینٹورپ Antwerp کی طرف ہجرت کر گیا تاکہ رومن کیتھولک کے معاشرتی بائیکاٹ سے بچا جاسکے مگر فرمان نانٹیز (Edict of Nantes) کا معاہدہ طے پانے کے بعد جس میں فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کو امان دی گئی تھی واپس پیرس لوٹ آیا۔ ٹیورنیر ایک تاجر کی حیثیت سے 1668ء میں شہنشاہ فرانس لوئی چہارم کے ہاتھوں مشہور ہیل ٹیورنیر بلیو (Tavernier Blue) کی فروخت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ ہیرا ٹیورنیر نے مشرق میں سفر کے دوران خرید تھا۔

اپنے سفر نامے Six Voyages میں ٹیورنیر نے لکھا ہے کہ اسے بچپن ہی سے دنیائے مشرق کی سیاحت پر نکلنے کا شوق تھا۔ آخر 1631ء میں وہ فرانسیسی وزیر اعظم کارڈینل ریشلیو (Cardinal Rischelieu) کے حکم پر مشرقی بحیرہ روم کے علاقے Levant کی طرف بھیجے جان والے دو اور فرانسیسی سیاحوں کے جلو میں قسطنطنیہ پہنچا۔ یہ دنیائے مشرق کا اس کا پہلا سفر تھا۔ یہاں اس نے گیارہ ماہ تک قیام کیا اور پھر وہ صفوی ایران کے لیے روانہ ہو گیا۔ ایران میں جس دور دراز کے مقام کی اس نے سیاحت کی وہ اصفہان تھا۔ اصفہان سے وہ بغداد گیا اور شام کے شہر حلب سے ہوتے ہوئے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پہنچا۔ وہاں سے جزائر مالٹا اور اٹلی سے ہوتا ہوا واپس پیرس پہنچ گیا۔

دوسرا سفر مشرق

ستمبر 1638ء میں ٹیورنیر دنیا کے مشرق کے اپنے دوسرے سفر پر نکلا جو 1643ء تک جاری رہا۔ اس مرتبہ میں حلب سے ایران پہنچا اور وہاں سے برصغیر پاک و ہند میں اس نے آگرہ تک کا سفر کیا۔ آگرہ سے وہ جنوبی ہندوستان میں واقع سلطنت گولکنڈہ کی سیاحت پر نکلا۔ اس نے عظیم مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے دربار میں کچھ عرصہ گزارا۔ گولکنڈہ میں اس کی دلچسپی زیادہ تر ہیروں کی کانوں کو دیکھنے سے رہی۔

اس کے بعد کے سفارت

اپنے دوسرے سفر مشرق کے بعد وہ چار مرتبہ دنیا کے مشرق کی سیاحت پر آیا۔ اپنے ان بعد کے سفروں میں اس کی حیثیت بیش قیمت جواہرات کے تاجر کی تھی اور اس نے مشرق کے بادشاہوں اور شہزادوں کو بہت سے ہیرے اور جواہرات فروخت کر کے اپنا مستقل گاہک بنالیا۔

اپنے تیسرے سفر میں جو 1643ء سے 1649ء تک جاری رہا وہ مشرق بعید میں جاوا تک پہنچا اور واپسی میں ولندیزی تاجروں کے ساتھ سفر کرتا ہوا جنوبی افریقہ میں کیپ آف دی گڈ ہک پہنچا۔ اس کے ولندیزیوں سے تعلقات کچھ اچھے ثابت نہ ہوئے اور واپسی پر اسے ان کے خلاف ایک مقدمہ دائر کرنا پڑا۔

اپنے چوتھے سفر میں جو 1651ء سے 1655ء تک جاری رہا ٹیورنیر اسکندریہ، حلب، بندر عباس، ماسلی (Masuli Patam) گولکنڈہ، سورت، احمد آباد، مگو (Pegu) اور مگوک (Mgok) تک مشرق میں سیاحت کرتا رہا اور پھر وہاں سے واپس بندر عباس (ایران) اور اصفہان کی سیاحت کے بعد اس نے واپس پیرس کی راہ لی۔

اپنے آخری دو سفروں میں یعنی پانچویں اور چھٹے سفر میں جو 1657ء سے 1662ء اور 1664ء سے 1668ء تک جاری رہے وہ ہندوستان تک محدود رہا اور مشرق بعید کے علاقوں تک نہ جاسکا۔ اس کے ان آخری سفروں کی روئیداد کچھ زیادہ طور پر معلوم نہ ہو سکیں اور یہ دونوں سفر تاجرانہ تھے۔

انہیں آخری سفر میں اسے وہ مشہور نیلا ہیرا ملا تھا جو اس نے بعد ازاں شہنشاہ فرانس لوئی چہارم کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی بیش بہا قیمت پائی۔ 1662ء میں ٹیورنیر نے شادی کی تھی اور طبقہ شرقاء میں شمولیت اختیار کی تھی۔ بعد ازاں 1670ء میں اس نے اپنی دولت سے سوئٹزرلینڈ میں جینوا کے نزدیک ڈیوکی آف سیوائے میں ایک بڑی جائیداد خرید کر لی تھی۔

سوئٹزرلینڈ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد ٹیورنیر نے اپنے سفری حالات ایک ادیب سموئیل شاپو

کی مدد سے قلم بند کرائے۔ اس کے سفر نامہ جو پہلی جلد منظر عام پر آئی وہ اس کے پہلے اور چھٹے سفر کے بارے میں تھی جس میں قسطنطنیہ کی سیاحت بیان کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ٹیورنیر کی دوسری کتاب *Les Six Voyages* جو دو جلدوں پر مشتمل تھی 1676ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں جاپان کے سفر کی روئیداد بھی دی گئی تھی جو دوسرے تاجروں سے کئی گنی تھی۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندوں کی کارکردگی کے متعلق بھی اعتراضات کیے گئے تھے جن کے ہاتھوں ٹیورنیر کو اپنے اسفار کے دوران کئی مرتبہ نقصان پہنچا تھا۔ ٹیورنیر کے اعتراضات کا جواب ایلمسٹرڈم سے کتابی صورت میں دیا گیا۔ ان جوابات پر مزید شور مچا کیونکہ ان میں پروٹسٹنٹوں کے خلاف مواد شامل تھا۔ اسی وجہ سے ٹیورنیر کو ایک عدالت کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہونا پڑا۔

ٹیورنیر کے سفر نامہ کی تعریف مؤرخین اور جغرافیہ دانوں نے دل کھول کر کی ہے۔ ٹیورنیر نے 1631ء سے 1668ء تک مشرق میں جن مقامات کی سیاحت کی اس کے سفر نامہ میں ان مقامات کا تفصیلی احوال قلم بند کیا گیا ہے اور یہ اس عہد کی تاریخ دنیائے مشرق پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں ٹیورنیر کو لوئی چہارم کی پروٹسٹنٹوں کے خلاف کی گئی کارروائی کی وجہ سے فرانس چھوڑ کر سوئٹزرلینڈ منتقل ہونا پڑا تھا۔

(39)

1656ء - نیکولس مینوچی

NICOLAS MENOCHI

سترہویں صدی کا مشہور اطالوی سیاح جو عہد شاہ جہانی میں ہندوستان کی سیاحت پر آیا

اطالوی سیاح مینوچی صرف 14 سال کی عمر میں نومبر 1653ء میں اپنے وطن ونیس سے سیاحت مشرق پر نکلا اور جنوری 1656ء میں ساحل ہند پر وارد ہوا۔ ونیس سے وہ اپنے والد سے چھپ کر میر و سیاحت کے شوق کو پورا کرنے کے لیے پہلے پہل ترکی کے شہر سرتالے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ سرتالے سے ایشیائے کوچک کے اہم شہروں کی سیاحت کرتا ہوا وہ اگست 1654ء میں ایران کے شہر قزوین پہنچا پھر اصفہان میں ایک سال تک مقیم رہا۔ پھر شیراز کے راستے ایرانی بندرگاہ بندر عباس پہنچا اور سمندر کی راہ سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔

60 سال تک ہندوستان میں سکونت

جنوری 1656ء میں وہ مشہور ہندوستانی بندرگاہ سورت میں اترا اور اپریل 1656ء میں برہان پور، گوالیار، دھولپور اور دیگر ہندوستانی شہروں سے ہوتا ہوا آگرہ پہنچا۔ آگرہ سے دہلی پہنچ کر اس نے شہزادہ دارا شکوہ تک رسائی حاصل کی۔ دارا شکوہ ایک وسیع المشرب انسان تھا۔ اس نے مینوچی کو ایک اچھے مشاہیرے پر اپنے ہاں ملازم رکھ لیا اور اسے اپنے توپ خان کا نگران مقرر کی۔ 1658ء میں جب دارا شکوہ کی اورنگ زیب اور شہزادہ مراد بخش کی فوجوں سے جنگ ہوئی جو آگرہ کے نزدیک سوگڑھ کے مقام پر لڑی گئی تھی اس جنگ میں مینوچی نے دارا شکوہ کی طرف سے بلا، توپچی شرکت کی اور وہ اورنگ زیب کے لشکر کے خلاف نبرد آرا ہوا۔ دارا شکوہ کی شکست کے بعد مینوچی نے اورنگ زیب کے لشکر میں ملازمت نہ کی بلکہ طباعت کا پیشہ اختیار کیا اور غالباً وہ اپنے وطن ونیس واپس نہ گیا اور اس نے 1717ء میں عمر 80 برس ہندوستان ہی میں وفات پائی۔ یوں تقریباً 60 سال وہ ہندوستان میں رہا۔

اس نے Stonia Do Mogop کے نام سے ایک کتاب میں اپنے سفر مشرق اور قیام ہند کے متعلق اپنی یادداشتیں تین زبانوں، اطالوی، پرتگیزی اور فرانسیسی میں مرتب کیں۔ اس کے علاوہ مغلیہ تاریخ بھی لکھی جو عہد شاہجہانی سے پہلے کے واقعات کے متعلق اغلاط کا مجموعہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مینوچی نے یہ قصے مخالفین سے سن کر بغیر تحقیق کیے اپنی کتاب میں درج کر دیے تھے۔ شاہجہان کے بعد کے واقعات مؤرخین کے نزدیک ضرور قابل اعتنا ہیں۔ دوسرے چونکہ اس کی اس کتاب سے اس عہد لوگوں کے عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے اور یہ باتیں اس عہد کی تاریخ کی کتابوں میں بہت کم ملتی ہیں اس لیے مینوچی کی یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سیاح بریجر بھی تقریباً اسی عہد میں ہندوستان آیا تھا اور مینوچی کا ہم عصر تھا مگر دونوں الگ الگ مکتب فرمت سے تعلق رکھتے تھے۔ مینوچی دارا شکوہ کا طرف دار تھا جبکہ بریجر اورنگ زیب کی طرف تھا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی اور اس کی بھائیوں سے جنگ کے واقعات کو جس طرح نے قلم بند کیا ہے وہ گویا تصویر کے دوسرے رخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مینوچی نے جنگ سوگڑھ کا حال بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ جنگ کے دیگر احوال کے ساتھ ساتھ اس نے لکھا ہے کہ دارا کی فوج کے کچھ افراد نے اس سے غداری کی تھی اور وہ اورنگ زیب کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ دارا کے غدار افراد نے یہاں تک ملے کیا تھا کہ اگر دارا لڑائی شروع کرنا چاہے تو وہ توپ خانے سے تین گولے داغ کر اورنگ زیب کو متنبہ کر دیں گے۔

3 جون 1658ء کو نصف شب کو دشمن کی طرف توپ کے تین فائر کیے گئے اور اگلی صبح یہ جنگ لڑی گئی۔ چونکہ مینوچی دارا شکوہ کا طرف دار تھا اس لیے اس نے اپنی اس کتاب میں اورنگ زیب کی ایک ایسی تصویر پیش کی ہے جس میں وہ ایک حیار اور مکار انسان نظر آتا ہے۔ جنگ سوگڑھ کے بعد جب اورنگ زیب نے دارا کو قتل کرنا چاہا تو اس نے دارا سے دریافت کیا کہ اگر دارا کی بجائے اورنگ زیب اس کی قید میں ہوتا تو وہ اپنے قیدی سے کیا سلوک کرنا جس کے جواب میں دارا نے کہا اس کا جواب دہلی شہر کے چاروں دروازے دیتے جہاں اورنگ زیب کے بدن کے چار حصے علیحدہ علیحدہ لٹکائے جاتے۔ اس جواب سے براہم ہو کر آخراورنگ زیب نے اپنے بڑے بھائی کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

مینوچی رقم طراز ہے کہ اس بد نصیب شہزادہ دارا کا انجام، جو شاہجہان کا بیٹا یا خلیفہ اکبر و ولی عہد سلطنت مغلیہ تھا اور رعایا کی نظروں میں معزز تھا، ایسے غم انگیز اور اندوہناک طریقہ سے ہوا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اسے نہ اس کی نیک عادات، خصائل اور نہ ہی اس کا رتبہ اعلیٰ اورنگ زیب کی ظالمانہ چالاکیوں سے بچا سکے۔ پھر دارا کے سر کو شاہجہان کے پاس بطور تحفہ بھیجا اور اپنے ہر کاروں کو ہدایت کی کہ جب شاہجہان کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھے اس وقت یہ سراسر

کے سامنے پیش کیا جائے اور کہا جائے کہ اورنگ زیب نے یہ کھانا بطور تحفہ کے بھیجا ہے۔ جب شاہجہاں کی نظر دارا کے سر پر پڑی تو اسے دیکھ کر اس نے آہ بھری اور وہ اوندھے منہ دسترخوان پر گر پڑا۔

مینیوچی لکھتا ہے کہ دارا کو قتل کروانے کے بعد اورنگ زیب نے سرد مجذوب کو اپنے سامنے طلب کیا جس سے دارا بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ اس سے دریافت کیا کہ ”اب تمہارا معتقد کہاں ہے؟“ سرد نے جواب دیا کہ ”وہ موجود ہے مگر تم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ تم نے اپنے ہی کنبہ والوں پر ظلم کیے اور سلطنت غصب کرنے کے لیے اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے علاوہ بہت سی اور ظالمانہ و بے رحمانہ حرکتیں کیں۔“ یہ سن کر اورنگ زیب نے اسے بھی قتل کروا دیا۔

ان تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مینیوچی کو قدرتی طور پر دارا کے قتل کے بعد اورنگ زیب سے عناد ہو گیا تھا، اس لیے اس نے اورنگ زیب کے خلاف بہت کچھ تعصب سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب مینیوچی نے 1699 میں تصنیف کی تھی۔

(40)

1716ء - لیڈی میری ورٹلے موٹیکو

اٹھارویں صدی کی انگریز سیاح خاتون جس کے خطوط اس عہد کے ترقی کے نقوش

ہمارے ذہن میں ابھارتے ہیں

لیڈی میری ورٹلے موٹیکو انگریز طبقہ امراء سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون تھی جو اپنی خطوط نویسی، شاعری اور سلطنت عثمانیہ ترکی کی سیاحت اور چمچک کے علاج کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس نے سلطنت عثمانیہ میں جو سیاحت کی تھی اسے اپنے خطوط میں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ قسطنطنیہ میں متعین برطانوی سفیر کی بیوی تھی اور اس نے مشرق وسطیٰ اور ترکی کے مسلمانوں کا حال بیان کیا ہے۔

1712 اگست 17 کو لیڈی میری ورٹلے موٹیکو کی شادی ورٹلے موٹیک سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹا ایڈورڈ ورٹلے موٹیک 1713ء میں پیدا ہوا۔ 13 اکتوبر 1714ء کو اس کے شوہر نے برطانوی وزارت خزانہ میں ایک جوئیر عہدہ قبول کر لیا جس کے دو سال بعد 1716ء اسے استنبول میں برطانوی سفیر کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا۔ اگست 1716ء میں لیڈی میری ورٹلے موٹیک اپنے شوہر کے ساتھ ویانا اور ادرنہ Adrianople کے راستے استنبول پہنچ گئی۔ ایڈورڈ ورٹلے کو 1717ء میں واپس برطانیہ طلب کر لیا گیا مگر یہ دونوں میاں بیوی 1718ء تک استنبول ہی میں رہے۔ 19 جنوری 1718ء کو لیڈی میری ورٹلے موٹیک کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر بحیرہ روم کے راستے یہ خاندان واپس برطانیہ روانہ ہوا اور 2 اکتوبر 1718ء کو واپس لندن پہنچ گیا۔

ترک خواتین سے صوفیہ کے ایک حمام میں ملاقات کے تاثرات

لیڈی میری ورٹلے موٹیکو نے اپنے اس بحری سفر کی روئیداد اور قسطنطنیہ میں اپنے مشرقی زندگی کے مشاہدے

کواپنی کتاب Letters from Turkey میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب لیڈی میری ورٹلے موٹیکو کے ان خطوط پر مبنی ہے جو اس نے ترکی سے انگلستان میں اپنے دوستوں کے نام لکھے تھے۔ ان خطوط میں ترکی کے اس عہد کے معاشرے کی اتنے اچھے انداز میں عکاسی کی گئی ہے اور مشاہدات کو اس دلنشین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ خطوط خصوصاً خواتین میں سیاحت کا شوق پیدا کرنے کے باعث رہے ہیں۔ لیڈی میری ورٹلے موٹیکو اپنے قیام ترکی کے دوران ترکوں کی روایتی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ اس نے اپنے خطوط میں ترک خواتین سے صوفیہ کے ایک حمام میں ملاقات کے حال درج کیا ہے جس کے دوران ترکی خواتین اس کے اس سینہ بند (انگلیا) کو دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوئی تھیں جو اس نے دورانِ غسل پہنی ہوئی تھی۔ ترک خواتین نے جو تاثرات اس کے متعلق پیش کیے تھے وہ یہ تھے کہ برطانیہ کی خواتین کے خاوند مشرقی خاوندوں سے زیادہ سخت گیر ہیں کیونکہ وہ اپنی بیویوں کو اس طرح کے جکڑ بند یوں میں جکڑ کر رکھتے ہیں۔

حسن کی دولت سے محرومی

لیڈی میری ورٹلے نے ان غلط فہمیوں کے بارے میں بھی لکھا ہے جو خصوصاً مرد سیاحوں کو سلطنتِ ترکی کی سیاحت کے دوران ترکوں کی روایات، مذہب اور ان کے خواتین سے برتاؤ کے بارے میں پیش آئی تھیں۔ میری نے ایک عورت ہونے کے ناطے ترک خواتین کے انداز و اطوار کا مرد سیاحوں کی نسبت زیادہ قریب سے مشاہدہ کیا اور ترک خواتین کے لباس، ان کی عادات، ان کی محدودیت اور ان کی آزادی کے بارے میں ایک مغربی تنقید نگار کی حیثیت سے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیڈی میری ورٹلے نے ترکی میں چیچک کے مرض کے علاج کے لیے ٹیکہ لگانے اور تیار کرنے کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اس موذی مرض میں خود بھی مبتلا رہی تھی اس لیے اس نے اس کے اس مشرقی علاج کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح لیڈی میری ورٹلے نے طبِ مغرب میں ٹیکے کے ذریعے اس مرض کے اس علاج کا تعارف کرایا جو ابھی تک صرف دنیائے مشرق میں رائج تھا۔ یہ طریقہ بالکل وہی تھا جو آج کل بھی مغرب بلکہ ساری دنیا میں رائج ہے یعنی چیچک کے جراثیم کو گائے کے ٹیکے کے ذریعے محلول تیار کر کے اس سے انجکشن تیار کرنا۔ چیچک کے اس طریقہ علاج کو لیڈی میری ورٹلے نے یکم اپریل 1717ء کو اپنے ایک دوست کے نام تحریر کردہ خط میں مفصل طور پر بیان کیا تھا۔ چیچک کے مرض سے میری کا ایک بھائی 1713ء میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا تھا اور وہ خود بھی 1715ء میں اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنے حسن کی دولت کو ہلکی تھی۔

سزائے موت کی منسوخی

1721ء میں جب انگلستان میں چیچک کی وبا پھیلی تو لیڈی میری ورٹلے نے اپنی بیٹی کا علاج اسی مشرقی

انداز پر کیا تھا اور اس نے ایک انگریز سرجن چارلس میٹ لینڈ کو بھی انجکشن تیار کرنے میں مدد کی تھی۔ ان دنوں برطانیہ کی ایک شہزادی اس مرض میں مبتلا تھی۔ لیڈی میری ورٹلے نے شہزادی کو بھی اس طریقہ علاج سے استفادہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اگست 1722ء میں لندن کی نیو گیٹ جیل میں سات ایسے قیدی جنہیں سزائے موت سنا دی گئی تھی چپک کے مرض میں مبتلا تھے انہیں جب کہا گیا کہ وہ اس طریقہ علاج سے اگر صحت مند ہو گئے تو ان کی سزائے موت کو منسوخ کر دیا جائے تو انہوں نے بخوشی اس طریقہ علاج سے استفادہ کرنا منظور کیا اور وہ صحت مند ہو گئے تھے۔ بعد کے سالوں میں ایڈورڈ چیمبر نے جو لیڈی میری کی وفات کے وقت صرف 13 سال کی عمر کا تھا اس طریقہ علاج کو ترقی دی تھی۔

استنبول سے واپسی پر لیڈی میری ورٹلے نے درباری زندگی کو ترک کر دیا اور اپنے بچوں کی پرورش اور پڑھنے لکھنے پر زیادہ توجہ دی تھی۔ اسی دوران اس نے اپنے ان خطوط کو مرتب کیا جو اس نے اپنے دوستوں کو ترکی سے لکھے تھے۔ لیڈی میری ورٹلے نے مشہور انگریز شاعر الیگزینڈر پوپ کو بھی استنبول سے کئی خط لکھے تھے۔ الیگزینڈر پوپ نے لیڈی میری ورٹلے کی ذہانت اور فطانت کی تحریف کی ہے۔

(41)

1760ء - جیمز باسویل

JAMES BOSWEL

مشہور ماہر لغات سموئیل جانسن کا سوانح نگار جو یورپی ممالک کی سیاحت کے دوران روس سے ملا

بہترین سوانح عمری

جیمز باسویل ایک سکاٹ سوانح نگار تھا۔ وہ ایڈنبرا سکاٹ لینڈ میں 29 اکتوبر 1740ء کو پیدا ہوا۔ اس کی سب سے اہم تصنیف معروف انگریز ادبی شخصیت سموئیل جانسن کی سوانح عمری ہے جسے جدید ادبی تنقید نگاروں نے انگریزی زبان میں لکھی ہوئی سب سے بہترین سوانح عمری قرار دیا ہے (THE LIFE OF SAMUEL

(JONSON

مسلک کی تبدیلی

جیمز باسویل نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ 19 سال کی عمر میں وہ گلاسگو یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے گلاسگو بھیجا گیا۔ ان دنوں وہ گلاسگو میں مقیم تھا اس نے پروفیشنٹ سے کیتھولک بننے کا فیصلہ کیا اور ایک کیتھولک راہب بن گیا۔ جب اس کے والد کو اس کے مسلک کی اس تبدیلی کا علم ہوا تو اس کے والد نے اسے واپس بلا لیا مگر اپنے والد کا حکم نہ مان کر گھر واپس آنے کی بجائے جیمز باسویل لندن کی طرف بھاگ گیا جہاں اس نے تین ماہ بسر کیے اور بعد ازاں اس کے والد نے اسے یہاں سے بھی واپس بلا لیا اور دوبارہ ایڈنبرا یونیورسٹی میں داخل کرادیا۔

30 جولائی 1762ء کو باسویل نے قانون کا زبانی امتحان پاس کیا جس کی وجہ سے اس کے والد نے اس کا

مشاہرہ 200 پونڈ سالانہ کر دیا اور اسے لندن جانے کی اجازت بھی دی۔ لندن میں اسی قیام کے دوران 16 مئی 1763 کو اس کی ملاقات پہلی بار سیموئل جانسن سے ہوئی جس کے بعد ان دونوں میں دوستی ہو گئی۔

جانسن سے اس پہلی ملاقات کے فوراً بعد ہاسویل یورپی ممالک کی سیاحت پر نکل کھڑا ہوا۔ اس کا ارادہ Utrecht Univeraity سے قانون کی ڈگری حاصل کرنا تھا۔ یہیں اس کی ملاقات ایک ولندیزی خاتون ازائیل ڈی چیپرے سے ہوئی جس سے وہ محبت کرنے لگا۔ اگلے دو سال ہاسویل نے براعظم یورپ کے ممالک کی سیاحت میں گزارے۔ اسی سیاحت کے دوران اس کی ملاقات مشہور فرانسیسی مفکر روسو سے ہوئی اور اس نے روم کی سیاحت بھی کی۔ ہاسویل نے کاسمیکا کا سفر بھی کیا اور وہاں کی عظیم شخصیات سے ملاقات کی۔ یورپ کی سیاحت پر اس نے دو کتابیں BOSWELL IN HOLLAND اور ON THE GREAT TOUR لکھیں جو اس کے اس سفر کے سیاحت ناموں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فروری 1766ء میں ہاسویل یورپ کی سیاحت سے واپس لندن لوٹا۔ اس کے ہمراہ مشہور فرانسیسی مفکر کی ایک محبوبہ بھی تھی جس کے ساتھ یورپی سفر کے دوران اس کی بھی آشنائی ہو گئی تھی۔ لندن میں کچھ ہفتہ قیام کے بعد ہاسویل نے اسکاٹ لینڈ کی راہ لی تاکہ قانون کے امتحان میں حصہ لے سکے۔ یہ امتحان پاس کرنے کے بعد وہ ایڈوکیٹ بن گیا اور اس نے قانونی پریکٹس شروع کر دی۔ اس دوران اس کی جانسن سے دوستی بھی جاری تھی اور وہ ہر سال تقریباً ایک ماہ اس کے ساتھ لندن میں گزارتا تھا اور دوسری ادبی شخصیات سے بھی ملتا تھا۔ نومبر 1769ء میں ہاسویل نے اپنی ایک کزن مارگریٹ ٹنکری سے شادی کی۔ یہ شادی 1789ء تک قائم رہی جب اس کی بیوی تپ دق کے مرض سے وفات پا گئی۔

1784ء میں جانسن کی وفات کے بعد ہاسویل لندن میں منتقل ہو گیا تاکہ وہاں کی عدالتوں میں قانونی پریکٹس کر سکے۔ اسی دوران اس نے اپنے دوست جانسن کی سوانح عمری مرتب کی۔ جب 1791ء میں یہ سوانح عمری شائع ہوئی تو ہاسویل کو شہرت و دام حاصل ہو گئی۔ یہ اس عہد میں شائع ہونے والی دیگر سوانح عمریوں سے بالکل مختلف طرز پر لکھی گئی تھی۔ ہاسویل کے اس کام کو بہت سراہا گیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا اس سوانح عمری کو انگریزی زبان میں لکھی گئی سب سے بہترین سوانح عمری قرار دیا گیا۔

تحریک غلامی کی منسوخی میں شمولیت

مئی 1787ء میں ہاسویل نے دیگر ادبی شخصیات کے ساتھ مل کر غلامی کی منسوخی کی تحریک میں حصہ لیا اور اس وقت کے برطانوی وزیراعظم، ولی ولبرفوس پر زور دیا کہ وہ برطانوی دارالعوام میں غلامی کی منسوخی کے لیے قرارداد

پیش کرے، تاہم غلامی کی تہذیب کے مورخ تھامس کلاک سن نے لکھا ہے کہ 1788ء تک تو باسویل نے غلامی کی تہذیب کے لیے کام کیا پھر اس کے نظریات میں تبدیلی آگئی اور وہ غلامی کو بحال رکھنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اس کا ثبوت 1791ء میں باسویل کی نظم NO ABOITION OF SLAVERY ہے جس میں تھامس کلاک کا مذاق اڑایا گیا ہے اور ولبر فورس اور پٹ پرٹنر کی مکتبی ہے۔ 1920ء کی دہائی میں جیمز باسویل کے کچھ کاغذات اور مسودے شمالی ڈبلن کے ایک پرانے قلعے سے دریافت ہوئے جن کی مدد سے اس کی کچھ تصانیف ان اصل مسودوں کے مطابق شائع کی گئیں۔ باسویل کے سیاحت ناموں میں اہم مندرجہ ذیل قرار دیے گئے ہیں:

- (1) AN ACCOUNT OF CORSICA, THE JOURNAL OF A TOUR
- (2) THE JOURNAL OF A TOUR TO THE HEBRIDES WITH
SAMUEL JOHNSON

(42)

1786ء - گوٹے یوہان وولف گانگ وان

VON GOETHE, JOHN WOLFGANG

جرمنی کے مشہور زمانہ ادیب و شاعر کے سفر اطالیہ کی رو بہ اد

گوٹے (1749-1832ء) جرمن شاعر، ڈرامہ نگار اور ناول نویس۔ اس کا ہمہ تن کیر ذہن دیگر علوم بالخصوص سائنس پر بھی حاوی تھا۔ جرمنی کے شہر فراکفرٹ میں بچپن گزارنے کے بعد اس لائپزگ Leipzig اور بعد ازاں سٹراس برگ Stras Bourg میں قانون کا مطالعہ کیا آخر الذکر شہر ہی میں اس نے قانون کے مطالعہ کیا اور یہیں وہ تحریک جوش و خروش Sturm Und Drang کے زیر اثر آیا۔ اسے ڈراما ”برٹکن کابت“ لکھنے پر 1773ء میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ 1772ء میں جب وہ ویٹسلا میں وکیل تھا تو وہ شارلٹ ہوف نامی خاتون کی نامساعد محبت میں مبتلا ہو گیا اس نے اپنے ناول ”نوجوان لڑکے کے آلام“ (The Sorows of Young Werther) لکھ کر ہلا خرابی حالت پر غلبہ پایا۔ اس کا یہ ناول خطوط کی صورت میں ہے اور اس میں مریمناہ حبیب کا اظہار کیا گیا ہے۔

1775ء میں ڈیوک آف سیکس داممار چارلس آگسٹس کی دعوت پر اس کا درباری مقرب بنا اور اس کی یہ حیثیت تاحیات قائم رہی۔ وہ دس برس تک ڈیوک کا وزیر اعلیٰ بھی رہا۔ 1786ء تا 1788ء گوٹے نے اٹلی کا پہلا سفر کیا۔ اسی سفر کے دوران گوٹے کے دل میں کلاسیکی نصب العین کے حصول کا دلولہ پیدا ہوا۔ اس کے ڈرامے Iphigenie and Egmont (1788) تک تو تحریک جوش و خروش کے آثار موجود ہیں لیکن Tauris (1779) اور دیگر ناول خالص کلاسیکیت کی پیداوار ہیں۔ اس کے دو عظیم ناول، ولہلم ماسٹر کا زمانہ شاگردی

اور ”انتخابی روایات“ (1809ء) ذاتی محاسن رکھنے کے علاوہ کرداری اور نفسیاتی جرمین ناول کے راہنما بھی ثابت ہوئے۔

شہرے گوسے کی دوستی کا آغاز 1794ء میں ہوا۔ اس سے دنوں کو چینی تقویت حاصل ہوئی۔ گوسے نے 1808ء میں اپنے شاہکار فاؤنٹس کا پہلا حصہ شائع کیا اور اپنی وفات سے کچھ عرصے قبل اس کو مکمل کر لیا۔ اپنے سفر اٹلی پر گوسے نے Italian Journey کے نام سے ایک سیاحت نامہ یا رپورٹ بھی تحریر کی تھی۔ یہ کتاب دراصل سفر اٹلی کے دوران اس کے مرتب کردہ روزنامے پر مشتمل ہے جو اس نے 1886ء سے 1888ء تک رقم کیا تھا۔ اس کتاب کا جرمن نام Italiani Schi Reis ہے۔ یہ 17-1816ء میں شائع ہوئی تھی اور گوسے کی ڈائریوں یا روزنامے پر مشتمل ہے۔

1786ء کے شروع میں جب گوسے اپنی عمر کے سینتیسویں (37) سال میں تھا اس کے اپنے الفاظ میں وہ اپنے فرائض بطور Privy Councillor سے جان چھڑا کر بھاگ گیا۔ یاد رہے کہ وہ ان دنوں ڈیوک آف وائمار (Duke of Weimar) کا مشیر خاص تھا اور نوجوان درقصر کے الم نامی ناول کی اشاعت سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا۔ مئی 1786ء میں اس نے اٹلی کا سفر اختیار کیا اور اس نے انز برگ (Inns Bruck) اور بریز پاس (Brenner Pss) کے راستے جمیل گیرادا (Lake garada)، ویرونا (Verona)، ویسنا (Vivenza) ونیس، بولوگنا (Bologna) روم اور کوہستان الین (Alban Hill) نیپلز اور سسلی کی سیاحت کی۔ اٹلی کی سیاحت کے دوران اس نے اپنے جرمنی کے دوستوں کو بہت سے خطوط بھی لکھے جو بعد ازاں ”سفر اٹالیہ“ Italian Journey نامی اس کتاب کی بنیاد بنے۔

”سفر اٹالیہ“ میں گوسے نے سفری واقعات کو جیسے ہی وہ رونما ہوئے اسی ترتیب سے پیش کیا ہے اور اس کا انداز تحریر جیسا کہ پہلے ذکر آیا ڈائری یا روزنامے کا سا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں اس نے اس سفر نامے کو اٹلی کے حالات و واقعات پر مرتب کردہ ایک رپورٹ بتایا ہے جس کا انداز تحریر فسانوی ہے۔ گوسے نے خط میں لکھا تھا کہ کراس کا یہ کام اگرچہ حقیقی ہے مگر اس کا انداز پر یوں کی کہانی Fairy Tales جیسا شاعرانہ ہے۔ یہ کتاب اس کے لکھے جانے کے تقریباً تیس سال بعد شائع ہوئی تھی یعنی 1816ء اور 1829ء میں۔ کتاب کا آغاز گوسے نے ایک مشہور اطالوی محاورے سے کیا ہے Etina Arcadia Ego اس لاطینی محاورے کو بہ زبان موت کہا جاتا اور دوسری کئی ادبی شخصیات نے بھی اپنی کتابوں میں یہ رقم کیا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ہر جنت کو انسان کے فانی ہونے نے آزار پہنچایا ہے۔ بہر حال گوسے نے اس محاورے کو ”میں جنت میں جا رہا ہوں“ کے مفہوم میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح گوسے نے اپنے اس سیاحت نامے کے آخر میں مشہور اطالوی ایب و شاعر اڈو Ovid کی ایک شاعرانہ تحریر

سے اقتباس درج کیا ہے جس میں اوڈ نے اپنے روم سے نکالے جانے کا احوال درج کیا تھا۔ یاد رہے کہ اوڈ کو شہنشاہ آگسٹس نے روم سے جلا وطن کر دیا تھا۔

دو سال کی طویل سیاحت کے بعد جب گوسٹے اٹلی سے جرمنی واپس لوٹا تو اس نے اپنی ایک نظم

WE ALL PILGRIMS WHO SEEK ITALY

لکھی تھی۔ گوسٹے کے نزدیک اٹلی یورپ کے جنوبی گرم گوشے کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ جرمنی اور دیگر شمالی یورپی ممالک ایک شمالی سرد جہنم سے کم نہیں تھے۔

گوسٹے تقریباً تین ماہ تک روم میں قیام پزیر رہا تھا۔ روم کو دنیا کا شہر اڈل قرار دیتا ہے۔ اس قیام کے دوران گوسٹے کے ساتھی کچھ لوجوان جرمن معصوم تھے جنہوں نے اپنی تصویروں میں روم کے اہم مقامات کو محفوظ کیا تھا۔ فروری 1887ء سے مئی 1887ء تک گوسٹے نے مشہور اطالوی شہر نیپلز میں قیام کیا اور اس کی سیاحت کی پھر یہاں سے وہ سسلی چلا گیا جو اطالیہ کا ایک مشہور جزیرہ ہے۔ نیپلز کے قریب ہی اٹلی کا ایک مشہور زمانہ کوہ دیوولیس M.Vesuvius واقع ہے۔ گوسٹے نے اس پہاڑ کے دامن میں آباد قدیم شہر پومپئی کی سیاحت بھی کی۔ نیپلز کو گوسٹے نے اطالیہ کی جنت قرار دیا ہے اور اس شہر کی رومانی فضا سے وہ بہت متاثر ہوا تھا۔

(43)

1770ء - جیمز بروس

وہ اسکاٹ سیاح جس نے پہلے یورپی سیاح کی حیثیت سے دریائے نیل کا منبع دریافت کرنے کا دعویٰ کیا

جیمز بروس ایک اسکاٹ سیاح اور سفر نامہ نگار تھا جو 14 دسمبر 1730ء کو اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا اور اس نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ قانون کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ایک شراب کے تاجر کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اس کے خیالات بدل گئے اور وہ ایک قانون دان کی بجائے ایک کاروباری بن گیا۔

اکتوبر 1654ء میں اس کی بیوی کی وفات کے بعد جیمز بروس کو شراب کی تجارت کے سلسلے میں پر نکال اور اسپین کا سفر کرنا پڑا۔ اسپین کی مشہور زمانہ اسکوریا ل لا بیری میں اسے مسلم علماء کی کتابوں کے مسودات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس کے بعد اس نے عربی زبان سیکھی جو اس کے مستقبل کے بنانے میں مددگار بنی۔ 1758ء میں اس کے والد کی وفات کے بعد وہ اپنی آبائی جاگیر، کینارڈ Kinnaird میں منتقل ہو گیا۔

برطانوی سفارت کار

1762ء میں اسپین اور برطانیہ کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جیمز بروس نے اپنی خدمات برطانوی حکومت کو پیش کر دیں اور میرڈل Merrol پر حملہ کرنے کی ایک تجویز پیش کی۔ اگرچہ اس کی یہ تجویز منظور نہ ہوئی مگر اسے لارڈ ہیلی ٹیس نے الجزائر میں برطانوی سفارت کار کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا اور اس ملک کے تاریخی کھنڈرات کے مطالعے کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ الجزائر چھپتا ہوا جیمز بروس نے چھ ماہ تک اٹلی میں قیام کر کے آثار قدیمہ کی سائنس کا مطالعہ کیا۔ مارچ 1763ء میں وہ الجزائر پہنچا۔ الجزائر میں اس کا سارا وقت کونسل کی ذمہ داریاں سنبھالنے میں صرف ہونے لگا۔

بحیثیت طبیب

1765ء میں ایک دوسرا برطانوی سفارت کار الجزائر پہنچا تو جمہور بدوس کو مشرقی الجزائر کے مقام Barbary میں قدیم رومی عمارتوں کے کھنڈرات کا معائنہ کرنے کا وقت ملا۔ اس نے تونس سے طرابلس تک کا خشکی کا سفر کیا۔ اس کے بعد وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر کنڈیا Candia روانہ ہوا لیکن یہ بحری جہاز بن عازی کے قریب سمندر میں غرق ہو گیا اور اسے تیر کر ساحل پر آنا پڑا جہاں سے وہ جزیرہ کریٹ Crete پہنچا اور وہاں سے ایک بار پھر سمندری راستے سے لبنان کی بندرگاہ سیڈان پہنچ کر اس نے شام کی سیاحت کی اور پالمیرا Palmyra اور حلبک کے کھنڈرات کا معائنہ کیا۔ بربری اور مشرقی بحیرہ روم کے علاقے میں اس نے جن تاریخی عمارتوں کے کھنڈرات کا معائنہ کیا۔ اس نے ان کی قلمی تصاویر بڑی احتیاط سے تیار کر لیں۔ اس کے علاوہ شام کی سیاحت کے دوران اس نے مشرقی طم طب کا مطالعہ بھی کیا جس نے اسے مشرق میں بحیثیت طبیب کی جگہ دی۔

جون 1768ء میں وہ مصر کی مشہور بندرگاہ اسکندریہ پہنچا اور اس نے دریائے نیل کے منبع کو دریافت کرنے کا عزم کیا جو اس کے نزدیک ایتھوپیا (حبشہ) میں کہیں واقع تھا۔ قاہرہ میں اس نے مصر کے ملوک حمران علی بے سے اس سلسلے میں مدد چاہی۔ مصر کی سیاحت کے دوران اس نے تھیبز Thebes میں فرعون رمیسس سوم کے مدفن کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد صحرا کو عبور کر کے وہ کویر Koaaelr پہنچا۔ اس جگہ سے وہ ایک ترک مسلمان کے لباس میں جہاز پر سوار ہوا اور مئی 1769ء میں عرب کی بندرگاہ جدہ پہنچا۔ سرزمین عرب کی سیاحت کے بعد وہ ایک بار پھر بحر قزموں کو عبور کر کے مصر میں میساوا پہنچا جو ان دنوں ترکوں کے قبضے میں تھا۔ وہاں سے 14 فروری 1770ء ایتھوپیا کے دارالحکومت میں براستہ سمندر وارد ہوا۔ ایتھوپیا کے اس وقت کے حکمران مینوت دوم Haymanot II نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ ایتھوپیا میں اس نے تقریباً دو سال قیام کیا۔ اکتوبر میں جمہور بدوس دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا۔ اس نے اپنی کتاب Historia De Ethiopia میں پہلے یورپی کی حیثیت سے دریائے نیل کے منبع کی دریافت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سفر کی روئداد اس نے اپنے سفر نامے Travel To The Source Of Nile میں قلمبند کی ہے۔

(44)

1795ء منگو پارک

MUNGO PARK

منگو پارک ایک اسکاٹ سرجن تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز پر شرق الہند کی سیاحت پر نکلا تھا۔ اس نے سامٹرا میں پھیلپس کی آنٹھنی الواغ دریافت کی تھیں اور اس دریافت پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا اور ایک سائنسی جریدے میں شائع کرایا تھا۔ انھیں دنوں سر جوزف بینک نے براعظم افریقہ کے پراسرار دریا، دریائے تاججر کی تلاش کا رکاری کا اعلان کیا ہوا تھا اور انھیں اس اکتشافی مہم کے لیے کسی موزوں محققین کی تلاش تھی۔ منگو پارک کے تحقیقی مقالے نے سر جوزف کو اس کی طرف متوجہ کیا اور منگو پارک نے بھی ان کی اکتشافی مہم پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مئی 1795ء میں وہ اس مہم پر انگلستان سے روانہ ہوا اور جولائی 1795ء میں وہ دریائے گیمبیا کے دہانے پر واقع ایک تجارتی قصبہ پسانیہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ پسانیہ میں قیام کے دوران اسے ایک شدید بخار نے آلیا اور اس وجہ سے وہ کئی ماہ تک اپنی اکتشافی مہم کو جاری نہ رکھ سکا۔ بخار سے صحت یابی کے بعد اس نے افریقی زبان میندگو Mandigo سیکھی اور دریائے تاججر کے بارے میں ضروری جغرافیائی معلومات جمع کیں۔

دسمبر 1795ء میں منگو پارک افریقہ کے اندرونی علاقوں کے اکتشافی سفر پر نکلا۔ اس سفر میں اس کے ساتھی ایک سابقہ غلام جانسن اور ایک حبشی غلام لڑکا تھے۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ ایک افریقی سلطنت میں داخل ہوئے جس کے بادشاہ نے منگو پارک کو مزید آگے سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ آگے رہنے والے وحشی قبائل سے اس کی جان کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا مگر منگو پارک نے اپنی سفر جاری رکھا۔ مسلمان حکمرانوں کے علاقے سے گذرتے ہوئے اسے پیناؤن Benown نامی گاؤں میں گرفتار کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ اس کا غلام لڑکا فروخت کر دیا گیا۔ تین ماہ بعد وہ اس قید سے بھاگ نکلا اور خوش قسمتی سے اسے ایسے لوگوں کی ایک جماعت مل گئی جو ہجرت کر کے دریائے تاججر کے کنارے

آباد قصبہ سیکو کی طرف جاری تھی۔ 20 جولائی 1796ء کو منگو پارک ہلا خورد یا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ دریائے ناخجور یا ئے شیز سے زیادہ چوڑا انہیں تھا نہایت سبک خرامی سے مغرب سے مشرق کی سمت میں بہہ رہا تھا۔

منگو پارک قصبہ سیکو میں کئی دن تک اس امید پر ٹھہرا رہا کہ وہاں کا حکمران شاہ مان سانگ اسے اپنے دربار میں شرف باریابی بخشے گا مگر اس کی یہ امید تو بر نہیں آئی البتہ شاہ مان سانگ نے اسے 5000 کوڑی کی رقم بطور تحفہ بمجبوری جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ چاہتا تھا کہ وہ اس کا علاقہ جلد سے جلد چھوڑ دے۔

سیکو سے روانہ ہو کر منگو پارک نے دریائے ناخجور کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا۔ چھ دن کے سفر کے بعد وہ سلا Silla نامی قصبے میں پہنچا۔ اس قصبے سے آگے منطقہ حارہ کے خطوں میں بارشوں کا زور تھا جو اس علاقے میں سیلاب کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں محسوس کی بہتات ہوئے کی وجہ سے منگو پارک کو پریشانی اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اسے آگے راہزنوں کا خطرہ بھی درپیش تھا اس لیے اس نے مجبوراً واپسی کا سفر شروع کیا مگر واپسی کے سفر میں بھی اسے راہزنوں نے لوٹ لیا اور اس کے پاس پہنچے ہوئے چٹون اور شرٹ کے سوا کوئی اور چیز نہ بچی۔ چونکہ اس نے کچھ رقم اپنے ہیٹ کے نیچے چھپا رکھی تھی اس لیے وہ فاقہ زدگی سے بچ گیا۔

تغیر میں وہ ایک چھوٹے سے قصبے کمالیہ پہنچا اور ایک مرتبہ پھر شدید بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اس مرتبہ اس کی جان غلاموں کے ایک تاجر کی مہربانی نے بچائی۔ وہ اس قصبہ میں سات ماہ تک ٹھہرا اور پھر غلاموں کے ایک کارواں کے ساتھ واپس پانیہ کے لیے روانہ ہوا۔ پانیہ سے اس نے واپس انگلستان کی راہ لی۔ لندن پہنچ کر اسے افریقہ کے اندرونی علاقوں کے اپنے سفر کی روئیداد ایک سفر نامہ کی شکل میں مرتب کی۔ اس سفر نامے کی اشاعت کے بعد وہ انگلستان کا ایک مشہور تلاش کار اور سیاح بن چکا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر افریقہ جا کر دریائے ناخجور کی تلاش کاری کا کام مکمل کرنے کے لیے تڑپ ابھی تک موجود تھی۔ برطانوی حکومت نے مغربی افریقہ میں ایک اکتشافی سفر کی مہم اس کے سابقہ تجربات کی بنیاد پر اس کے سپرد کی اور اسے برطانوی فوج میں کیپٹن کا عہدہ بھی پیش کیا۔

یہ نئی مہم کی روانگی بار بار موخر ہونے کی وجہ سے منگو پارک مئی 1805ء سے پہلے گمبھانہ پہنچ سکا۔ منگو پارک اگر ہوش مندی سے کام لیتا تو اپنی اسی مہم کو موسم برسات کے گزر جانے کے بعد تک موخر کرتا مگر اس پر دریائے ناخجور تک پہنچے کا شوق کا غلبہ تھا اس لیے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اندرون افریقہ کی مہم پر فوراً نکل کھڑا ہوا۔ پانیہ سے نکلنے ہی اس کی جماعت کو شدید بارشوں نے آگھیرا۔ افریقہ کے اس ناقابل برداشت موسم کی وجہ سے اس کے اکثر یورپی ساتھی دائمی پچیش اسہال و طیریا کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے اور سفر کے قابل نہ رہے۔ منگو پارک نے اپنے بیمار ساتھیوں کو پیچھے آرام کرنے کے لیے یا بے یار و مددگار مرنے کے لیے چھوڑا اور وہ باقی لوگوں کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

اگست 1805ء میں ہلا خروہ جب دریائے نامجر تک پہنچا تو اس کی 44 آدمیوں کی جماعت میں سے صرف 10 آدمی زندہ بچے تھے۔

اس باقی ماندہ جماعت نے دریائے نامجر کے نشیبی علاقوں کی طرف سفر شروع کیا اور جلد ہی وہ باماکو Bamaku سے سان سینڈنگ San Sanding کے مقام تک پہنچ گئے۔ اس مقام سے دریا میں سفر کرنے کے کیے ایک بڑی کشتی تیار کی گئی۔ منگو پارک دریائے نامجر کے دہانے تک سفر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے آخری خط میں اپنی بیوی کو لکھا ہم نے ساحل سمندر تک پہنچنے کے لیے سفر شروع کر دیا ہے۔

پھر اگلے پانچ سال تک منگو پارک اور اس کی جماعت کے لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ 1810ء میں منگو پارک کا آخری خط برطانیہ پہنچا تو حکومت برطانیہ نے منگو پارک اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں ایک سینڈگو گائیڈ کو دریائے نامجر کی طرف بھیجا۔ اس گائیڈ نے منگو پارک کے ایک مقامی گائیڈ کو ڈھونڈ نکالا جو منگو پارک کے آخری سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بتایا کہ منگو پارک کی کشتی دریا میں چٹانوں کے درمیان پھنس گئی تھی اور اس جماعت پر مقامی قبائلیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ منگو پارک کی جماعت نے ان حالات میں دریا میں چھلانگ لگا دی اور وہ سب پانی کے اس تیز دھارے میں بہہ گئے۔

(45)

1828ء - واشنگٹن ارونگ

امریکی ادیب واشنگٹن ارونگ اپنی تحریروں سے ایسی بلندی پر پہنچا کہ انگلستان کے ادیبوں کو اس کی رفعت تسلیم کرنا پڑی

• واشنگٹن ارونگ 1783ء میں نیویارک میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ لوہے کے سامان کا ایک تاجر تھا۔ ارونگ چونکہ اپنے بھائیوں بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا، اس لیے وہ اپنی ماں کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت لاڈ و پیار کی فضا میں ہوئی اور اس کی تعلیم اس باضابطہ اور منظم طریقے سے نہیں ہوئی جیسی اس کے دوسرے بھائیوں کی ہوئی۔ ارونگ اگرچہ اسکول کی پڑھائی پر کبھی توجہ نہیں دیتا تھا مگر اپنے طور پر وہ ہر طرح کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اسے نظم و نثر دونوں چیزیں لکھنے کا شوق بھی تھا۔ چنانچہ سولہ برس کی عمر سے پہلے ہی اس نے کچھ نظمیں اور ایک ڈرامہ لکھا تھا۔ 1803ء اور 1804ء میں وہ امریکہ کے مختلف علاقوں کی سیاحت پر نکلا۔ اس دوران اس کی نسبت ایک امریکی دوشیزہ سے ہوئی لیکن 1809ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس غم میں واشنگٹن ارونگ نے کبھی شادی نہیں کی اور اپنی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت اور تصنیف و تالیف میں بسر کیا اور اسی کی بدولت شہرت دوام پائی۔

واشنگٹن ارونگ کا زمانہ سیاحت 1803ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا تخلیقی دور بھی تھا۔ اس دور کے آغاز کے بعد واشنگٹن ارونگ نے یورپ کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی پر کئی ایسی چیزیں لکھی جنہوں نے اسے نہ صرف امریکی ادب میں مستقل حیثیت دی بلکہ بیرونی دنیا میں بھی وہ بڑا معروف ہوا۔ اسی زمانہ میں واشنگٹن ارونگ نے ایک فرضی نام سے نیویارک کی تاریخ بھی لکھی تھی۔ اس کتاب کو امریکی ادب کا ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ ارونگ کی تصانیف کے تیسرے دور یا گروہ میں اس کی وہ تخلیقات شامل ہیں جو ہسپانیہ کے سفر کے متعلق ہیں۔ اس کی مشہور کتب ”الحرام کی داستانیں“ اسی گروہ میں شامل ہیں۔ چوتھے اور پانچویں گروہ کی کتابوں کا موضوع مغربی امریکہ کی زندگی ہے۔

26-1825ء میں واشنگٹن ارونگ نے چین کا سفر کیا اور بعد ازاں وہ میڈرڈ میں امریکی سفارت خانے سے

منسلک رہا اور اس نے ہسپانوی موضوعات پر لکھنا شروع کیا مثلاً کولمبس کی سوانح عمری، فتح نامہ غرناطہ (The Conquest of Granada) اور قصص الحمراء۔ قصص الحمراء واشٹنٹن ارونگ کے سفر غرناطہ کی یادگار ہے۔ یہ کتاب 1832ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کو ارونگ نے ایک خط کی صورت میں اپنے ایک دوست ڈیوڈ ولکی کے نام معنون کیا تھا جو الحمرا کی رومانی مہمات میں اس کا شریک اور ہم سفر تھا۔ اس کے نام ایک خط میں واشٹنٹن ارونگ نے لکھا تھا: محترم دوست! آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے ہسپانیہ کے بعض قدیم شہروں خصوصاً طلیطلہ، اشبیلیہ کی سیاحت کرتے ہوئے محسوس کیا تھا کہ اس پر مسلمانوں کی تہذیب کا رنگ چڑھا ہوا ہے جو موروں (مسلمانوں) کے عہد کی یادگار ہے۔ ان شہروں کے کوچہ بازار میں گھومتے پھرتے ہماری نظریں بار بار ایسے مناظر اور واقعات سے دوچار ہوئی تھیں جن سے الف لیلہ کی داستانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان مسلم یادگاروں و دیکھ کر ایک دن آپ نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں کوئی ایسی چیز لکھوں جس کا اسلوب ہارون الرشید انداز کا مظہر ہو اور جس میں عرب روایت کی وہ لذت ہو جس سے ہسپانیہ کی ہر چیز سرشار ہے۔ اس فرمائش کو ارونگ نے غرناطہ کی سیاحت کے دوران اپنی کتاب قصص الحمراء کے مواد اکٹھا کر کے کیا۔ ارونگ کو الحمرا اور اس کی سرزمین سے گہرا جذباتی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا اظہار الحمرا کی داستانوں میں قدم قدم پر ہوتا ہے۔ واشٹنٹن ارونگ نے لکھا تھا کہ غرناطہ پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ الحمرا کے مشہور تاریخی قصر کی زیارت کو نکلا تھا۔

غرناطہ پہنچنے کے اگلے دن وہ اور اس کا دوست ڈیوڈ ولکی غرناطہ کے اس شاہی محل کی زیارت کی اس دلچسپ مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ غرناطہ کے اس مشہور چوک سے گذر کر جس سے مسلمانوں کے عہد میں بازی گاہ کا کام لیا جاتا تھا انھوں نے آسقا تین پر چلنا شروع کیا۔ اسلامی عہد میں یہ غرناطہ کا ”سوق الکبیر“ یا بڑا بازار تھا اور یہاں کی تنگ گلیاں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں پر اب تک مشرقی رنگ چھایا ہوا تھا۔ حاکم شہر کے محل کے سامنے والے میدان سے ہوتے ہوئے وہ ایک ایسی تنگ اور بچ دار گلی میں پہنچے جسے دیکھ کر غرناطہ کے عہد شجاعت کا یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اس گلی کا نام ”سکۃ القمارش“ تھا۔ یہ عرب کے ایک ایسے گھرانے کے نام پر معنون تھی جس کا ذکر غرناطہ کی تاریخ وار گیتوں میں بار بار آتا ہے۔ اس گلی نے واشٹنٹن ارونگ کے ساتھ ساتھ کبیر تک پہنچایا۔ باب کبیر چارلس پنجم کا بنوایا ہوا یونانی طرز تعمیر کا وہ شاعرانہ چھانک ہے جس سے گذر کر الحمرا کی حدود میں داخل ہوا جاتا ہے۔ یہاں ایک بوڑھے سپاہی سے واشٹنٹن ارونگ کی ملاقات ہوئی جس نے بتایا کہ الحمرا کے متعلق اس سے زیادہ واقف بھلا کون ہو سکتا ہے کیونکہ وہ الحمرا کا فرزند ہے۔

قصص الحمرا Tales of Alhamra میں واشٹنٹن ارونگ نے مسلمانوں کے عہد رفتہ کی طلسمی زندگی پر پڑے ہوئے پردے اٹھا کر بے تکلفی سے آئندہ زمانے کے سیاحوں کو الحمرا کے ایوانوں کی سیر کرائی ہے۔ ان ایوانوں

کے طلسم کو اپنے سینے میں بٹا کر اس نے اپنے آپ کو ان کی رنگینیوں میں ڈبو دیا ہے اور اس کے بعد الحمرا کی وہ حسین داستانیں لکھی ہیں جو نغمہ و رومان بن کر ہمارے ذہنوں میں ابھرنے لگتی ہیں۔ الحمرا کی ان کہانیوں میں دانشکتن ارونگ نے رومان اور تخیل کو ہر قدم اپنے ساتھ رکھا ہے اور ہر قدم پر وہ قاری کو یقین دلاتا ہے کہ اسے جو کہانیاں سنائی جا رہی ہیں انہیں سچی جاننے میں اسے کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی یہی یقین دہانی اس کتاب کو لافانی بناتی ہے۔

امریکہ واپس آنے پر اردنگ نے مغربی امریکہ کے متعلق ”گیا ہستانوں کا دورہ، کپتان بونول کی مہمات“ اور ”رپ وان وکل“ اور ”خواہیدہ وادی کی داستان“ جیسے شاہ کار تخلیق کیے تھے۔

(46)

1826ء - رفاعۃ رافع الطہطاوی

جدید دور کا عرب سیاح جو مغربی یورپ کی سیاحت پر پیرس پہنچا

رفاعۃ رافع الطہطاوی ایک مصری ادیب، مؤرخ، استاد، مترجم اور سیاح تھا۔ اس نے 1826ء سے 1831ء تک پیرس میں قیام کیا اور اپنے مغربی یورپ کے اس سفر کی یادداشتیں ”راحلۃ“ کے نام سے A Journey To Paris میں مرتب کیں۔ رفاعۃ ان اولین مصری ادیبوں میں سے ایک تھاجس نے مغربی یورپ کی تہذیب کے بارے میں لکھا اور مسلم اور عیسائی تہذیبوں کے دوران تفہیم پیدا کرنے کی کوشش کی۔

طہطاوی 1801ء میں مصر کے ایک قصبے طہطا میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے طہطاوی کہلایا۔ اس نے قاہرہ کی مشہور اسلامی یونیورسٹی جملہ الا زہر سے تعلیم پائی۔ 1826ء میں مصر کے حکمران محمد علی پاشا نے مصری طالب علموں کے ایک گروپ کو پیرس اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھجوا دیا۔ طہطاوی کے ازہری استاد حسن العطاری نے طہطاوی کو اس گروپ کا سربراہ یا امام مقرر کر کے اسے بھی پیرس بھجوا دیا۔ اس دور میں مصری طالب علموں کے کئی گروہ پیرس بھجوائے گئے تاکہ آرٹ و سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ٹیکنیکل شعبوں، پرچنگ، جہاز سازی اور دیگر سائنسی امور کو سنبھال سکیں۔ طہطاوی کے سفر نامہ ”راحلۃ“ کے مطابق طہطاوی نے پیرس میں اخلاقیات Ethics اور سیاسی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور علم ریاضی میں ڈگری حاصل کی۔ مغربی فلاسفہ، المنیر، روسو اور کوپٹر الک کا مطالعہ کیا اور تقریباً پانچ سال پیرس میں رہا۔

طہطاوی 1831ء میں پیرس سے اپنے وطن واپس لوٹا اور مصر کو تعلیم اور دیگر شعبوں میں جدید بنانے کی کوششوں میں اس نے شمولیت اختیار کی۔ اس سلسلے میں اس نے جدید مغربی یورپی زبانوں کو پڑھانے کے لیے 1835ء میں School of Languages نامی ادارے کی بنیاد رکھی جس کو ”مدرستہ الترجمہ“ بھی کہا گیا۔ یہ اسکول بعد ازاں 1973ء میں مصر کی عین القسطنطنیہ یونیورسٹی کا ایک حصہ قرار پایا۔ اسی اسکول میں مصر کے اولین جدید دانشمندان

نے تعلیم پائی اور مصر میں تعلیمی ماحول تخلیق پایا۔ طہطاوی نے سیاسی فلسفہ پر کام کیا اور اس کی تین تصانیف اخلاقی اور سیاسی فلسفہ پر مبنی ہیں۔ ان تصانیف میں اس نے مصری معاشرے کو سیاسی حقوق اور آزادی رائے و تحریر و تقریر کی تعلیم دی۔ طہطاوی کے اس کام سے مصر میں علمی نشاط ثانیہ کا آغاز ہوا جو 1840ء سے 1940ء تک جاری رہی۔ اس نے 1873ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔ طہطاوی کو مصر میں اسلامی جدیدیت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ان اسلامی جدت پسندوں میں سے ایک تھا جنہوں نے اسلامی اصول کو یورپی سماجی فکر سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ طہطاوی کو 1826ء میں خدیو مصر محمد علی پاشا نے جدید تعلیم کے حصول کے لیے پیرس بھجوا دیا تھا، اس نے وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کیا اور وہ 1831ء میں واپس مصر لوٹا اور اسکول آف لینگویجیو کا ڈائریکٹر قرار کیا گیا۔ اسی اسکول کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس نے کئی یورپی مصنفوں کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبانوں میں کیا۔ جغرافیہ، تاریخ اور فوجی ہدایت نگاری جیسے مضامین کی کتابیں شامل تھیں۔ اس طرح تقریباً 2000 یورپی تصانیف کو طہطاوی کی سربراہی میں عربی میں منتقل کیا گیا۔ طہطاوی کی اپنی تصنیف میں A Paris profile اس کا سفر نامہ ”راحلہ“ اور دیگر کئی اہم کتب شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے The History of Ancient Egypt کو ترجمہ کیا تھا جو 1838ء میں شائع ہوئی تھی۔

(47)

1810ء لیڈی ہیسٹر شٹین ہوپ

LADY HESTER LUCY STAN HOP

فلسطین کی مقدس سرزمین کی طرف بھی جانے والی پہلی مهم آثار قدیمہ کی کھدائی کی برطانوی قائد

لیڈی ہیسٹر شٹین ہوپ ایک انگریز خاتون تھی جو ایک برطانوی سماجی کارکن، سیاح اور ماہر آثار قدیمہ تھی۔ اس نے 1815ء میں فلسطین کی مقدس سرزمین کی طرف بھی جانے والی پہلی مهم آثار قدیمہ کی کھدائی کی قیادت کی تھی۔

بہترین مہمان نواز

لیڈی ہیسٹر شٹین ہوپ، چارلس شٹین ہوپ، تیسرے ارل آف شٹین ہوپ کی بڑی صاحبزادی تھی۔ وزیراعظم برطانیہ ولیم پٹ پیگراس کے چچا تھے۔ 1802ء میں ان کے گھریلو امور کی سربراہ مقرر ہوئی کیونکہ یہ وزیراعظم برطانیہ غیر شادی شدہ تھے۔ وہ دیگر گھریلو امور سنبھالنے کے ساتھ ساتھ مہمانوں کی آؤ بھگت کا بھی خیال رکھتی تھی اور مہمانوں سے گفتگو کرنے میں اس نے بڑی شہرت پائی۔

ترک مردوں کا لباس چننے، دستار پہننا اپنے لیے پسند کیا

اپنے چچا ولیم پٹ کی وفات کے بعد لیڈی ہیسٹر شٹین ہوپ نے 1810ء میں ایک طویل سمندری سفر پر نکلے۔ وہ اور اس کے ساتھی اس سفر میں پہلے ایتھنز پہنچے اور پھر وہاں سے استنبول پہنچنے کے بعد قاہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان دنوں مصر پر مصریوں کا پارٹ کے حملے کے اثرات ابھی باقی تھے۔ قاہرہ جاتے ہوئے ان کے بحری جہاز کو ایک سمندری طوفان نے گھیر لیا اور وہ بحرہ روم میں جزیرہ روڈس Rhodes کے قریب ڈوب گیا۔ اس حادثے میں لیڈی ہیسٹر شٹین ہوپ اور اس کے ساتھیوں کا بہت سا سامان جہاز کے ساتھ ڈوب گیا جس کی وجہ سے لیڈی

اور اس کے ساتھیوں کو ترکوں کے بلبوسات پہننے پر مجبور ہونا پڑا۔ تاہم لیڈی ہوپ نے ترکی کی خواتین کا بارود لباس اور نقاب پہننے کی بجائے ترک مردوں کا لباس جفتہ، دستار پسند کیا۔ پھر جب جزیرہ روڈس سے ایک دوسرا برطانوی جہاز ان کو قاہرہ لے گیا تو لیڈی نے ایک نیا مرغوانی تھم لین لباس خرید لیا اور اسی لباس میں وہ خدرو مصر محمد علی پاشا سے ملیں۔

ملکہ ہیسٹر کے نام سے مشہوری

قاہرہ سے وہ دمشق و سطلی کے دیگر علاقوں کی سیاحت پر نکلیں۔ دو سال کے عرصے میں اس نے جبرالٹر، مالٹا، روڈس، پہلوپونیز، ایتھنز، قسطنطنیہ، مصر، فلسطین، لبنان اور شام کی سیاحت کی۔ عرب ممالک کی سیاحت کے دوران اس نے دمشق جیسے قدیم عرب شہر میں نقاب پہننے سے انکار کر دیا۔ یروشلم میں اس کے اعزاز میں Church of the Holy Sepulche دوسرے زائرین سے فارغ کرا کے دوبارہ کھول دیا گیا۔ ایک نجومی کی پیش گوئی پر کہ اس کے مقدر میں ایک نئے صبح کی دہن بننا لکھا ہے لیڈی ہیسٹر نے عرب میں وہابیوں کے سربراہ ابن سعود سے جو موجودہ سعودی خاندان کے اولین سربراہ بھی تھے، شادی کی رسمی بات چیت کی۔ اپنی سیاحت مشرق وسطیٰ کے دوران لیڈی نے پالمیرا Palmyra کے قدیم شہر کی سیاحت پر اس راستے سے جانے کا فیصلہ کیا جس میں ایک صحرا پڑتا تھا اور جہاں بدوی لٹیرے قبائل رہتے تھے۔ اس سفر کے دوران لیڈی نے بدوی لباس زیب تن کیا اور صحرا کے اس سفر میں اپنے کارواں کو جو 22 ادنوں پر مشتمل تھا، ساتھ لے کر کامیابی سے یہ سفر مکمل کیا۔ اس سفر کے بعد وہ ملکہ ہیسٹر Queen Hester کے نام سے مشہور ہو گئی۔

خزانے کی تلاش

لیڈی ہیسٹر کے ایک سوانح نگار نے لکھا ہے کہ لیڈی کو شام کی سیاحت کے دوران شام کی ایک قدیم مسیحی خانقاہ سے ایک قدیم اطالوی مسودہ یا دستاویز ملی تھی جس کے مطابق اشکلان کی ایک ویران مسجد کے کھنڈرات کے نیچے ایک بڑا خزانہ دفن تھا۔ اس اطالوی مسودے میں دیے گئے ایک نقشے کی مدد سے لیڈی غزہ کے شمال میں بحرہ روم کے ساحل کے قریب واقع مقام اشکلان Ashkelon پہنچی اور اس نے ترک حکام سے اس مقام پر آثار پاتی کھدائی کرنے کی اجازت طلب کی۔ ترک حکام نے گورنر جانہ ابونوت کو لیڈی کے ساتھ بھیجا۔ یہ فلسطین کی سرزمین پر پہلی آثار پاتی کھدائی تھی جو لیڈی ہیسٹر شین ہوپ کی سربراہی میں کی گئی۔

ترک سلطان کی خوشنودی کے لیے مجسمہ کی بت شکنی

لیڈی ہیسٹر شین ہوپ کو اس کھدائی سے اگرچہ تیس لاکھ سونے کے سکوں کا وہ اطالوی مسودے میں بتایا گیا خزانہ تو نڈل سکا البتہ اس کھدائی سے سنگ مرمر کا ایک بے سر مجسمہ دریافت ہوا۔ لیڈی ہیسٹر شین ہوپ نے ترک سلطان

کو اپنی بت شکنی سے خوش کرنے کے لیے اس مجسمے کو ٹکڑے ٹکڑے کروا کر سمندر میں پھینکوا دیا۔ یہ مجسمہ فلسطین میں دریافت ہونے والے یونانی اور رومی آثار کا اولین نمونہ تھا۔ لیڈی ہسٹر کی اس سفری مہم میں شریک اس کے طبیب اور سوانح نگار ڈاکٹر میریون نے اس مجسمے کو اسکندر اعظم کے کسی جانشین یا ہیرو اعظم فلسطین کا مجسمہ قرار دیا اور اس مجسمے کی دریافت پر وہ بڑا خوش ہوا مگر لیڈی اس کی اس خوشی میں شریک نہ ہوئی کیونکہ لیڈی کو خطرہ تھا کہ فلسطینی حکام اس پر آثار یا قیاسی اشیا کو چرانے اور تلاش کرنے کا الزام نہ لگا دیں۔

لیڈی ہسٹر شین ہوپ نے بعد ازاں لبنان کے شہر سیڈان میں رہنے کا فیصلہ کیا جو آج کل بیروت اور قدیم شہر صور Tyre کے درمیان واقع تھا۔ اپنے طبیب میریون کے انگلستان واپس لوٹ جانے کے بعد لیڈی ہسٹر شین ہوپ نے ایک قدیم خانقاہ میں رہائش اختیار کر لی اور وہ اپنی وفات تک اسی خانقاہ میں مقیم رہی۔ 1846ء میں لیڈی ہسٹر شین ہوپ کی وفات کے بعد اس کے طبیب اور سوانح نگار ڈاکٹر میریون نے لیڈی کا سفر نامہ تین جلدوں میں Memories of Lady Hester کے نام سے مرتب کیا۔

(48)

1815ء جان لوئیخس برکھارڈٹ

JOHN LUDWIG BURKARDT

یورپ کا وہ مشہور و معروف سیاح عرب و شیخ ابراہیم عبداللہ الحركات کے نام سے معروف ہوا

عرب کے یورپی سیاحوں کا بادشاہ

مسلمانوں کی ارض مقدس، حجاز میں یورپ کے سیاحوں نے سب سے پہلے سترہویں صدی میں بطور سیاح قدم رکھا تھا۔ سترہویں صدی سے انیسویں صدی تک کم و بیش بائیس سیاحوں نے اس مقدس سرزمین کی سیاحت کی اور یہاں کے چشم دید حالات سے اہل یورپ کو آگاہ کیا۔ ان یورپی سیاحوں میں سوئس سیاح جان لوئیخس برکھارڈٹ سب سے ممتاز شخصیت ہے۔ اس کو اہل یورپ ”عرب کے یورپی سیاحوں کا بادشاہ“ کہتے ہیں۔ ایک مشہور مستشرق ڈاکٹر زویمر نے اپنی معروف تصنیف ”Arabia Cradle of Islam“ میں عرب کے یورپی سیاحوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ برکھارڈٹ کا ”سفر نامہ حجاز“ سب سے زیادہ معتبر و مستند اور عالمانہ ہے۔

سیاحت کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا

خدیو مصر عباس طہی پاشا ثانی نے بھی اپنے سفر نامہ حجاز میں لکھا ہے کہ برکھارڈٹ وہ قابل ذکر یورپی شخصیت ہے جس نے سب سے پہلے عرب ممالک کی سیاحت کی اور اس مقصد کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ عرب دنیا میں وہ سب سے پہلے مصر آیا اور اس نے مسلمان ہونے کے دعوئی کے ساتھ اپنا نام جان لوئیخس سے شیخ ابراہیم بن عبداللہ البرکات اختیار کیا۔ عربی زبان سیکھی اور پھر صحرائے عرب کا سفر کیا۔ اس سفر کے متعلق ایک کتاب لکھی جو تمام یورپی سفر ناموں پر اے عرب میں بہترین ہے اور اس میں عرب تمدن و معاشرے کے بارے میں جو لکھا ہے وہ بہت زیادہ بہتر اور مفید و کارآمد ہے۔

جان لوئیس برک ہارڈٹ ایک سیاح، ایک جغرافیہ دان اور مستشرق تھا اس نے عرب دنیا کے سفر کے دوران خطوط فرانسیسی زبان میں تحریر کیے اور اپنے دستخطوں میں لڈوگ Ludwig کی بجائے Louis لکھا ہے۔ جان لوئیس برک ہارڈٹ 1784ء میں سویٹزر لینڈ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے سفر نامہ حجاز کے علاوہ اردن کے قدیم ساحلی شہر پٹیرا Petra کے کھنڈرات کی دریافت کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ جرمنی کے شہر یسپ زیگ کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد برک ہارڈٹ نے انگلستان کا سفر کیا اور 1806ء میں یہاں سول سروس حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مگر کیمبرج یونیورسٹی سے طبابت اور جراحی اور عربی زبان میں ڈگریاں حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

اسی زمانے میں براعظم افریقہ کی تحقیقات کے لیے لندن میں ایک سوسائٹی افریکن ایسوسی ایشن وجود میں آئی تھی۔ برک ہارڈٹ نے تعلیم سے فراغت حاصل کر کے اس سوسائٹی میں ملازمت کر لی۔ اس سوسائٹی کے ممبر نے سوڈان کے حالات اور دریائے نیل کے منبع کی تحقیقات کے لیے اس کو مامور کیا۔ وہ اس مہم پر 1809ء میں انگلستان سے روانہ ہوا۔ سوسائٹی کی ہدایات ہر عمل کرتے ہوئے اس نے عربی زبان کی تکمیل کی اور اسلامی عوم کی تحصیل کے لیے شام آ کر دو سال قیام کیا اور اس عرصہ کے دوران یہاں کے تمام مشہور مقامات مثلاً حلب، دمشق، پالمیرا، بیت المقدس اور لبنان وغیرہ کی سیاحت کی۔ 1813ء میں وہ شام سے مصر کے لیے روانہ ہوا اور قاہرہ پہنچ کر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد دریائے نیل کے راستے لوہہ چلا گیا۔ یہاں سے صحرائے لوہہ کو عبور کر کے سواکن آیا اور بحری جہاز میں سوار ہو کر 18 جولائی 1814ء کو بندر گاہ عرب جدہ پہنچا۔ جدہ سے اس نے طائف کا سفر کیا اور طائف سے وہ مکہ پہنچا۔ مکہ مکرمہ میں مناسک حج ادا کر کے یہاں تقریباً دو ماہ قیام پذیر رہا اور پھر 1815ء میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر بیمار پڑ گیا جس کے باعث اسے کئی ماہ تک المدینہ المنورہ میں قیام کرنا پڑا پھر جب صحت ہوئی تو وہاں سے بنوع آیا اور بنوع سے جہاز میں سوار ہو کر جزیرہ نمائے سینا چلا گیا اور وہاں سے سویز کے راستے 1815ء کے وسط میں قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ میں برک ہارڈٹ کا قیام دو سال رہا۔ 1817ء میں اس نے سوڈان جا کر دریائے نیل کے منبع تک سفر کرنے کا ارادہ کیا مگر اس مہم پر روانگی سے پہلے ہی وہ وفات پا گیا۔ 15 اکتوبر 1817ء کو اس نے قاہرہ میں اسلامی وضع قطع میں انتقال کیا۔ مسلمانوں نے اس کی لاش کو قرائہ کے باب الفتوح میں شیخ پولس کے مقبرے کے قریب دفن کیا اور اس کے لوح مزار پر اس کا اسلامی نام کندہ کرایا:

”ایمیریم بن عبداللہ یورک ہارڈٹ“

بعد ازاں مصر کے عوام نے اسے ایک مسلمان درویش سمجھتے ہوئے اس کی قبر پر ایک قبہ تعمیر کرایا اور اس کا نام

”ایمیریم برکات یا شیخ ابوالبرکات“ رکھ دیا

برک ہارڈٹ نے اپنے عرب دنیا کے سلسلہ سیاحت کو تین سلسلوں میں قلم بند کیا ہے۔ پہلا سلسلہ شام اور فلسطین کی سیاحت کے متعلق ہے اور ایک جلد میں 1821ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا سلسلہ بلاد قویہ اور مشرقی افریقہ کی سیاحت کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کا یہ سفر نامہ Tavel in Nuba کے نام سے ایک جلد میں 1819ء میں شائع ہوا تھا۔

تیسرا سلسلہ حجاز اور مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ کی سیاحت اور اس کے فریضہ حج کی ادائیگی کے بارے میں ہے جو Travels in Arabia کے نام سے 1829ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے دو ضخیم جلدوں میں بدویوں اور وہابیوں کے حالات Notes on Bedouins & Whabys کے نام سے لکھے تھے جو 1831ء میں طبع ہوئے تھے۔ ایک تعزیف عربی کے ضرب الامثال کے بارے میں لکھی تھی جو 1831ء میں شائع ہوئی تھی۔

برک ہارڈٹ کے سفر ناموں میں مکہ اور مدینہ منورہ یا سفر نامہ حجاز سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس میں ان شہروں کے حالات کے علاوہ عربوں کی طرز معاشرت، رسم و رواج کے گزشتہ حالات اور ایام حج کے کوائف درج ہیں۔

(49)

1853ء سر رچرڈ فرانسس برٹن

وہ عظیم مستشرق جس نے عرب دنیا کی سیاحت اور مناسک حج ادا کر کے شہرت پائی

ایک انگریز مستشرق، جغرافیہ نگار، مترجم اور سیاح۔ وہ اپنے امریکہ، ایشیا اور افریقہ اور عرب دنیا کے سیاحتی دوروں اور اکتشافی سفروں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج سے تعلیم پائی اور کچھ عرصہ ہندوستان میں برطانوی فوج میں ملازم رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ایشیا اور افریقہ کے اسلامی ملکوں کی سیاحت میں بسر کیا اور ان ممالک کے متعلق بہت سی مفید اور دلچسپ معلومات اپنے سفر ناموں میں قلم بند کیں۔

عربی بھیس میں ناسک حج کی ادائیگی

اس نے ایک عرب کے لباس میں اسلامی نام اختیار کر کے 1853ء میں حجاز کا سفر کیا اور مناسک حج بھی ادا کیے۔ واپسی پر اپنے مشاہدات ایک سفر نامے کی صورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ سر رچرڈ برٹن کا ایک اور علمی کارنامہ ”الف لیلی“ کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے جو اس نے 16 جلدوں میں مکمل کیا تھا۔

مختلف زبانوں میں مہارت

سر رچرڈ فرانسس برٹن 19 مارچ 1821ء کو انگلستان میں پیدا ہوا۔ اسے مسیحی رسومات کے مطابق 2 ستمبر 1821ء کو بپتسمہ دیا گیا۔ اس کا والد ایک اینگلو آئرش فوجی افسر تھا۔ اس کے خاندان نے 1825ء میں فرانس کے شہر ٹورز Tours میں رہائش اختیار کر لی تھی اور یوں کچھ عرصہ اس کا خاندان فرانس اور انگلستان کے درمیان سفر کرتا رہا۔ برٹن نے 1840ء میں ٹرنٹی کالج سے میٹرک کیا اور 1842ء میں اس نے برطانوی فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور ہندوستان آ گیا۔ اسے بمبئی انٹرنی میں سر چارلس بھیر کی سربراہی میں کجرات میں کام کرنا پڑا۔ ہندوستان میں قیام

دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفر نامے
 کے دوران اس نے مختلف ہندوستانی زبانیں سیکھیں جن میں سندھی، پنجابی، گجراتی اور سرائیکی شامل تھیں اس کے علاوہ
 اس نے عربی اور فارسی زبانوں پر بھی دسترس حاصل کی۔

اپنی سیرانی طبیعت کی وجہ سے رچرڈ برٹن نے رائل جغرافیہ کل سوسائٹی سے اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے
 بورڈ آف ڈائریکٹر سے 1852ء میں سرزمین عرب کی سیاحت کی اجازت لی اور وہ حج کے سفر پر روانہ ہو گیا 1853ء
 میں کیا گیا حج کا یہ سفر رچرڈ برٹن کے لیے باعث شہرت بنا۔ اس نے پہلے سندھی مسلمانوں کے ہمیں میں حج کا سفر کرنے کا
 منصوبہ بنایا تھا کیونکہ وہ کچھ عرصہ ہندوستان میں قیام کے دوران سندھ میں بھی رہا تھا مگر اس سفر کے دوران اسے کافی
 بھیس بدلنے پڑے۔

رچرڈ برٹن کا سفر مکہ ایک خطرناک سفر تھا اور سرزمین عرب میں اس کے کاروان پر لٹریوں کے حملے بھی ہوئے
 جو اس زمانے میں قافلہ جہاز پر ایک عام حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر اس کے عیسائی ہونے کا پتہ چل جاتا اور
 اس کی قلعی کھل تو حرم کی سرزمین میں داخل ہونے والے غیر مسلموں کی طرح اسے بھی سزائے موت دی جانی تھی مگر
 خوش قسمتی سے رچرڈ برٹن کا یہ راز افشاء نہ ہوا اور حج کے بعد وہ ”حاجی“ کہلایا۔ اپنے سفر حج کی روئیداد اس نے اپنے سفر
 نامے

A personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Madina & Mecca

میں قلم بند کی ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سفر نامہ دارالمصطفیٰ کے نام سے چھپا تھا۔

آدم خور قبائل کا سامنا

1855ء میں رچرڈ برٹن اور اس کا ایک ساتھی کیپٹن جے۔ اے۔ سپیک جو اسی کی طرح ہندوستان میں
 برطانوی فوج میں خدمات انجام دے چکا تھا دونوں دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلے۔ جون 1875ء میں وہ
 مشرقی افریقہ کے ملک زنجبار پہنچے۔ یہی ان کی اس مہم کا نقطہ آغاز تھا۔ زنجبار سے دو کئی ماہ کے پیدل سفر کے بعد قاضی
 نامی ایک قصبے میں پہنچے۔ یہ قصبہ زنجبار میں عربوں کا ایک اہم مرکز تھا۔

قاضی میں شام کے دوران جب وہاں کے عرب باشندوں کو ان کی اس مہم کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں
 نے ان دونوں مہم جوؤں کو بتایا کہ وہ دریائے نیل کے منبع یعنی جس جمیل کی تلاش میں نکلے ہیں وہ ایک نہیں بلکہ تین جھیلیں
 ہیں۔ عربوں نے مزید بتایا کہ ایک دریا جو اس جمیل سے نکلتا ہے اس کا نام دریائے روزی Rrzuzy ہے۔ وہی
 دریائے نیل کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اس منبع نیل تک سفر کرتے ہوئے ان دونوں کو بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑا جن میں
 سے ایک آدم خور قبائل کا سامنا بھی تھا۔ قاضی سے روانہ ہو کر 25 دن کے مسلسل سفر کے بعد وہ ایک جمیل تک پہنچے اور اس

کا نام انھوں نے جمیل Nyanza رکھا۔ بعد ازاں اس کا نام جمیل و کنور یہ پڑ گیا۔ دراصل یہ سر چرچ ڈبرٹن کے ساتھی کیپٹن سپیک نے دریافت کی تھی۔
تحقیقی مناظرے کا اہتمام

فروری 1863ء میں یہ دونوں انگلستان واپس آ گئے۔ اسی سال سپیک کی کتاب ”سرچشمہ دریائے نیل کی تلاش میں“ شائع ہوئی۔ اس طرح دریائے نیل کے منبع کی تلاش کا معہ حل ہو گیا مگر چرچ ڈبرٹن نے سپیک کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا۔ آخر برٹش ایسوسی ایشن نے ان دونوں سیاحوں کے درمیان ایک تحقیقی مناظرہ کرانے کا اہتمام کیا مگر اس سے صرف ایک دن پہلے سپیک تیزوں کا کار کھیلے ہوئے خود اپنی ہی بندوق سے مارا گیا یا شاید اس نے خودکشی کر لی۔ کہتے ہیں۔ سر چرچ ڈبرٹن نے اس پرتو کی تھی کہ جب وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو پھر ایک جھوٹے شخص سے مناظرہ کیوں کر رہا ہے۔ یوں ایک جھوٹا مناظرہ کرنے کی بجائے سپیک نے خودکشی کر لی۔

”سر“ کا خطاب

سر چرچ ڈبرٹن عربی زبان کا ماہر تھا اور اس نے مشہور عربی کتاب الف لیلیٰ کا بڑا سلیس ترجمہ کیا تھا۔ اس کے اس ترجمے کو آج بھی نقاد بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سر چرچ ڈبرٹن کو اس کی اس علمی خدمت پر برطانوی حکومت نے ”سر“ کا خطاب دیا تھا۔

(50)

1875ء چارلس مونٹیک ڈفٹی

CHARLES MONTAGUE DOUGHTY

صحرائے عرب کا وہ سیاح جس نے قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود عرب صحرائوں کی سیاحت کی

سب سے بڑا مہم جو اور سیاح

چارلس مونٹیک ڈفٹی کو سرزمین عرب کی سیاحت کرنے والا سب سے بڑا سیاح اور مہم جو قرار دیا جاتا ہے۔ اسے غیر مسلم اور اجنبی ہونے کی وجہ سے بعض اوقات عربوں کی عداوت اور دشمنی کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ عربوں کا ہمدرد ہی رہا۔ اس نے دو سال تک جزیرہ نما عرب میں قیام کر کے سرزمین عرب کی طبعی خصوصیات اور یہاں کے باشندوں کے رہن سہن و رسم و رواج کا تفصیلی مشاہدہ کیا اور کسی بھی دوسرے یورپی سیاح سے کہیں بہتر عرب دنیا کی تصویر اہل یورپ کے سامنے اپنے سیاحت نامے میں پیش کی۔ انگلستان واپسی پر اس نے اپنا یہ سیاحت نامہ ”عرب صحرائوں کی سیاحت“ Travels in Arab Desert کے نام سے شائع کیا۔ یہ سیاحت نامہ انگریزی میں لکھے گئے سفر ناموں میں ایک عظیم رزمیہ سفر نامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

چارلس مونٹیک ڈفٹی انگلستان میں سٹوک Suffolk کے مقام پر 1843ء میں پیدا ہوا اور ایک پادری کا بیٹا تھا۔ اس نے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور گریجویشن کے بعد حاصل مطالعہ کے طور پر اس نے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے سفر اختیار کیے۔ 1875ء کے موسم گرما کے آغاز میں وہ ارض فلسطین میں تھا اور جزیرہ نما عرب کی سیاحت کے لیے بے چین تھا۔ سرزمین عرب ابھی تک یورپی غیر مسلم سیاحوں کے لیے ایک ممنوعہ علاقہ اور خطرناک خطے کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کی سیاحت میں جان کا خطرہ تھا۔ ڈفٹی نے فلسطین میں قیام کے دوران جزیرہ نما عرب کے ایک مقام مدائن صالح کے بارے میں سنا تھا جو یہاں کے قدیم تہذیبی اور یادگاری مقامات میں سے ایک تھا اور ریاست حجاز کی سرحد پر واقع تھا۔

چارلس مونٹگ ڈفٹی اس مقام کی سیاحت کرنے کا ارادہ کر کے پہلے دمشق پہنچا اور پھر وہاں سے مکہ جانے والی ایک کاروانہ حج میں شامل ہو کر نومبر 1876ء میں سرزمین عرب میں داخل ہو گیا۔ وہ دمشق سے روانہ ہو کر سب سے پہلے مدائن صالح پہنچا جو شام کی سرحد کے قریب ہی واقع تھا۔ مدائن صالح کی یادگاروں کا ذکر ڈفٹی کی جزیرہ نما عرب میں آمد سے تقریباً 500 سال پہلے 1320ء کی دہائی میں مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں کیا تھا۔ مدائن صالح کے ان کھنڈرات کو اس زمانے میں ”الحجر“ کہا جاتا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ان مکانات کی دہلیزیں سنگ سرخ کو کاٹ کر اور ان پر کندہ کاری کر کے بنائی گئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے ان کھنڈرات کو قوم ثمود کے مکانات بتایا تھا جن پر مسلم روایات کے مطابق ایک عظیم زلزلے کی صورت میں عذاب الہی نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ قوم اگلی صبح اپنے گھروں میں مردہ پائی گئی تھی۔ ڈفٹی نے قوم ثمود کے مقابر کی سیاحت الاوادی نخلستان تک کی اور مدائن صالح میں چار ماہ تک قیام کیا۔ پھر اس کے بعد وہ کاروانہ حج سے علیحدہ ہو کر صحرائے عرب کے سفر پر نکل گیا۔

سرزمین عرب کے ان صحراؤں کے سفر کے دوران عربوں نے اسے ”الخلیل“ کے نام سے یاد کیا جو اس کے لیے ایک اعزازی خطاب تھا۔ عرب بدوؤں کے ساتھ ڈفٹی نے صحرائے النوذ کے جنوبی حصوں کی صحراوردی کی اور صحرائی زندگی کا بڑا قریب سے مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عرب سرزمین کے ان حصوں کا جغرافیائی سروے بھی کرتا رہا۔ اس نے تیامہ کی سیاحت کی جو کھجور کے درختوں کا ایک طویل جزیرہ تھا۔ اس کے بعد وہ نجد پہنچا جہاں مشہور ریاست حائل کے امیر ابن الرشید نے اس کا استقبال کیا مگر وہ اپنے سفر نامہ میں اس امیر کو ایک سفاک اور قاتل کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس امیر نے جس عداوت کے تحت ڈفٹی کو اپنی ریاست سے بعد ازاں نکالا تھا اس سے ابن الرشید کے بارے میں یہی پتہ چلتا ہے۔ نجد سے نکالے جانے کے بعد اس غریب الدیار سیاح کی جان کو سخت خطرہ لاحق تھا مگر خوش قسمتی سے اس کا شتر بان اور رفیق سفر ایک اچھا انسان تھا جس کی وجہ سے ڈفٹی جنوب میں واقع نخلستان خیبر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

خیبر تک پہنچنے کے لیے ڈفٹی کو ایک 6000 فٹ بلند آتش فشاں پہاڑی سلسلے کو عبور کرنا پڑا جو ڈفٹی کے مطابق سرزمین عرب کا سب سے بلند کوہستانی سلسلہ تھا۔ خیبر میں ایک اور پریشانی ڈفٹی کی منتظر تھی۔ یہ گاؤں ترکوں کے زیر انتظام تھا۔ یہاں پہنچنے پر اسے ایک روسی جاسوس کے طور پر ترک حاکم نے گرفتار کر لیا اور اس کی کتابیں اور سفری کاغذات وغیرہ اس الزام کے تحت ضبط کر لیے اور گورنر مدینہ کو بھجوا دیے تاکہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکے۔ آخر جب گورنر مدینہ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم حاکم خیبر کو بھجوایا تو اسے رہائی ملی اور پھر وہ اپنی سیاحت کو دوبارہ شروع کر سکا مگر بردہ کے مقام پر اسے صحرائی بدوی لٹیروں نے لوٹ لیا اور بردہ سے حمیرہ پہنچنے پر اس کا عرب گائیڈ اسے

چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ عمیرہ کا حاکم کارویہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر عمیرہ سے بھی اسے ڈال دیا گیا۔ اب اس نے کاروان حج کے ساتھ مکہ کا سفر اختیار کیا تاکہ جدہ پہنچ کر بحری جہاز کے ذریعے یورپ واپسی کا سفر اختیار کرے مگر وہ مکہ کے باہر قیام کے دوران شریف مکہ کے تعصب کا شکار ہو گیا۔ امیر مکہ نے اسے حراست میں لے کر اس پر تشدد تک کیا اور اس کا قیمتی سامان اس سے چھین لیا یہاں تک کہ وہ خوارک و لباس خریدنے کے قابل تک نہ رہا۔ ان حالات میں امیر طائف نے اس کی مدد کی اور اسے خوراک و لباس فراہم کر کے جدہ تک پہنچا دیا۔

ڈنٹی لکھتا ہے کہ جب ایک پہاڑی پرچہ کر مجھے اپنے سامنے بحیرہ قلزم کا پانی چمکتا ہوا نظر آیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اگست 1878ء میں وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر وطن واپس ہوا۔ صحرائے عرب کے سفر کے بعد جب ڈنٹی تھکا ماندہ انگلستان پہنچا تو اس نے اگلے گیارہ سال اپنے سیاحت نامے کو مرتب کرنے پر صرف کیے۔ اس کا یہ سیاحت نامہ 1888ء میں شائع ہوا۔ اس کا یہ سفر نامہ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈنٹی نے بھر 82 سال وقات پائی۔

(51)

1837ء یوسف خان کبیل پوش

یوسف خان کبیل پوش (1803-1861ء) انشا پر داز، شاعر اور سفر نامہ نگار

اس کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا، لیکن اس نے 1828ء میں لکھنؤ میں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس نے براعظم یورپ اور انگلستان کے عجائبات کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ لہذا وہ اس سرزمین اور اس کے عجائبات کو دیکھنے کے لیے بڑا بے چین رہتا تھا۔ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے انگریزی زبان پر دسترس حاصل کی۔ سلطنتِ اودھ میں وہ شاہ نصیر الدین حیدر کی فوج میں جمعدار اور پھر صوبیدار بھی رہا۔ پھر دو سال لیے رخصت لے کر وہ 1837ء میں کلکتہ سے سفر انگلستان پر روانہ ہوا اور اس نے انگلستان، فرانس، سپین، پرتگال، جرمنی، ترکی اور عرب کی سیاحت کی۔ ان ممالک کی سیاحت پر بعد ازاں اس نے اپنے ایک انگریز دوست کی فرمائش پر اپنا سفر نامہ لکھا۔ مؤرخین اور نقادوں نے لکھا ہے کہ یہ یورپ پر اردو زبان میں لکھا گیا پہلا رپورتاژ ہے۔ یوسف خان کبیل پوش نے اپنے اس سفر نامہ کا عنوان ”عجائباتِ فرنگ“ رکھا تھا۔ یہ سفر نامہ پہلی بار پنڈت دھرم نارائن کے زیر اہتمام دہلی کالج کے پریس مطبع العلوم سے 1847ء میں شائع ہوا تھا۔ اسے ”تاریخِ یوسفی“ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یوسف خان کبیل پوش نے 1861ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

مشہور محقق گارساں دتاسی نے یوسف خان کا نام دلمریک Delmeric اور والد کا نام رحمت خان غوری اور اسے مذہب رومن کیتھولک مسیحی بتایا ہے جو غلط ہے۔ یوسف خان نسلا پٹھان اور اسلام کا پیروکار تھا۔ خود سلیمانی مذہب کا قائل بتاتا تھا۔ یوسف خان کبیل پوش اپنے سفر نامہ میں اپنے شوقِ سیاحت کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہے:

”سن اٹھا رہ سو چھتیس میں میرا دل طلبگارِ سیاحی جہاں خصوصاً ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان

جاہ سے اظہار کر کے رخصت دو برس مانگی۔ شاہ گردوں بارگاہ نے بصد عنایت و انعام اجازت

دی۔ عاجز تسلیمات بجالایا اور راہی منزل مقصود ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد دارالامارۃ کلکتہ پہنچا۔ پانچ چھ مہینے وہاں کی سیر کرتا رہا۔ بعد ازاں جمعرات کو دن تیسویں تاریخ مارچ کے مہینے سن اٹھارہ سو ستیس میں جہاز پر سوار ہو کر بیت السلطنت انگلستان کو چلا۔ نام جہاز ”ازابیلہ“ کپتان اس کا ڈیڈ بران صاحب مع اپنی بی بی کے تھا۔ جہاز وزن میں چھ سو ٹن کنارے لگا پر آگیا تھا۔ یہاں سے دریائے شور (سمندر) پہنچنے تک اس کی اعانت کو دھویں کا جہاز مقرر ہوا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلہ کو لے چلا۔“

ان الفاظ میں یوسف خان کبیل پوش نے اپنے اس سفرنامہ کا آغاز کیا ہے۔

اس سے پہلے وہ لکھتا ہے کہ:

”بعد حمد و نعت کے کہتا ہے امیدوار رحمت پروردگار خطا پوش عذر ہوش یوسف خان کبیل پوش کہ اس عاجز اکثر اوقات اپنی سیر ملکوں میں بسر کی اور کیفیت عجائبات زمانہ کی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اکثر دوستوں پر رونداد سفر بیان کیا اور ناچار خاطر ان کے فقیر نے جو کچھ سفر میں دیکھا بھالا تھا اس رسالہ میں مفصل لکھا۔“

اپنے حیدر آباد کن سے تعلق اور وہاں سے لکھنؤ کی طرف ہجرت کرنے کے بارے میں وہ رقم طراز ہے:

”یہ فقیر بیچ سن اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی مطابق سن بارہ سو چالیس ہجری کے حیدر آباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد ڈھاکہ مچھلی بندر، صدر راج گورکھ پور، نیپال، اکبر آباد، شاہجہاں آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہنچا۔“

انگلستان پہنچنے کے بارے میں رقم طراز ہے:

”ایکسویں تاریخ اگست 1837ء میں قریب ولایت انگلستان کے پہنچے۔ ولایت لندن وہاں سے ڈیڑھ سو کوس باقی ہا۔ بندہ شکر خدا کا بجالایا اور کپتان صاحب سے رخصت ہو کر جہاز ازبیلہ سے اترے۔ بوچڑ صاحب کے ساتھ اس ناؤ پر سوار ہو کر چلے۔ آب و ہوا وہاں کی دل کو بھائی، روح کو اس سے تازگی آئی۔ شام کے وقت ایک گاؤں میں پہنچ کر سیر کی۔“

لندن پہنچنے پر لکھتا ہے کہ:

”خدایا خانہ شاہ لندن میں آیا یا راہ بھول کر پرستان میں آکلا۔ جب وہاں جا کر پہنچا دیکھا کہ انگریز جا بجا بیٹھے اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔“

لندن کے بارے میں مزید لکھتا ہے:

”لندن عجب شہر گلستان ہے۔ دانائی کی وہاں کان ہے۔ یہ تماشے دیکھ کر سرائے مل موت میں پھر آیا۔ راجہ صاحب کو ساتھ لے کر مکان کرائے کا تلاش کیا۔ بہت جستجو سے محلہ سمورپیس میں نمبر تیسرا قریب سینٹرک کلیسا کے ایک مکان سو روپے کرایہ پر بٹھہرایا۔ بعد اس کے دوکانوں اور بازار کی سیر کرنے گیا۔ ایک راستہ دیکھا۔ پشت ماہی سا بنا تھا اور دونوں طرف زمین کے برابر لوہا لگا۔ اس لیے کہ پہیا گاڑیوں وزدا کا اونچا نیچا نہ ہو جائے۔“

ریل گاڑی کے بارے میں لکھتا ہے:

”فی الفور وہ تیر کی طرح دھویں کے زور سے رواں ہوتی ہر ایک گاڑی رنجیر کے لگاؤ سے اس کے ساتھ چل نکلتی میں نے ایسا تماشا کبھی نہیں دیکھا۔ نہایت مشتاق تھا۔ گاڑی بان سے پوچھا کہاں جاؤ گے؟ اس نے کہا آٹھ کوس پر۔“

عجائبات فرنگ کے ہر صفحہ پر یوسف خان کمبل پوش نے انگلستان اور سرزمین یورپ کے عجائبات اس طرح بیان کیے ہیں کہ قاری قاری ان کو پڑھتے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہی اس قدیم سفر نامے کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

(52)

1832ء چارلس ڈارون

CHARLES DARWIN

نظریہ ارتقا کا خالق

چارلس ڈارون (1809-1882ء) انیسویں صدی کا ایک ماہر موجودات (Naturalist) تھا۔ جہاز نیگل پر ماہر موجودات کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے اس نے طب اور مذہب کا مطالعہ کیا۔ اس کے انکشافات، مشاہدات اور تحقیقات سے آج کا ”نظریہ ارتقا“ وجود میں آیا جو ”ڈارونیت“ بھی کہلاتا ہے۔ نظریہ ارتقا پر اس نے اپنی کتاب ”آغاز انواع“ (Origin of Species) میں بحث کی ہے۔ اس بحث میں اس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زمین پر موجود انواع زندگی ایک ہی اجداد سے تعلق رکھتی ہیں۔ موجودات میں دلچسپی کی وجہ سے ڈارون ایڈنبرا یونیورسٹی میں اپنی طب کی تعلیم کو چھوڑ کر بحری ریزہ کی ہڈی دار حیوانات (Marine Invertebrates) کی تحقیق پر نکل کھڑا ہوا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران اس کی دلچسپی سائنس موجودات میں مزید بڑھ گئی اور وہ جہاز نیگل پر ماہر موجودات کی حیثیت سے اپنے پانچ سالہ سفر پر نکلا۔ وہ اپنی کتاب تاریخ طبعی میں لکھتا ہے کہ:

”جب میں ایک طبعی ماہر موجودات کی حیثیت سے ملک معظم کے جہاز نیگل (Beagle) پر تھا تو میں بعض حقائق سے بہت متاثر ہوا جو جنوبی امریکہ کے نامی اجسام کی تقسیم اور اس براعظم کے موجودہ گزشتہ نامی اجسام کے ارضیاتی روابط میں پائے گئے۔ یہ حقائق ایسے تھے جن سے زندگی کے اصل انواع پر کچھ روشنی پڑتی تھی جسے ہمارے سب سے بڑے فلاسفہ میں سے ایک نے سرا سرا اقرار دیا تھا۔ جب میں وطن واپس لوٹا تو 1837ء میں مجھے خیال آیا کہ اگر وہ تمام

حقائق صابرانہ سعی و کوشش سے اکٹھے کر دیے جائیں تو ممکن ہے حل کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔“

پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ڈارون نے اپنا نظریہ ارتقا اپنی کتاب ”آغاز انواع“ میں پیش کیا جس نے تاریخ فکر و نظر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ جہاز بیگل پر کیے گئے اپنے تحقیقی سفر کو اپنے سفر نامے ”بیگل پر بحری سفر“ (The Voyage of the Beagle) میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب 1839ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن 1845ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا پہلا نام Journal of Researches تھا جبکہ 1905ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں اس ”بیگل پر بحری سفر“ کا نام دیا گیا۔

جہاز بیگل نے اپنا یہ تحقیقی سفر انگلستان کی مشہور بندرگاہ پلائی ماؤتھ ساؤتھ سے 27 دسمبر 1831ء کو شروع کیا تھا۔ اس جہاز کا کپتان رابرٹ فٹز رائے (Robert Fitz Roy) تھا اس تحقیقاتی مہم کی اصل منصوبہ بندی دو سال کے لیے کی گئی تھی مگر یہ تحقیقاتی مہم پانچ سال تک جاری رہی اور جہاز بیگل 2 اکتوبر 1936ء کو اس سفر سے واپس وطن لوٹا۔ اس سفر میں چارلس ڈارون نے تقریباً 1 ماہ سمندر کے سینے پر بسر کیے جبکہ تقریباً تین سال اور تین ماہ تک وہ خشکی پر اپنی تحقیقات جاری کیے رہا۔

چارلس ڈارون کی یہ تصنیف جہاں ایک سفری یادداشت کی حیثیت رکھتی ہے، وہیں علم حیاتیات اور علم موجودات کی سائنسی پیمائش بھی ہے اور اس میں ڈارون نے اپنے سائنسی مشاہدات پیش کیے ہیں۔ یہ کتاب اس زمانے میں تصنیف ہوئی جب مغربی یورپ کے تلاش کار پوری دنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں مصروف تھے۔

اس سفر کے دوران ہی چارلس ڈارون نے بعض حیوانات کے رکاز (Fossils) اور ان کی موجودہ انواع میں اپنے مشاہدات کے دوران ربط پایا تھا اور بہت سے اہم نوٹس تیار کیے تھے۔ انگلستان واپس لوٹنے پر اس نے انھیں نوٹس کو اپنے اس سفر نامے کی شکل دی تھی اور انھیں کی مدد سے اپنا مشہور زمانہ نظریہ ”ارتقا“ مرتب کیا تھا

اس کتاب کا جو دوسرا ایڈیشن 1845ء میں شائع ہوا اس میں بہت سے ترمیم و اضافے کیے گئے تھے۔ 1890ء میں جان مرلے نے اس کتاب کا ایک مصور ایڈیشن شائع کیا تھا جو ایک مصور رابرٹ ٹیلر کی تخلیق کی گئی اس سفر کی تصاویر پر مشتمل تھا۔ یاد رہے کہ آرٹسٹ رابرٹ ٹیلر اس سفر میں ڈارون کا ہمراہی تھا۔

(53)

1875ء ہنری جیمز

HENRY JAMES

انگلستان اور امریکہ کی ایک مشترکہ ادبی شخصیت کا سفر نامہ

نوبل پرائز برائے ادب 1911ء کے لیے نامزدگی

ہنری جیمز ایک امریکی برطانوی مصنف اور ناول نگار تھا۔ وہ 15 اپریل 1843ء کو پیدا اور اس نے 28 فروری 1916ء کو وفات پائی۔ وہ اپنے ان ناولوں کی وجہ سے مشہور ہے جن میں امریکیوں کو سرزمین یورپ میں اہل یورپ سے ملنے جلتے دکھایا گیا ہے۔ ناولوں اور افسانوی ادب کے ساتھ وہ اپنے سفر نامہ نگاری کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ امریکہ کے شہر نیویارک میں پلا بڑھا اور بعد ازاں 1869ء میں اس نے برطانیہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اسے نوبل پرائز برائے ادب 1911ء کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

لندن میں قیام کے بعد وہ 1875ء میں پیرس میں منتقل ہو گیا تھا اور اس نے 1884ء میں دوبارہ پیرس اور فرانس کے دیگر شہروں کی سیاحت کی تھی اور اپنا سفر نامہ *A Little tour in France* مرتب کیا تھا۔ یہ سفر نامے پہلے قسط وار *The Atlantic Monthly* میں شائع ہوئے تھے۔

اس سفر نامہ میں ہنری جیمز نے فرانس میں چھ ہفتے کی اپنی سیاحت کی روئیداد بیان کی تھی۔ یہ سفر فرانس کے کئی صوبائی شہروں میں کیا گیا تھا جن میں ٹورز *Tours*، بورج *Borges*، نانتس *Nantes* اور تولوز *Toulouse* وغیرہ شامل تھے۔ اس سفر نامہ کی پہلی جلد 1884ء میں چھپی تھی جبکہ ایک اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ ایڈیشن 1900ء میں شائع ہوا تھا۔

ہنری جیمز نے اپنے اس سفر کا آغاز فرانس کے شہر ٹورین *Tourane* سے کیا تھا جہاں سے وہ جنوب

مغرب میں واقع پرونس Rhone کی سیاحت پر نکلا تھا اور پھر طغیانی پر اترے ہوئے دریائے رون Rhone کے ساتھ ساتھ وہ شمال میں برگنڈی تک چلا گیا تھا۔ اپنے شہروں کے سفر کی روئیداد میں ہنری جیمز ان کی تاریخی تعمیرات اور ان شہروں میں تخلیق پانے والے کلاسیکل فرانسیسی ادب کے شاہ کاروں کا تذکرہ کیا ہے اور ان شہروں کے قابل دید مقامات اور ان میں رہنے والے فرانسیسی لوگوں کے متعلق بھی معلومات درج کی ہیں اور ساتھ ساتھ ان شہروں کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ثقافت بھی بیان کی ہے اور یہ سب کچھ بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

ہنری جیمز اپنے سفر نامے میں ولولہ انگیز تفصیلات فراہم کرنے سے کبھی اجتناب نہیں کرتا اور ان لوگوں کی بہت خوبصورت تصویر پیش کرتا ہے جو اسے دوران سفر ملے تھے جیسا کہ وہ باتونی نن Nun (راہبہ) جس نے اسے کلیسائے مارموتیئر Marmoutier Abba کی سیاحت کرائی تھی یا پھر فرانسیسی فوجی جو ایوی گنن Avignon شہر میں پوپ کی سابقہ رہائش گاہ میں قیام پذیر تھا۔ اس سفر میں میں وہ خصوصی طور پر محلات، کلیساؤں اور دیگر تاریخی عمارات میں دلچسپی لیتا ہوا نظر آتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جدید دور کی اہم چیز کی بھی تفصیلات مہیا کرتا ہے اور بددیہت سراؤں اور غیر آرام دہ ریلوے سفروں اور میوزیموں اور عشیانیوں کی جزئیات قاری کو فراہم کرنے میں غفلت سے کام نہیں لیتا۔ ہنری جیمز عام طور پر وہی کچھ بیان کرتا نظر آتا ہے جو اس نے دیکھا تھا۔ اس نے ازائیل گارڈنز کو اپنے 12 نومبر 1882ء میں لکھے گئے خط میں لکھا تھا کہ اس سفر میں میں نے فرانس کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس طرح یہ کتاب انیسویں صدی کے فرانس کے متعلق ایک تاریخی دستاویز کے طور پر سامنے آئی ہے اور ہنری جیمز ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ فرانس کے اس سفر نامہ کے علاوہ ہنری جیمز نے کئی اور ملکوں کے سفر نامے بھی لکھے تھے جن میں The American Scene's، The Continent، Italian Hour وغیرہ شامل ہیں۔

ہنری جیمز کا تخلیقی زمانہ پچاس سال پر محیط ہے۔ اس عرصے میں اس نے بیس ناول، سو سے زائد افسانے اور آدمی درجن سے زائد سفر نامے لکھے۔ وہ بیسویں صدی کا عظیم حقیقت پسند مصنف تھا۔

(54)

1867ء مارک ٹوین

CLEMENS, SAMUEL LANG HORNE

سیوسٹیل لینک ہارن کلمینز کا قلمی نام مارک ٹوین تھا۔ اس مشہور امریکی مزاح نگار اور مصنف نے نو عمری کے دن ٹینی ہال نامی قصبے میں گزارے۔ اس کے 1857ء سے امریکی خانہ جنگی کے زمانے تک وہ دریائے مس سی میں جہاز رانی کرتا رہا۔ امریکی جہاز رانوں کے اصطلاحی الفاظ "مارک ٹوین" سے ہی اس نے اپنا قلمی نام منتخب کیا۔ اس نے بطور مصنف اپنے مستقبل کا آغاز ورجینیا شہر سے نکلنے والے ایک اخبار "انٹر پرائز" میں لکھنے سے کیا تھا مگر اس کو شہرت کی بلندی 1865ء میں اس وقت ملی جب اس کی کہانی The Celebrated شائع ہوئی۔ اس کے بعد 1869ء میں اس کے سفر نامے Innocents Abroad کی اشاعت نے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔ 1870ء میں اس نے شادی کی اور ہارٹ فرڈ کینٹی کٹ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس نے اپنی تصنیف The Adventure of Huckle Berry Fin میں بڑے استادانہ انداز میں اپنے بچپن کی یادیں تازہ کی ہیں۔

مارک ٹوین کی زندگی کے آخری ایام بڑے درد و الم میں گزرے۔ کاروبار میں اس نے جو روپیہ لگایا تھا وہ سب ڈوب گیا۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی اور دو بیٹیوں کا انتقال وہ کیا۔ اس نے روپیہ تو اپنی محنت اور قابلیت سے دوبارہ پیدا کر لیا لیکن بیوی اور بیٹیوں کی دائمی جدائی نے اسے قنوطیت پسند اور مردم بیزار بنا دیا تھا۔ چنانچہ اس کی آخری تصنیف The Man that Corrupted Whitleyburg اور Whl is Man میں یہ رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ 1916ء میں شائع ہونے والے اس کے مجموعے The Mysterious Stranger میں بھی اس نے مایوسی کا انداز اپنایا تھا۔

The Innocent یا نیو پلگرم پروگرس (The New Pilgrims Progress) مارک ٹوین کا سفر نامہ ہے۔ یہ کتاب 1869ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسے مزاحیہ طور پر مارک ٹوین نے اپنا انتہائی خوشگوار سفر قرار

دیا تھا۔ یہ سفر جہاز Quaker City پر امریکی سیاحوں کے ایک گروہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس سفر کی روئیداد پر مشتمل یہ کتاب مارک ٹوین کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کی جلدیں بڑی تعداد میں فروخت ہوئی تھیں۔

اپنے اس سفر کو مارک ٹوین نے مقدس سرزمین کی ہم A Holy Land Expedition کا نام بھی دیا تھا۔ مقدس سرزمین کے اس سفر میں مارک ٹوین اور اس کے ساتھی مشرقی بحیرہ روم کے کئی ساحلی مقامات پر بھی ٹھہرے تھے اور انھوں نے ممالک، یورپ کی بھی سیاحت کی تھی۔ اس سفر نامے کے عنوانات میں ان کی اس سیاحت کا بھی ذکر ملتا ہے جیسے مارسیلز سے پیرس تک ٹرین میں سفر، 1867ء میں لگنے والی پیرس کی صنعتی نمائش جو شاہ فرانس چپولین سوم کے عہد میں لگی تھی۔ اس کے علاوہ پاپائے روم کی ریاستوں میں سفر، بحیرہ اسود سے اوڈیسا تک کا سفر وغیرہ وغیرہ۔

اپنے اس سفر میں مارک ٹوین نے یورپی ممالک کے ثقافتی پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا ہے اور انیسویں صدی کے یورپی معاشرے کی ایک واضح تصویر پیش کی ہے۔ اس کے سفری مشاہدات اس کے ہم عصر دیگر سیاحوں کے مشاہدات سے تضاد رکھتے ہیں اور اس کی گہری فکر نظر کے امین ہیں۔ مارک ٹوین نے اپنا یہ سفر نامہ پہلے اخباری کالموں کی شکل میں شائع کیا تھا۔ بعد ازاں ان اخباری کالموں کو کتاب کی صورت میں منتقل کر دیا تھا۔ نقادوں نے لکھا ہے کہ ”دی انویسٹ ایمرڈ“ ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں یورپی ممالک اور ارض مقدس کی سیاحت بڑے پراثر انداز میں بیان کی گئی ہے اور اس کے بیان کا انداز حراہیہ ہے۔

(55)

1869ء سر سید احمد خان

جس دمن میں سر سید نے یہ سفر کیا تھا اس کا مکتبہ اس سفر نامہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سفر نامہ لکھنے والا وطن اور قوم کی خیر خواہی اور ہمدردی میں شراور ہے۔

سر سید احمد خان (1817ء-1898ء) مشہور مصلح، علی گڑھ کالج کے بانی، دہلی کے معزز خاندان سادات کے معزز اور اہم رکن، ان کے والد سید محمد متقی خان ایک درویش مزاج انسان تھے۔ نانا خواجہ فرید جو دبیر الملک کہلاتے تھے مغل بادشاہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان سفارت پر مامور تھے۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے سر سید احمد خان کو بھی بھی خطاب ”جواد الدولہ عارف جنگ“ دیا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت ننھیال میں ہوئی۔ انگریز کمپنی میں پہلے سر رشتہ دار پھر منصفی کا امتحان دے کر منصف مقرر ہوئے (1846-1854ء) بڑے بھائی کی وفات پر سخت صدمہ پہنچا جس کی بنا پر گوشہ نشینی اختیار کی جس کے دوران کتب بنی کرتے رہے اور دہلی کی عمارتوں کے متعلق معلومات جمع کر کے ”آثار الصنادید“ شائع کی (1847ء) انگریزی حکام نے سر سید کی اس کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ پروفیسر دتاسی نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ 1855ء میں ترقی پا کر سب جج کے عہدے پر بجنور میں فائز کیے گئے۔ اس دوران ”آئین اکبری“ صحیح و صحیحہ کے بعد شائع کی گئی آخری جلد ہنگامہ 1857ء کی نذر ہو گئی۔ دوران ملازمت کی خدمات کے عوض وظیفہ خاص اور عہدہ صدر الصدور ملا۔ مراد آباد، غازی پور اور علی گڑھ میں سکونت پذیر رہے۔ علی گڑھ میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس میں علوم جدید پر تقریریں کرائیں اور تاریخ و سیاست کی بعض کتابیں ترجمہ کرائیں۔

سفر کا آغاز

یکم اپریل 1869ء کو سر سید احمد خان اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بنارس سے انگلستان کے لیے روانہ ہوئے اور اس سفر میں بمبئی جاتے ہوئے وسطی ہندوستان سے گزرے۔ بمبئی پہنچ کر بذریعہ بحری جہاز عازم انگلستان ہوئے۔

راستے میں جتنے مقامات آئے اور جہاں ان کا بحری جہاز رکا ان مقامات کے بارے میں انھوں نے تفصیلات قلم بند کیں۔ مصر، نہر سوین اور رسل کے محلات دیکھ کر سرسید احمد خان کو محسوس ہوا جیسے وہ بہشت میں آگئے ہیں۔ وہ شخص یا قاری جس نے وہ محلات نہ دیکھیں ہوں ان بیانات کو پڑھ کر سرشار ہو جاتا ہے۔

انگلستان میں

انگلستان پہنچ کر سرسید احمد خان کو ماہر تعلیم، مصنف، انجینئر سب سے ہی ملاقات کا موقع ملا اور ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے بھی شرف ملاقات بخشا۔ ولایت کی ترقی دیکھ کر سرسید احمد خان بہت متاثر ہوئے اور خطوط میں یہ احوال اپنے دوستوں کو بھی لکھ کر بھیجتے رہے۔

سرسید احمد خان نے انگلستان میں سترہ ماہ تک قیام کیا اور اس دوران انھوں نے نظام تعلیم اور مغربی سماج کا گہرا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہوئے۔ ہندوستان اور انگلستان کا موازنہ کیا اور دونوں کی معاشرت میں بڑا فرق پایا۔ متعدد خطوط ہندوستان لکھے اور دوستوں کو بتایا کہ دونوں ملکوں کی بود و باش میں کتنا فرق ہے۔

سرسید احمد خان انگلستان کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کرنے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور مغربی تعلیم کا رجحان پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اپنی قوم کی سماجی فلاح کے لیے انھوں نے تہذیب الاخلاق کی اشاعت کا منصوبہ انگلستان ہی میں تیار کیا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ بھی وہیں تیار کیا۔ مسافران لندن کو کتابی شکل مولانا اسٹیل پانی پتی نے دی تھی۔

انگلستان کے سفر کی تقریب ان کے الفاظ میں اس طرح پیدا ہوئی تھی کہ حکومت انگلشیہ نے ہونہار ہندوستانی طلبہ کو 66 ہزار روپے کے نو وظیفے دیے تھے اور انگلستان میں ان کے لیے اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کیے تھے ان ہندوستانی طالب علموں میں سرسید احمد کے فرزند سید محمود بھی شامل تھے۔

سرکاری عطیہ

سرسید پہل ہی انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے تھے۔ اس سرکاری عطیہ سے سرسید کے اس ارادے کو بڑی تقویت پہنچی اور سید محمود کے ساتھ وہ خود بھی عازم ولایت ہو گئے۔ سرسید نے اس سفر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنا آبائی مکان واقع دلی گردی رکھ دیا اور بطور سرکاری ملازم اپنی کچھ تنخواہ بطور ایڈوانس حاصل کر کے وہ بھی اس سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے دونوں صاحبزادے سید حامد اور سید محمود کے علاوہ مرزا خدا دا بیگ اور ان کا ایک قدیمی خدمت گار جھجھو بھی ان کا شریک سفر تھا۔

ان کا یہ سفر 18 ذوالحجہ 1285ھ بمطابق یکم اپریل 1869ء کو یوپی کے شہر بنارس سے شروع ہوا جہاں

اس وقت سرسید احمد خان بطور جج متعین تھے۔ ان کے اس سفر کا ایک جامع اور عمدہ خلاصہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے ان الفاظ میں تحریر کیا تھا:

”سرسید احمد نے اپنے اس سفر نامے میں ہر ایک دلچسپ حال جو اثنائے راہ میں ان کو پیش آیا قلمبند کیا ہے اور سفر کی ضروریات جو ہر مسافر کو پیش آتی ہیں مفصل بیان کی ہیں اور وقتاً فوقتاً جو خیالات اپنے خاص مقصد یعنی وطن کی بھلائی کے ان کے دل و ذہن میں آئے ان کو بھی ہر موقع پر ظاہر کیا ہے۔ جابجا ایشیا اور یورپ کی معاشرتی اور اخلاقی حالتوں کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ یورپ کے عجائبات ایسے طور پر بیان کیے ہیں جس سے قارئین کو یورپ کی سیر و سیاحت کی ترغیب ہو۔

نہر سوین کے انجینئر سے ملاقات

جس دھن میں سرسید نے یہ سفر کیا تھا اس کا ثبوت اس سفر نامہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سفر نامہ لکھنے والا وطن اور قوم کی خیر خواہی اور ہمدردی میں شرا بور ہے۔ یعنی پہنچ کر کہیں وہ مبین مسلمانوں کے اخلاق، نام و نمود پر مرنے، جمہوٹی شیخیوں بگھارنے، مفید تعلیم پر متوجہ نہ ہونے اور گھروں پر مدرس نو کر رکھنے پر افسوس کرتا ہے اور پارسیوں کی عمدہ حالت سے ان کا مقابلہ کرتا ہے کہیں پارسیوں کے صاف اردو بولنے پر حیران ہوتا ہے اور ان لوگوں پر تعجب کرتا ہے جو اردو کو ہندوستان کی قومی زبان نہیں تسلیم کرتے۔ کہیں گجراتی زبان کی عبارت میں عربی الفاظ کا سراغ لگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ ریل جسے اس وقت کے اہم ذریعہ سفر کی تعریف کر کے افسوس بھی کرتا ہے کہ ریل کا تمام سامان فرانس اور انگلستان کا بنا ہوا ہے۔ سرسید احمد خان کی ملاقات جہاز پر فرانس کے مشہور انجینیر وی لسیس سے ہوتی ہے جس میں وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہر سوین کا نام انگریزوں نے نہروں لسی رکھنا جو یہ کیا تھا مگر وی لسیس کی قوم پرستی تھی کہ اس نے جو یہ پیش کی کہ اس نہر کا نام ”نہر فرانس“ ہونا چاہیے جو انگریزوں کو نامعلوم ٹھہری۔ اسی طرح سرسید پیرس کی عمارتوں کا ذکر کرتا ہوا کبھی روضہ تاج اور دلی میں قطب مینار کی جو صورتی کو بھی نہیں بھولتا اسی طرح وہ فرانسیسیوں کے امام عبدالقادر سے غیر مہذب رویہ اختیار کرنے پر بھی تنقید کرتا ہے۔

نتائج سفر

اس کے بعد وہ لندن پہنچتا ہے اور اپنے سفر نامہ کے اختتام پر ہندوستان کے تمام شیعہ، سنی اور

ہندوؤں کو آگاہ کرتا ہے کہ سب ہندوستانی اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ یہ سفر طے کر سکتے ہیں۔ پھر اپنی جان بچان، انگریزوں سے ملاقاتوں کا ذکر کرنے کے بعد کلفٹن کے معلق پل کے بننے کی تاریخ بیان کرتا ہے جو مدت سے ناتمام پڑا تھا اور جس کو سول انجینئر انسٹی ٹیوٹ کے ممبروں نے ایک ممبر کی بدنامی کے خیال سے باہم اتفاق کر کے اپنی فیاضی سے بنا دیا تھا۔ پھر اپنے ہم وطنوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ”اے میرے ہم وطنو! ہمارا انسان یہ لوگ ہیں یا ہم؟ جو حیوانوں کی طرح اپنی خود غرضیوں میں جلا ہیں اور اپنے ہر کام کا ہندوستان کو رشتہ سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لڑکوں کو بھی وہی پڑھائے اور مذہبی تعلیم کا انتظام بھی وہی کرے پھر ایک رصد گاہ کا ذکر لکھ کر کہ ایک عورت اس کا تمام کام انجام دیتی ہے اپنے ملک کے مدعیان علم و فلسفہ و منطق کو شرمندہ کرتا ہے۔“

(56)

1889ء نیلی بلے

NELLIE BLY

دنیا کے گرد 72 دن میں ریکارڈ توڑ دھننے والا سفر کرنے والی صحافی اور سیاح خاتون

ایلیزبتھ کوچران سی مین Elizabeth Cochran Sea Man 5 جنوری 1864ء کو پیدا ہوئی۔ وہ اپنے قلمی نام نیلی بلے سے جانی جاتی ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد اس نے صحافت کو بطور پیشہ اپنایا۔ وہ ایک مصنف، صنعت کار اور موجد بھی تھی۔ سماجی کارکن اور صحافی کی حیثیت سے اس نے دنیا کے گرد 72 دن میں ریکارڈ توڑ دینے والا سفر کیا اور بے حد شہرت پائی۔ یہ سفر اس نے مشہور سائنسی ناول نگار جولیس ورن کے افسانوی کردار ”فلپاس فوگ“ کی تقلید میں کیا تھا اور وہ تحقیقی صحافت کی بانی بھی تھی۔

پیدائش کے وقت اس کا نام ایلیزبتھ جین کوچران رکھا گیا تھا۔ اس کا باپ ایک مل میں کام کرنے والا مزدور تھا۔ اس کی ماں میری جین تھی جس کا باپ 1790ء میں آئرلینڈ سے ہجرت کر کے امریکہ آیا تھا۔ ایلیزبتھ کے والد نے اپنے بچوں کو سخت محنت میں کامیابی کے مضمحل ہونے کا سبق دیا تھا اور خود اپنی محنت سے ایک مل اور اس کے ارد گرد کی زمین خرید لی تھی۔ بچپن میں ایلیزبتھ ”ہنگی کے عربی نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پنک یا گلابی کھراس کا پسندیدہ رنگ تھا۔

صحافی کے طور پر

1880ء میں کوچران اور اس کا خاندان ٹس برگ خٹل ہو گیا۔ ٹس برگ میں ایلیزبتھ نے اخبار ”ٹس برگ ڈسچ“ میں ایک کالم Girls are Good for Orphan girl پڑھا اور ایڈیٹر کے نام اس کالم کی تردید میں ایک مضمون Lonely لکھا۔ اخبار کا ایڈیٹر جارج میڈین اس کے مضمون سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ایلیزبتھ کو اخبار کے لیے مستقل طور پر لکھنے کی دعوت دی اور اسے اخبار میں ملازمت دے دی۔ اس زمانے میں جو خواتین صحافت کے پیشے سے متعلق ہوتیں یا اخبار میں لکھتیں وہ اپنے اصل نام کی بجائے قلمی نام اختیار کرتی تھیں۔ ایلیزبتھ نے ”نیلی بلے“ کا قلمی نام اختیار کر لیا۔

اخبار میں کام ملنے کے بعد نیلی بے نے سب سے پہلے فیلٹریوں میں کام کرنے والی خواتین کی حالت زار پر مضامین لکھے اور اخبار میں ”خواتین کے صفحات“ کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا پھر ایک صحافی کے طور پر اس نے میکسیکو کا سفر کیا اور وہاں سے ایک غیر ملکی نامہ نگار کی حیثیت سے میکسیکو کے لوگوں کو رسم و رواج پر بہت سی رپورٹیں بھجوائیں۔ بعد ازاں اس کی یہ رپورٹیں ”چھ ماہ میکسیکو میں“ کے عنوان سے ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئی۔ چونکہ اس کی رپورٹیں میکسیکو کی آمرانہ حکومت کے خلاف تھیں اس لیے میکسیکو کے حکام نے اسے گرفتار کرنے کی دھمکی بھی دی اور فوری طور پر میکسیکو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

دس دن پاگل خانے میں

1887ء میں تھیر آرس پر لکھنے سے اکتا کر نیلی بے نے ”پنس برگ ڈیچ“ میں کام چھوڑ دیا اور نیویارک آگئی جہاں چار ماہ کے قیام کے بعد اس کی جیبیں خالی ہو گئیں جس کے بعد اس نے ”نیویارک ورلڈ“ نامی اخبار میں ملازمت کر لی۔ اخبار نے اسے ایک جعلی پاگل کی حیثیت سے امریکی معاشرے میں ہونے والے مظالم کو بے نقاب کرنے کا کام دیا۔ ایک رات جعلی پاگل پن ہونے کی اداکاری کی پریکٹس کرنے کے بعد جلد ہی ڈاکٹروں نے اسے ”پاگل“ قرار دے دیا اور اسے پاگل خانے منتقل کر دیا اور یوں اسے پاگلوں کی حالت زار کو اخبار میں شائع کرانے کا موقع مل گیا۔ اس نے لکھا کہ پاگل پن کے مریضوں کو علاج کے نام پر عقوبت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ دس دن تک پاگل خانے میں رہنے کے بعد اسے پاگل خانے سے خارج کر دیا گیا۔ پاگل خانے کے متعلق اس کی رپورٹ بعد ازاں ”پاگل خانے میں دس دن“ کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

دنیا کے سفر پر

1888ء میں نیلی بے نے ”نیویارک ورلڈ“ کے ایڈیٹر کو تجویز پیش کی وہ وہ جولیس ورن کے افسانوی ”80 دن میں دنیا کے گرد سفر“ کو حقیقت میں بدلنا چاہتی ہے۔ پھر تقریباً ایک سال بعد 14 نومبر 1889ء کو صبح نو بج کر چوالیس منٹ پر وہ ایک سٹیئر ”آگسٹا کٹوریہ“ پر دنیا کے گرد 24894 میل کا سفر کرنے لیے سوار ہو گئی۔ اس سفر میں زادراہ کے طور پر اس کے ایک گرم اور کوٹ، ایک بیگ، کچھ ضروری سامان اور 200 پونڈ کے انگلستانی بینک نوٹ اور سکے ساتھ لیے۔

اس کے دنیا کے گرد سفر پر نکلنے پر نیویارک کے ایک اور اخبار ”کوسموپولیٹن“ نے بھی اپنی رپورٹر کو فلپاس فوگ اور نیلی بے کا ریکارڈ توڑنے کے لیے اپنے خرچ پر روانہ کیا۔ کوسموپولیٹن کی رپورٹ ایلزبتہ بس لینڈ نے نیلی بے کی مخالف سمت میں دنیا کا سفر شروع کیا۔

نیلی بے دنیا کے گرد سفر میں پہلے فرانس اور انگلستان پہنچی اور ناول نگار جولیس ورن سے فرانسیسی شہر

Amiens میں ٹلی پھر نہر سوین کے راستے وہ سیلون (سری لنکا) کے راستے پینا نگ، سنگاپور اور ہانگ کانگ اور جپان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس زمانے میں زیر آب ٹیلی گراف کیبلوں کے ذریعے نیلی بے اپنے سفر کے متعلق مختصر رپورٹیں مسلسل ”نیویارک ورلڈ“ کو بھیجتی رہی جبکہ طویل رپورٹیں اس نے بذریعہ ڈاک بھجوائیں جو کئی ہفتوں کی تاخیر کے بعد اخباروں میں شائع ہوئیں۔

بندر ہمراہی

دنیا کے گرد یہ سفر نیلی نے دخانی جہازوں اور ریل گاڑیوں کے ذریعے طے کیا جس کی وجہ سے براعظم ایشیا میں سفر کے دوران اسے بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چین میں سفر کے دوران اس نے کوڑھیوں کی ایک کالونی بھی دیکھی جبکہ سنگاپور سے اس نے ایک بندر بطور ہمراہی خرید لیا۔

موسم کی خرابی کی وجہ سے بحر الکاہل کو بحری جہاز اوشیا تک میں عبور کرتے ہوئے نیلی اپنے شیڈول سے دو دن کی تاخیر کے بعد سان فرانسسکو پہنچی۔ سان فرانسسکو سے اخبار نیویارک ورلڈ کے مالک جوزف پلٹرز نے ایک چارٹرنگی ٹرین کے ذریعے نیلی بے کے نیویارک تک کے سفر کا خصوصی انتظام کیا اور وہ 25 جنوری 1890ء کو تین بج کر اکیاون منٹ پر نیو جرسی پہنچی۔

عالمی سفر کا نیاریکا روڈ

اپنی روانگی کے تقریباً 72 دن کے بعد نیلی بے دنیا کے گرد چکر لگا کر واپس نیویارک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی اور اس نے یہ طویل سفر اکیلے ہی طے کر لیا۔ جبکہ کوئٹہ پلٹین کی رپورٹیں لینڈ Bisland اس وقت ابھی بحر اقیانوس کو عبور کر رہی تھی اور وہ نیلی سے تقریباً ساڑھے چار دن بعد نیویارک پہنچی اور یوں نیلی کو شکست دینے میں ناکام رہی۔ نیلی نے دنیا کے گرد سفر کرنے کا نیاریکا روڈ قائم کیا جسے تقریباً چند ماہ بعد جارج فرانسس ٹرین نامی شخص نے توڑ دیا جس نے صرف 60 دن میں دنیا کے گرد سفر مکمل کیا۔ بعد ازاں 1913ء میں یہ سفر اس سے کم دنوں میں بھی مکمل کیا گیا تھا۔

نیلی نے 1895ء میں 31 سال کی عمر میں ایک امریکی کروڑپتی سے شادی کی جس کی عمر 73 سال تھی۔ شادی کے بعد نیلی صحافت سے دستبردار ہو گئی اور لوہے کی چادریں بنانے کی صنعت کا رہن گئی۔ اس نے اپنے اس یادگار سفر کی روئیداد اپنی کتاب Around The World in Seventy Two Days میں لکھی۔

(57)

1895ء جوشوا سلوکم

JOSHUA SLOCUM

دنیا کے گرد تنہا کشتی میں پہلی بار سفر کرنے والا مہم جو سیاح

اچانک گم شدگی

جوشوا سلوکم وہ بہادر مہم جو اور سیاح تھا جس نے تنہا اپنی کشتی میں دنیا کے گرد سفر مکمل کیا تھا۔ وہ کینیڈا کے صوبے نووا اسکوشیا میں پیدا ہوا تھا (20 فروری 1844ء) اور اس نے بطور مصنف اور مہم جو سیاح کی حیثیت سے شہرت پائی۔ 1900ء میں اس نے اپنے دنیا کے گرد تنہا اس سفر پر ایک کتاب *Sailing Alone Around the World* لکھی جو دنیا بھر میں بہت زیادہ فروخت ہونے والی کتاب قرار پائی۔ نومبر 1909ء میں اپنی کشتی *The Spray* میں سفر کرتا ہوا اچانک غائب ہو گیا۔

سمندری آب و ہوا کا شوقین

جوشوا سلوکم نووا اسکوشیا میں ماؤنٹ ہیٹلے کے مقام پر اپنے خاندان کے ذاتی فارم میں پیدا ہوا اور اس نے ماؤنٹ ہیٹلے اسول میں پڑھنا لکھنا سیکھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے سمندر مہم جوئی میں دلچسپ لینا شروع کر دی تھی اور وہ ساحلی بادبانی کشتیوں میں خلیج فنڈی Bay of Fundy میں ماؤنٹ ہیٹلے کے قریبی مقامات تک سفر کرتا رہا تھا۔ جوشوا سلوکم کانانا جنوب مغرب سمت میں واقع ایک مینارہ روشنی Light House کا منتظم تھا جبکہ اس کا والد سخت ڈسپلن کا قائل ایک دکاندار تھا مگر جوشوا سلوکم دکانداری پر سمندر کی آب و ہوا کو ترجیح دیتا تھا اور سمندر کی مہمائی زندگی کی طرف راغب تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے گھر سے کئی بار بھاگنے کی کوشش کی اور آخر 14 سال کی عمر میں کامیاب ہو گیا اور ماہی گیری کی ایک کشتی پر اس نے کیمبن بوائے اور باوچی کی ملازمت اختیار کر لی اور اس طرح وہ سمندر کی مہمائی زندگی

کو اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر جلد ہی گھر واپس لوٹ آیا۔ دو سال بعد جب وہ 16 سال کی عمر کو پہنچا تو اس کی ماں کا انتقال ہو گیا اور جو شوا سلو کم نے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کو خیر آباد کہہ دیا۔ وہ اور اس کا ایک دوست کینیڈا کی بندرگاہ میں ڈبلن آئر لینڈ جانے والے ایک تجارتی بحری جہاز پر ملازم ہو گئے۔

سمندر کے سفر کے دوران بورڈ کے امتحان کی تیاری

ڈبلن پہنچے پر وہ انگلستان کی بندرگاہ لیور پول Liver Pool منتقل ہو گیا اور اس نے ایک ملاح کے طور پر ایک برطانوی تجارتی جہاز تنجیر Tangier پر ملازمت کر لی۔ یہ تجارتی جہاز چین جا رہا تھا۔ ملاح کی حیثیت سے اس نے دو سال کے عرصے میں کیپ آف دی گڈ ہاپ، جنوبی افریقہ کے دو بار چکر لگائے اور چکارتہ جو اس زمانے میں ملاویہ Batavia کہلاتا تھا اور ڈچ ایسٹ انڈیز میں واقع تھا، سنیلا اور ہانگ کانگ، سائیکون، سنگاپور اور سان فرانسسکو تک کے سفر کیے۔ سمندر کے سینے پر سفر کرتے ہوئے اس نے بورڈ آف ٹریڈر کے امتحان کی تیاری کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں دوسری پوزیشن میں اس امتحان کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ 1865ء اس نے سان فرانسسکو میں مستقل سکونت اختیار کی اور امریکی شہریت حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ سامن مچلی اور Fur کی تجارت سے وابستہ رہنے کے بعد وہ ساحلی بادبانی کشتیوں کا کپتان بن گیا۔ 1869ء میں اس نے سان فرانسسکو سے آسٹریلیا اور پھر براستہ الاسکا واپسی کا سفر کیا اور بحر الکاہل کو کامیابی سے عبور کر کے واپس لوٹا۔ 1871ء میں اس نے ورجینیا البرٹینا وا کر سے شادی کی جس کا تعلق نیویارک کے ایک خاندان سے تھا۔

الاسکا میں سفر کرتے ہوئے اس کی کشتی واشنگٹن کے ایک سمندری طوفان میں گھر کر غرقاب ہو گئی تاہم جو شوا سلو کم اپنی اور اپنے عملے کی زندگیوں بچانے میں کامیاب ہو گیا اور بڑی حد تک اس کشتی پر لدا ہوا سامان تجارت بھی اس نے ڈوبنے سے بچا لیا۔ اس کے اس کارنامے سے ہینک کینی اتی متاثر ہوئی کہ اس نے جو شوا کو ایک اور کشتی Constitution کی کمانڈے دی۔

سخت ترین سفر

1893ء میں جو شوا سلو کم نے وہ سمندری سفر کیا جو اس کے اپنے الفاظ کے مطابق اس کی زندگی کا سب سے سخت ترین سفر تھا۔ یہ امریکہ کے مشرقی ساحل سے برازیل تک کا سفر تھا جو جو شوا سلو کم نے دخانی طاقت سے چلنے والی تار پیڈو بوٹ ڈسٹرائر Destroyer کو برازیل پہنچانے کے لیے کیا تھا۔ ڈسٹرائر دشمن کے بحری جہاز پر 300 فٹ سے تار پیڈو مارنے کی سکت رکھتی تھی۔

سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب

جو شوا سلو کم دنیا کا وہ پہلا انسان تھا جس نے اپنی بادبانی کشتی ”سپرے“ Spray میں دنیا کے گرد تہا سفر کیا

تھا۔ 1900ء میں اس نے اس سفر کی روئیداد پر مبنی کتاب *Sailing Alone Around the World* لکھی تھی جو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بن گئی تھی۔

46000 میل کا سفر

جوشوا سلوکم ایک انتہائی تجربہ کار جہاز ران تھا اور اس نے تیرہ مہینے میں میساچوسٹس امریکہ میں اپنی کشتی سپرے دوبارہ خود تیار کی تھی اس کشتی میں جوشواں 24 اپریل 1895ء سے 27 جون 1898ء تک دوبارہ بحر اوقیانوس کو عبور کیا تھا اور آبنائے جبرالٹر سے جنوبی امریکہ میں واقع آبنائے ماگنلین تک کئی بار سفر کیا تھا۔ اس نے جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کی بھی سیاحت کی تھی اور میساچوسٹس امریکہ واپس لوٹنے وقت اس نے تقریباً 46000 میل کا سفر کیا تھا۔

بحرالکامل میں سفر کرتے ہوئے وہ کئی بندرگاہوں میں ٹھہرا اور اس نے اپنے اس سفر پر کئی مقامات پر لیکچر دیے تھے۔ اس کی اس سیاحت کا احوال پہلے قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ 1900ء میں اس نے اسے کتاب کی شکل دی تھی۔ اس کتاب میں اس کے سفر کی نایاب تصاویر بھی شامل تھیں۔

دوران نیند کشتی کی حفاظت ایک خیالی پائلٹ کے سپرو

اپنے اس سفر نامہ میں جوشوا نے اپنی سفری روئیداد مسلسل ایڈونچر کی شکل میں بیان کی ہے اس تنہا سفر کے دوران جب وہ سوتا تھا تو اپنی کشتی کی حفاظت ایک خیالی پائلٹ کے سپرہ کر دیتا تھا جو اس کے مطابق کولبس کے امریکہ کے دریافت کے سفر میں اسکے چہار پٹا کا کپتان تھا۔ اس تنہا سفر میں وہ بوسٹن، مگلو سیسٹر، نووا اسکوشیا، جزائر اے روں، جزائر، کیناری آئی لینڈ، کیپ وردی، سڈنی، ملبورن، شامیہ، کرسمس آئی لینڈ، ڈربن کیپ ٹاؤن، ہیلینا، ٹرینیڈا، فیروہیون سے گزرا۔ اس کے اس تنہا سمندر سفر میں اسے جن خطرات کا سامنا تھا ان میں دھند، آندھیاں، سمندری طوفان، دوسرے بڑے جہازوں سے ٹکراؤ، تنہائی، جسمانی ماندگی اور الکساہٹ، جہاز رانی کی تھکاوٹ، مشینی کل پرزوں کی خرابی، اس کے علاوہ سمندر میں ساحل کے قریب سفر کرنے میں بحری قزاقوں کے علاوہ وحشی آدم خور قبائل کے حملے کا بھی سخت خطرہ تھا۔

کسی سمندری کھاڑی میں محصور ہو جانے کے علاوہ سمندر میں بھٹک جانے، اٹھلے پانی میں ریتلے پوشیدہ کنارے پر چڑھ جانے، سمندر میں چھپے ہوئے موٹکے کی چٹانوں سے ٹکراؤ کے علاوہ کشتی کے ڈوب جانے کے خطرات بھی پورے سفر میں اس سر پر مٹلاتے رہے۔ ٹیرا ڈیل فوگو Terra Del Fuego سے گزرنے کے بعد اسے ساحلی گارڈز نے رات کے وقت وحشی ریڈ انڈین Yahgan قبائل کے متوقع حملے سے خبردار کیا گیا تو اس نے اپنی کشتی کے عرشے پر کھیل بچا دیے تاکہ کسی متوقع وحشی قبائل کے حملے سے بچا جاسکے۔ اکثر اوقات وہ رات گئے دروزہ آوازوں سے جاگ اٹھتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے دفاع کے لیے کی گئی ان کوششوں پر فخر کرتا تھا۔

پتوار کے دستے کو چھوئے بغیر دو ہزار میل کا سفر

اس کے علاوہ اس سفر کے دوران جہاز کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے ایک قسم کی آٹو پائلٹ جیکنیک بھی ایجاد کی تھی جس کی وجہ سے بحرا کا ٹائل میں سفر کرتے ہوئے اس کی کشتی نے اس کے پتوار کے دستے کو چھوئے بغیر دو ہزار میل تک سفر کیا تھا۔

1950ء میں جوشوا سلوکم کے اس یادگار سفر کو دوبارہ کرنے کا اعلان رابرٹ کارل آف مونٹگن نے کیا تھا اور جوشوا کی بادیانی کشتی ”سپرے“ کا نقش نامی بھی تیار کر لیا تھا مگر اس اعلان کے باوجود جوشوا کے نقش قدم پر اس کے سفر کرنے کا کوئی اور ثبوت نہیں ملا تھا۔ 1976ء میں بھی جوشوا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا کے گرد تہا سفر کرنے کی ایک کوشش کی گئی تھی۔

(58)

1890ء مولانا شبلی نعمانی

اردو دنیا کو علامہ شبلی کے ان دوستوں اور عزیزوں کا مشکور ہونا چاہیے جن کے امر اور پرانہوں نے اسے معلومات افزا سفر نامہ قلم بند کیا اور یہ خزانہ علمی اردو دانوں کے ہاتھ لگ گیا۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد

سیاحت کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک دقیق اور پراز معلومات سفر نامہ لکھنے والے علامہ شبلی نعمانی (1857-1914ء) مؤرخ، معلم، سیاح اور عربی، فارسی اور اردو ادب کے متبحر عالم، اعظم گڑھ کے نواحی قصبہ بندول میں پیدا ہوئے۔ والد شیخ حبیب اللہ بیک وقت کامیاب تاجر اور وکیل تھے۔ علامہ شبلی نے مولانا محمد فاروق، مولانا فیض الحسین، مولانا ارشاد حسین اور مولانا احمد علی جیسے جید علمائے تعلیم پائی۔ 1876ء میں سفر حجاز کیا اور وکالت کا امتحان پاس کیا مگر وکالت میں دل نہیں لگا۔ 1882ء میں بطور مددگار پروفیسر علی گڑھ کالج میں تقرر ہوا جہاں علمی کاموں کے لیے بہت سی سہولتیں میسر آئیں۔ پروفیسر آرنلڈ سے بعض جدید علوم میں استفادہ کیا۔ سر سید احمد خاں کی محبت کا بڑا اثر ہوا۔ اردو میں پراثر قومی نظمیں کہیں جن میں ”صبح امید“ خاص طور پر تحریک علی گڑھ کی نمائندہ ہے۔ ان کے علی گڑھ کے شاگردوں میں چوہدری ثار، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی، سجاد حیدر یلدرم قابل ذکر ہیں۔

سر سید کی وفات کے بعد 1898ء میں ”ندوۃ“ سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد حیدر آباد گئے اور چار سال علمی اور تعلیمی کاموں میں مصروف رہے۔ بعد ازاں ندوہ آ کر اس کے نصاب میں انگریزی بھی شامل کیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی جو ان کا ایک خاص کارنامہ ہے کتب خانے کے لیے انہوں نے اپنا باغ وقف کر دیا۔ آپ کی تصانیف میں شعر العجم، الفاروق، العثمان، سوانح مولانا روم اور سیرت النبی ﷺ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا سفر نامہ روم و مصر و شام ایک خاصے کی چیز ہے۔

سفر کا آغاز

علامہ شبلی نعمانی نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ سفر سے واپس آنے کے بعد دوستوں کے اصرار پر حالات سفر قلم بند کیے۔ اس طرح اردو زبان میں ایک دقیق اور پراز معلومات سفر نامے کا اضافہ ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے سفر کے حالات و واقعات کو سپرد قلم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رمضان المبارک 1309ء میں میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب علمانہ سفر تھا اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا نہ واقعات سفر میں چنداں کوئی ندرت تھی سفر نامہ لکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر سفر سے واپس آیا تو ہر دوست و عزیز سفر نامہ کا متقاضی تھا۔“

علامہ شبلی نعمانی کی یہ عالی ظرفی تھی کہ انھوں نے اپنے اس عالمانہ سفر کو محض طالب علمانہ کہہ کر اپنے عجز و انکسار کا اظہار کیا ورنہ ان کا یہ سفر اتنے قیمتی تجربات و مشاہدات کا آئینہ دار تھا کہ اگر اسے سفر نامہ کی صورت میں شائع نہ کیا گیا ہوتا تو اس وقت تک ترک و مصر کے صحیح حالات سے واقفیت کا کوئی اور معتبر ذریعہ اردو زبان کے پاس نہیں تھا۔ اردو دنیا کو علامہ شبلی کے ان دوستوں اور عزیزوں کا مشکور ہونا چاہیے جن کے اصرار پر انھوں نے اتنا معلومات افزا سفر نامہ قلم بند کیا اور یہ خزانہ علمی اردو دانوں کے ہاتھ لگ گیا۔

سفر کی نوعیت

علامہ شبلی کا یہ سفر خالصتاً علمی نوعیت کا تھا۔ انھیں محقق اور ادب و تاریخ سے خصوصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا اور اسی مطالعہ کے دوران انھیں اہل یورپ کی دنیائے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تھا۔ اہل یورپ کی مسلمانوں اور بلاد اسلامیہ کو بدنام کرنے کی حکمت عملی یورپی سامراجی قوتیں پوری طاقت سے جاری کی ہوئی تھیں۔ ترکوں کے سلسلے میں یورپی مورخین نے اور زیادہ زہر افشائیاں کی تھیں اور زہریلے پروپیگنڈا پھیلا یا ہوا تھا۔ ان تمام اسباب کی روشنی میں شبلی کا یہ سفر ایک نیک فال ثابت ہوا۔ اس سفر نامہ میں انھوں نے دنیائے اسلام کی ایک واضح اور مختلف تصویر پیش کی جو یورپی مورخین سے بالکل الگ اور جدا تھی۔ انھوں نے یورپی پروپیگنڈے کے زہریلے اثرات اپنی تحریروں سے زائل کرنے کی کوشش کی اور ترکوں کے گرد جو غبار دنیائے مغرب نے پھیلا یا تھا اسے دور کر دیا

بادشاہوں سے ملاقاتیں

شبلی نے اپنے اس سفر میں یوں تو علمی کاموں کی طرف ہی زیادہ توجہ دی اور قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس اور قاہرہ کے ہر قابل ذکر مدرسہ، دارالعلوم، کتب خانہ سر مشیہ تعلیم اور درس و تدریس کا بغور مطالعہ کیا اور علمی کاموں کا تحقیقی

جائزہ لیا اور اسی کے ساتھ شہر کے عام اجمالی حالات، قابل دید مقامات اور مشہور عمارات کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی۔ مشہور اخبارات و رسائل کا تجزیہ کیا۔ بادشاہوں اور ارباب اقتدار سے ملاقاتیں کیں اور عربوں اور ترکوں کے اخلاق و آداب کے بارے میں تفصیلات جمع کر کے ان تمام خوبیوں کو اجاگر کیا جنہیں متعصب یورپ مورخین نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

سمندر میں سفر

شبلی نعمانی نے بحری جہاز کے سفر کے واقعات بھی قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ شبلی کا جہاز بمبئی سے روانہ ہو کر جب سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ سر میں درد اور متلی کی وجہ سے طبیعت میں بے کیفی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور کئی دن اسی کیفیت میں گزرتے ہیں پھر طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور سفر میں لطف آنے لگتا ہے۔ اس کے بعد پیش آنے والے سمندی واقعات شبلی مزے لے لے بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ قارئین کو اس متعصب عیسائی کا قصہ بھی سناتے ہیں جو مسٹر آرنلڈ کے عری پڑھانے سے جلا تھا اور عربی کو اونٹنوں کی زبان کہہ کر تحقیر آمیز انداز میں نہایت برے لہجے کے ساتھ عربی کے الفاظ ادا کرتا تھا۔ شبلی کے اندر ایک سچے سیاح کی روح موجود تھی اور دوران سفر پیش آنے والی صعوبتوں کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اور ان کی قطعی پروا نہیں کرتے۔ ہر طرح کی معلومات یکجا کر کے انھوں نے اس سفر نامہ کو معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بنا دیا ہے۔ عمارتوں کا حال ہو یا افراد کا ذکر، قابل دید معلومات کی سیر ہو یا کسی دارالعلوم کے اصول و ضوابط، انھوں نے ہر چیز کو زبان عطا کر دی ہے۔ ایک مقام پر قسطنطنیہ کی عمارتوں کا حال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

قسطنطنیہ کی عمارتوں کا حال

”یہاں کی عمارتیں ہندوستانی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ ہیں اور کچھ چو منزلہ بھی ہیں۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کے محلات بھی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جل کر تباہ نہ ہوں اور کبھی کبھی تو پورے محلے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔“

علامہ شبلی کے سفر نامے کی یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ اس کو پڑھ کر اگر کوئی شخص اس عہد کے روم، مصر و شام میں قدم رکھتا ہے تو اسے ہر چیز مانوس مانوس سی اور جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ سب کچھ وہ پہلے علامہ شبلی کی آنکھوں سے اس کی تحریروں کے ذریعے دیکھ چکا ہوتا ہے۔

(59)

1899ء اکائی کاواگوچی

EKAI KAVH GUCHI

دنیا کے دور دراز گوشے میں واقع ملک تبت کا احوال جو ایک جاپانی سیاح نے رقم کیا

اکائی کاواگوچی ایک جاپانی بدھ راہب تھا۔ وہ اپنے نیپال کے چار سفروں کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے 1899ء، 1903ء، 1905ء اور 1913ء میں کیے تھے۔ وہ 26 فروری 1866ء کو جاپان میں پیدا ہوا اور اس نے 24 فروری 1945ء کو ہمر 79 سال وقات پائی۔

تارک الدنیا راہب

اکائی کاواگوچی جس کا پیدائشی نام ساداجیرو Sada Jiro تھا بچپن ہی سے راہب بننے کی طرف مائل تھا۔ وہ ایک ایسے ملک میں مذہبیات کی طرف مائل تھا جو تیزی سے ترقی کر رہا تھا اور وہاں جدیدیت کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔ اس نے بدھ مت کے تمام عقائد اور اصول اپنا لیے تھے۔ وہ ایک سبزی خور اور پاکیزگی کا بہت خیال رکھنے والا راہب تھا جبکہ دوسرے بدھ راہب ایسی باتوں کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر وہ ایک تارک الدنیا اور جاپان کی سیاسی بدعنوان زندگی سے کوسوں دور تھا۔ 1891ء تک وہ ایک بدھ خانقاہ سے ٹوکیو میں وابستہ رہا۔ اس کے بعد وہ کیوٹو Kyoto میں تین سال تک ایک تارک الدنیا راہب کی حیثیت سے چینی بدھ صحائف پڑھتا رہا اور پالی زبان سیکھتا رہا۔ جب اس نے جاپان میں بدھ مت کی زبوں حالی دیکھی تو اس نے بدھ مت کی جنت تبت جانے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ تبت کسی غیر ملکی کو اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اکائی کاواگوچی کے علم میں نہیں

آیا تھا کہ بہت سے جاپانی عالموں نے 1890ء کی دہائی میں تبت جانے کی کوششیں کی تھیں مگر ناکام رہے تھے۔ وہ تبت سے بدھ مت کی نایاب کتب جاپان لانا چاہتے تھے۔

ہندوستان کا سفر

اکائی کا داگوچی جون 1897ء میں جاپان سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس کے پاس کوئی نقشہ یا گائیڈ بک نہیں تھی۔ ہندوستان کا سفر اس نے ایک سامان لے جانے والے بحری جہاز پر کیا۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی زبان بولتا اور سمجھ سکتا تھا مگر ہندی اور تبتی زبان کے ایک لفظ سے بھی آشنا نہیں تھی۔ ایک تارک الدنیا راہب کی حیثیت سے اس کے پاس زاد راہ کے لیے کوئی خاص رقم بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے دوستوں سے اپنے سفر کے لیے کوئی امداد و عطیات لینے سے پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس کی بجائے اس نے بہت سے مانی گیروں اور قصا بوں کو ان کے آبائی پیشے چھوڑ کر بدھ مت کے اصولوں کے مطابق سبزی خوردہ بنا دیا تھا۔ محض اس لیے کہ کراما اس کے اس سفر کو کامیاب بنا دے اور یہی اس سیاح کا زاد راہ تھا۔

جاسوسی کا الزام

ہندوستان پہنچنے پر اس کی ملاقات ایک تبتی عالم، چندر داس سے ہوئی جو برطانوی ایجنٹ تھا۔ اس نے اکائی کا داگوچی کے شمالی ہندوستان کے سفر کو ترغیب دیا تھا۔ بعد ازاں کا داگوچی پر یہ الزام لگا تھا کہ وہ چندر داس کے لیے جاسوسی کرتا ہے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا اور نہ ہی کا داگوچی کی سفری ڈائری میں اس کے متعلق کوئی اشارہ ملتا ہے کا داگوچی دارجلنگ میں تقریباً کئی ماہ تک ایک تبتی خاندان کے ساتھ قیام پذیر رہا۔ اس کے اس قیام کا بندوبست چندر داس نے کیا تھا۔ تبتی خاندان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس نے تبتی زبان پر دسترس حاصل کر لی اور وہ روانی سے تبتی زبان بولنے لگا۔

ہمالیہ سے تبت

ہمالیائی کوہستان کو اس نے ایک ناقابل اعتماد گائیڈ کے ساتھ ایک غیر معروف کچے راستے سے عبور کیا اور وہ تبت پہنچ گیا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ راستے میں ملنے والا ہر شخص اس کے لیے دوستی کے جذبات رکھتا تھا چاہے وہ کوئی عام راہ گیر تھا یا کوئی چرواہا یا پھر کوئی لٹیرا۔ لیکن اس کے باوجود اسے تبت کے دارالحکومت تک پہنچنے میں تقریباً چار سال لگے۔ اس دوران اس نے ہر تبتی خانقاہ میں حاضری دی اور مغربی تبت میں واقع حبرک پہاڑ کیلاش Kailash کی زیارت بھی کی۔ اس دوران اس نے ایک چینی راہب کا لباس پہنا ہوا تھا اور ایک طبیب کی حیثیت سے اس نے شہرت پائی تھی جو بالآخر اسے تیرحوں دلائی لاما، تھوبٹن گیاٹسو Thubten Giatso کے دربار تک لے گئی۔ اس نے میرا Sera کے خانقاہ میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا۔

بدھ مت کے متبرک مقامات

اکائی کا داگوچی نے تبت میں قیام کے دوران اپنا پورا وقت بدھ متبرک مقامات کی زیارت اور بدھ مت کی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ اگرچہ اسے تبتی زبان پر عبور حاصل تھا مگر اس کے باوجود وہ تبتی راہبوں کا بدھ مت کے اصولوں سے معمولی سا انحراف بھی برداشت نہیں کرتا تھا اس بر فانی ملک میں جہاں زراعت برائے نام تھی وہ بدھ راہبوں کی گوشت خوری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ تبت کے خانقاہی حلقوں میں اپنے لیے کوئی مقام نہیں بناسکا تھا مگر ایک چینی طبیب کی حیثیت سے وہ بڑا کامیاب رہا تھا۔

کا داگوچی نے لہذا میں چینی طبیب کے بھیس میں وقت گزارا اور جب اس کے اس بھیس کی قلعی کھلی تو اس نے نہایت سرعت سے یہ ملک چھوڑ دیا۔ اس نے تبت کی حکومت کو بہت سی عرضداشتیں بھی گزاریں کہ ایک راہب کی حیثیت سے اسے تبت میں رہنے دیا جائے مگر اس کے دوستوں نے اسے یقین دلایا کہ اسے اس قیام کی قانونی اجازت نہیں مل سکتی۔ جن لوگوں کے ہاں اس نے اپنے غیر ملکی ہونے کا راز افشا ہونے کے بعد پناہ لی تھی تبتی حکومت نے ان لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا اور انھیں اس کی سزا دی۔ تبت چھوڑ دینے کے بعد اس نے اس وقت کے نیپالی وزیراعظم چندرا شیرانا سے مدد کی درخواست کی۔ نیپالی وزیراعظم کی سفارش پر تبت کی حکومت نے کا داگوچی کے دوستوں کو قید سے رہا کیا۔

تبت سے واپسی

کا داگوچی جب جاپان واپس پہنچا تو اس کے تبتی سفر کی داستان نے جاپانیوں کے دلوں میں دور دراز تبت کو دیکھنے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ جلد ہی اس کا سفر نامہ تبت منظر عام پر آ گیا۔ اس نے تبتی شہروں اور شہریوں کا جواحوال پیش کیا تھا اس کے مطابق صحت عامہ کے انتظامات کی وہاں بہت کمی تھی اور تبتی شہری اچھی زندگی نہیں گزار رہے تھے۔ خانقاہی اصولوں سے انحراف وہاں عام تھا اور مختلف قسم کی بدعنوانیوں اور توہمات تبتیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف اپنے تبت میں قیام کے دوران کا داگوچی نے تبت کے لوگوں کے دوستانہ رویے کی تعریف بھی کی۔ کا داگوچی کے بیان کردہ تبت کے متعلق حقائق پر جاپانی اخباروں میں بھی بڑی لے دے ہوئی اور تبتی لوگوں کے صحت عامہ کے اصولوں سے انحراف پر بڑی تنقید کی گئی۔ ادھر نیرٹا یا سوتیرو Narata Yasuteru نامی ایک جاپانی جاسوس کو خفیہ طور پر 1890ء کی دہائی کے آخری سالوں میں تبت بھیجا گیا تاکہ وہ کا داگوچی کے بیانات کی تحقیق کرے جس نے گمنام شخص کی حیثیت سے کا داگوچی پر الزام لگایا کہ وہ کبھی تبت نہیں گیا۔ جب اس کے لگائے گئے یہ الزامات اخبارات میں اچھالے گئے تو تحقیق سے پتہ چلا کہ نیرٹا خود کبھی تبت میں داخل نہیں ہو سکا تھا اور اس کی الزام تراشی محض کاغذی کارروائی تھی اور کا داگوچی کو پہلا جاپانی ہونے کا شرف حاصل تھا جس نے تبت کی سیاحت کی تھی۔

تبت کے قدرتی حسن کی تعریف

1896ء میں لومبینی Lumbini کے مقام پر اشوک اعظم کی ایک لائٹھ دریافت ہونے کے بعد پتہ چلا کہ یہی مہاتما بدھ کی پیدائش کا مقام ہے تو اکائی کاواگوچی نے لومبینی کی سیاحت کی اور 1912ء میں وہ دوسرے کئی جاپانیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ لومبینی کی سیاحت کے بعد 1913ء میں وہ آخری بار پھر تبت گیا۔ اس مرتبہ اس نے تبت کے بارے میں بہت سی نظمیں بھی لکھیں جن میں تبت کے قدرتی حسن کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ اس مرتبہ وہ تبت کی فن سنگ تراشی کے کئی نمونے بھی اپنے ساتھ جاپان واپس لے گیا۔ وہ ہندوستان کی مسز اینی بسنت کا دوست تھا۔ اینی بسنت نے کاواگوچی کو اس کا سفر نامہ انگریزی میں شائع کرنے کی سفارش کی تھی اور Three Years in Tibet شائع کیا تھا۔

(60)

مولوی محبوب عالم

براطظم یورپ، ایشیا کو چک وار بلاد شام و مصر کی سیاحت کرنے والے برصغیر کی مشہور شخصیت

مولوی محبوب عالم (1882-1937ء) ممتاز صحافی اور انشا پرداز گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے مٹھی فاضل کا امتحان اعزازی طور پر پاس کیا جس کے اعتراف کے طور پر پنجاب یونیورسٹی نے انھیں نقد انعام کے علاوہ متعدد کتابیں بھی دیں۔ ابتدا میں گوجرانوالہ میں اپنے چچا مولوی احمد دین کے پریس میں کام کیا۔ چچا نے اپنے ہونہار بیٹے کی انتظامی صلاحیتوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تو پریس ان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے گوجرانوالہ سے پیسہ اخبار جاری کیا پھر جب پریس کو لاہور منتقل کیا تو پیسہ اخبار بھی لاہور سے ہی شائع ہونا شروع ہو گیا۔ اس اخبار کی قیمت اس زمانے میں صرف ایک پیسہ تھی اور یہ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں برصغیر پاک و ہند کا مقبول ترین اخبار بن گیا۔

یورپ کی سیاحت پر

مولوی محبوب عالم صاحب نے اسی زمانے میں یورپ کی سیاحت کی اور اپنا ”سفر نامہ یورپ“ لکھا۔ اپنے اسی سفر نامہ کے دیباچہ طبع اول میں وہ خود رقم طراز ہیں کہ:

”جب میں نے 1900ء میں بیس کی عالمگیر نمائش گاہ اور انگلستان اور دیگر ممالک یورپ کے ساتھ قسطنطنیہ، شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اس سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں شائع کرائے جسے تمام ملک میں نہایت پسند کیا گیا۔ یورپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رام پور فرمایا کہ سر سید احمد خاں کے سفر یورپ کے حالات کے بعد کبھی اس قدر دلچسپی سے میں نے یورپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت نہیں پڑھی تھی۔ اس طرح سینکڑوں دیگر احباب نے بھی ان حالات کو پسند کر کے انھیں کتابی شکل میں شائع کرنے کا تقاضا کیا۔“

یوں 1908ء میں مولوی محبوب عالم کا سفر نامہ یورپ شائع ہوا۔ اس سفر نامہ کے مطابق مولوی محبوب عالم

27 مئی 1900ء کو لاہور سے بذریعہ ٹرین بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی سے کیم جون کو جہاز امپیرے ٹرس میں بیٹھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ:

”جو شخص جہاز میں پہلی مرتبہ سوار ہوا ہو اس کے لیے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کیسا ہیبت ناک ہوتا ہے کہ اس وقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے، ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔“

یورپ میں

7 جون کو گیارہ بجے دن یہ جہاز 1664 میل کا سفر طے کر کے یمن کی بندرگاہ عدن پہنچا۔ عدن میں طاعون پھیلنے کے خطرے کی وجہ سے مولوی محبوب عالم اور دوسرے مسافروں کو عدن جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پھر یہ جہاز سرگرم بحرِ پیائی کرتا ہوا بحیرہ قلزم Red Sea سے گذر کر نہر سوئز میں داخل ہوا۔ مولوی محبوب عالم لکھتے ہیں کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے ایک قدیم بادشاہ رمسیس ثانی نے بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان ایک نہر کھدوائی تھی۔ 18 جون کو جہاز یورپ کے پہلے شہر ٹریسٹ پہنچا۔ پھر مولوی محبوب عالم صاحب نے انگلی صبح اٹلی کے مشہور شہر وینس تک سفر کیا اور وینس کے عالی شان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور میناروں کو دیکھا اور سینٹ مارک کے گرجا کی سیر کی۔ پھر 20 جون کو ٹریسٹ سے بذریعہ ریل ویانا کے لیے روانہ ہوئے۔ ویانا کی سیاحت کے بعد مولوی صاحب جرمنی کے دارالحکومت برلن پہنچے۔ برلن میں جس ہوٹل میں ٹھہرے اس کا نام قیصر ہوٹل تھا جو جرمنی کے قیصر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ برلن سے بذریعہ ریل نو گھنٹے میں کولون پہنچے جو جرمنی ہی کا ایک شہر تھا۔ کولون سے برسلز پہنچے اور پھر یہاں سے عازم پیرس ہوئے۔ پیرس میں ان دنوں وہ عالم گیر نمائش لگی ہوئی تھی جسے دیکھنے کے لیے مولوی صاحب پیرس گئے تھے۔ مولوی صاحب نے اس نمائش کا حال خاصا طویل لکھا ہے اور پیرس کے متعلق بھی بہت معلومات فراہم کی ہیں۔ پیرس سے مولوی صاحب 17 اگست 1900ء کو لندن کے لیے روانہ ہوئے اور رود ہارا انگلستان کا سفر کر کے سرزمین انگلستان پر وارد ہوئے۔ 19 اگست کی صبح لندن کی سیاحت کئے اور پیدل ہی لندن کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہے۔ مولوی صاحب لندن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر براعظم یورپ سے بھی پرے ایک سمندری جزیرہ میں واقع ہے۔

لندن سے براستہ پیرس قسطنطنیہ کا سفر

لندن سے براستہ پیرس قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوئے اور مشرقی یورپ کے بعض ممالک کی، جس میں ہنگری شامل تھا، سیاحت کی، شہر بوڈاپٹ کی رونقوں کو دیکھا۔ 5 ستمبر کو مولوی صاحب نے بڈاپٹ سے بذریعہ خط اپنے سفر کا

احوال پیسہ اخبار کے لیے لاہور بھیجا پھر بلخاریہ سے ہوئے ترکی پہنچے اور شہر ایڈریا نوبل کی سیاحت کی اور شہر کی مشہور مساجد کی زیارت کی۔ یہاں سے 9 ستمبر کو استنبول، قسطنطنیہ پہنچے۔ جب صبح سویرے ریل گاڑی استنبول کے مضامات میں داخل ہوئی تو قسطنطنیہ کے بلند مکانات اور ارفع مینار نظر آئے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ استنبول میں وہ اجنبی نہ رہے اور ترکوں کی سرخ ٹوپیاں اور مساجد کے عالی شان مینار یا بلال و ستارہ کے نشانات انھیں اپنے سے معلوم دیے۔ قسطنطنیہ میں ترک مشاہیر سے مولو صاحب کی ملاقاتیں رہیں۔ قسطنطنیہ کا مفصل احوال انھوں نے اپنے سفر نامے میں درج کیا ہے۔ قسطنطنیہ سے بذریعہ بحری جہاز بیروت کے لیے روانہ ہوئے اور سمرنا یا ازہر کی سیاحت کرتے ہوئے جزیرہ رودس، اسکندریہ، لاز قیہ اور طرابلس سے ہوتے ہوئے بیروت پہنچے۔ بیروت کی سیاحت کے بعد ان کی اگلی منزل دمشق تھا۔ بیروت وہ بذریعہ ریل گاڑی دمشق پہنچے۔ دمشق کے مشہور مقامات میں انھوں نے صحابہ کرام اور انبیائے کرام کی قبور کی زیارت کی اور مرقد شیخ محی الدین ابن عربی پر حاضر ہوئے۔ جامع اموی دمشق میں نہ صرف نماز ظہر ادا کی بلکہ دیکھا کہ اس کے مشرقی مینارے پر بیک وقت چند رہے ہیں آدی اذان دیتے ہیں۔ مقبرہ صلاح الدین الیوبی بھی دمشق کے قابل دید مقامات میں شامل ہے۔ مولوی صاحب نے یہاں بھی حاضری دی۔ بیت المقدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے مگر دمشق سے یافتہ جاتے ہوئے جہاز کے لیٹ ہو جانے کے اندیشے سے بیت المقدس نہ جاسکے۔ فلسطین کی بندرگاہ یافتہ سے روانہ ہو کر مولوی صاحب مصر کی بندرگاہ پورٹ سعید پہنچے اور مصر کی سیاحت کی۔ سکندریہ پہنچے اسکندریہ سے واپس بمبئی سے لاہور

بذریعہ ریل قاہرہ کا سفر کیا۔ مصر کی سیاحت کے بعد وہ براستہ نہر سویز عدن بلا آخر 19 نومبر 1900 کو واپس بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ بمبئی سے بذریعہ ریل گاڑی لاہور آئے جہاں دوستوں کی لمبی قطار نے ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا پھر 23 دسمبر کو اپنے احوال سفر ایک ٹیکچر میں اسلامیہ کالج لاہور میں بیان کیے۔

(61)

1917ء سمر سیٹ ماہم

SOMERSAT MAUGHAM

مشہور برطانوی ناول نگار، ڈرامہ نگار، صحافی اور سیاح جس نے مشرق بعید کے متعلق بہت کچھ لکھا
آج کل یہ ناول انگریزی زبان کے بہترین ناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کی قدر نہ کی گئی تھی۔

سمر سیٹ ماہم 25 جنوری 1874ء کو پیرس میں پیدا ہوا۔ اس کا والد رابرٹ ماہم ایک وکیل تھا اور پیرس کے
برطانوی سفارت خانے کے قانونی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ان دنوں فرانس میں یہ قانون رائج تھا کہ پیرس کی
سرزمین پر پیدا ہونے والے بچے کو فوج میں خدمات انجام دینا لازم ہیں۔ اس قانون سے بچنے کے لیے اس کے والد نے سمر سیٹ
کی پیدائش کا انتظام برطانوی سفارت خانے کی عمارت میں کیا جو ٹیکنیکل طور پر برطانوی سرزمین تھی، تاہم سمر سیٹ ماہم نے
پیرس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کی ماں کی وفات کے بعد ماہم کو برطانیہ بھیج دیا گیا جہاں اس کے والد کی وفات کے
بعد اس کے چچا نے اس کی پرورش کی اور اسے تعلیم دلوائی۔ ماہم نے کثرت بری اور ہیڈلبرگ یونیورسٹی میں اور پھر سینٹ ٹامس
ہسپتال میں طب کی تعلیم پائی۔ لندن میں وہ کچھ عرصہ تک پیشہ ورانہ صلاحیت کو بروئے کار لاتا رہا۔ 1897ء میں اس نے
لیز آف لیمبھ لکھ کر بحیثیت ناول نگار شہرت پائی۔ اس کے بعد متعدد کتابیں لکھیں جو لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئیں۔ اس
کی تصانیف میں ایک تصنیف OF HUMAN BONJAGE ہے جو 1915ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اس
نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ایمبولینس ڈائیور کی خدمات انجام دیتے ہوئے لکھی تھی۔ اس کے ساتھ اور 24 اور مشہور
مصنف بھی ایمبولینس ڈائیور کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان میں مشہور امریکی مصنف ارنسٹ ہیمنگوے بھی شامل
تھا۔ اسی زمانے میں سمر سیٹ کی ملاقات ایک نوجوان سان فرانسسکو امریکہ کے رہنے والے جیرالڈ ہیکسٹن Gerald
Haxton سے ہوئی تھی جو اگلے 29 سال تک اس کا دوست اور ساتھی رہا۔

اشبیلیہ کی سیاحت پر

1920ء کی دہائی کے اولین سالوں میں سمریٹ ماہم کو اسپین کے مشہور شہر اشبیلیہ جانے کا موقع ملا۔ وہ اس شہر میں تقریباً سولہ ماہ تک قیام پذیر رہا اور اس نے ہسپانوی زبان پر دسترس حاصل کر لی۔ اس نے اپنے قیام پین کا ذکر In The Land of the Blessed Virgin میں کیا ہے۔ جنگ عظیم اول کے بعد اور انقلاب روس 1917ء کے رونما ہونے سے پہلے جون 1917ء میں برطانوی سیکرٹ سروس کے ایک افسر اعلیٰ سرولیم وائزمین Sir William Wiseman نے ایک خصوصی مشن پر روس بھیجا۔ اس مشن کا مقصد روس کی عبوری حکومت کو بالشویکوں کے مقابلے میں تقویت پہنچانا تھا مگر سمریٹ کے روس پہنچنے کے صرف ڈھائی ماہ بعد ہی بالشویکوں نے انقلاب اکتوبر 1917ء کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ماہم نے بعد ازاں لکھا تھا کہ اگر اسے صرف چھ ماہ پہلے اس مشن پر بھیجا جاتا تو وہ بالضرور کامیاب رہتا۔ اس نے اس جاسوسی مشن اور تجربے کو اپنے افسانوں کے انتخاب Ashenden میں پیش کیا ہے۔

چین اور جاپان کے سفر

مشرق بعید میں اس کے لاتعدادی سفروں کا سلسلہ جو بورنیو Borneo چین، بحر الکاہل اور جاپان کے سفروں پر محیط ہے 1920ء کی دہائی سے شروع ہوا تھا۔ ان سفروں میں اس دوست ہیکسٹن اس کے ساتھ تھا سمریٹ ماہم کی 78 تصانیف میں صرف چار ایسی ہیں جنہیں سفر ناموں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سرفہرست اس کی تصنیف The Gentleman in the Parlor ہے جو رنگوں سے ہے پھونگ Halphong تک اس کے سفر کا احوال ہے اور آج تک جنوب مشرقی ایشیا پر لکھی جانے والی اہم ترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ کتاب 1929ء میں شائع ہوئی تھی۔ چین کے متعلق اس کی کتاب On A Chinese Screen بھی ایک کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنوبی چین میں اس کی آوارہ گردیاں، جیسا کہ پہلے ذکر آیا، اس کی کتاب ”ان دی لینڈ آف بلیسڈ ورجن“ میں قلم بند کی گئی ہیں۔

اگرچہ اس کی تمام تصانیف کے پس منظر میں اس کے سفری کارفرما تھے مگر وہ سفر نامہ کی صنف میں شامل نہیں کی جاتیں۔ سمریٹ ماہم کی سفر نگاری کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ سفر نامہ نگاری کے اس وقت رائج تمام اصول توڑتا ہوا نظر آتا اور یہی بات اسے بیسویں صدی کے اہم سفر نگاروں میں شامل کر دیتی ہے۔

(62)

1921ء ڈیوڈ ہربرٹ لارنس

DAVID HERBERT LAWRENCE

اس کی بیوی کی ہدایت پر اس کی لاش دفنانے کے بعد نکالی گئی اور اسے اس کی وصیت کے مطابق آگ کا غسل دیا گیا اور اس کی رات کو نیو میکسیکو کے ایک گرجا گھر میں دفن کر دیا گیا۔

ڈیوڈ ہربرٹ لارنس (1885-1930ء) انگریز مصنف اور شاعر جس نے نئے موضوعات اور طرز و دونوں میں ایک خاص انفرادیت نمایاں کی اس کا اصل موضوع بے قصع اور فطری جذبات ہیں اور وہ انسان کی جبلتی قوتوں کی نشان دہی کی کوشش کرتا نظر آتا ہے جو اس کو مسرت سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ اس کے ناولوں میں Sons & White Moor، Lovers اور قوس قرح، گرفتار محبت عورتیں Women in Love اور کفنی دار سانپ The Plumed Serpent بہت مشہور ہیں۔ صحت کی تلاش میں اس نے میکسیکو کا سفر بھی کیا اور وہ سسلی اور اٹلی کی سیاحت پر بھی (1920ء) میں نکلا تھا۔

آدھی زندگی کی رضا کارانہ جلاوطنی

ڈی۔ ایچ۔ لارنس نے تقریباً آدھی زندگی رضا کارانہ جلاوطنی میں گزاری کیونکہ اس پر قحش نگاری کا الزام تھا اور سرکاری حلقے اس کے کام کا بائیکاٹ کرتے تھے۔ اپنی جلاوطنی کو وہ "Savage Pilgrimage" کہتا تھا۔ وہ کچھ زیادہ عمر بھی نہیں پاسکا اور اس کی موت کے وقت عوام میں اس کی شہرت زیادہ تر ایک قحش نگار Pornographer کی تھی جس نے اپنی صلاحیتوں کو ایسے غیر ضروری موضوعات پر لکھنے سے ضائع کر دیا تھا، تاہم اس کے ایک ہم عصر ناول نگار اور نقاد نے اس کی عوامی شہرت سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کو بطور شاعر اور ناول نگار تسلیم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ہمارے زمانے کا سب سے عظیم جذبات نگار تھا۔ اس کے بعد کیمبرج یونیورسٹی

کے ایک نقاد نے اسے انگریزی زبان کے عظیم ناول نگاروں میں شامل کر دیا تھا۔ 1915ء میں اس کا ناول قوس قزح Rain Bow شائع ہوا تو اس پر نقادوں نے نفس نگاری کا الزام لگایا۔ اسی دوران اس نے اپنا ناول ”مگر قمار محبت عورتیں“ Women In Love مکمل کیا مگر یہ 1920ء سے پہلے نہ شائع ہو سکا۔ آج کل یہ ناول انگریزی زبان کے بہترین ناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کی قدر نہ کی گئی تھی۔

جاسوسی کا الزام

انہیں دنوں جنگ عظیم اول چھڑ جانے کے بعد ڈی۔ ایچ۔ لارنس پر جرمن آبدوزوں کو سنسل دینے کا الزام لگا اور اسے جرمنوں کا جاسوس قرار دیا گیا۔ 1917ء کے آخر میں برطانوی فوج نے اسے کارن وال Corn Wall چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ 1919ء میں اس کے افسانوں کا مجموعہ سرمائی مور Wintry Peacock شائع ہوا تو وہ انفلوئنزا کا حملے کا شکار ہو گیا اور بڑی مشکل سے اس کی جان بچی۔

امریکہ اور میکسیکو میں

جنگ عظیم کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد وہ اپنی خود ساختہ جلا وطنی پر نکل کھڑا ہوا۔ اس دوران اس نے آسٹریلیا، اٹلی، سری لنکا، امریکہ اور میکسیکو کی سیاحت کی اور کچھ دنوں کے لیے وہ جنوبی فرانس میں بھی رہا۔ اس نے برطانیہ نومبر 1919ء میں چھوڑا اور وسطی اٹلی کے مقام ابروزو Abruzzo میں کچھ عرصہ رہا۔ پھر جزیرہ کپیری چلا گیا۔ کپیری کے بعد اس کی اگلی منزل سسلی تھا جہاں سے وہ سارڈینیا گیا پھر مانتی کسیو، مالٹا، شالی اٹلی، آسٹریا اور جنوبی جرمنی کی سیاحت پر نکلا۔ اسی سفر اور جلا وطنی کے دوران اس کے کئی شاہکار ناول شائع ہوئے جن میں The Lost Girl، مصائے ہارون Aaron's Rod شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ اس کا سفر نامہ Sea and Sardinia شائع ہوا جو اس کی نفیس ترین تحریروں میں سے ایک ہے اور انگریزی زبان کے بہترین سفر ناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔

سری لنکا اور آسٹریلیا

1922ء میں ڈی۔ ایچ۔ لارنس نے امریکہ میں مستقل قیام کی نیت سے یورپ کو خیر آباد کہا۔ یہ سفر امریکہ اس نے مشرق کی سمت میں کیا۔ سب سے پہلے وہ سری لنکا (Ceylon) اور پھر آسٹریلیا پہنچا۔ کچھ عرصہ وہ آسٹریلیا کے شہر ڈائٹن میں مقیم رہا جو مغربی آسٹریلیا میں واقع ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات آسٹریلیوی ادیب مولی سکفر Mollie Skinner سے ہوئی۔ اسی دوران اس نے اپنا ناول کینگروو Kangaroo مکمل کیا جو جنگ عظیم اول کے دوران اس کے کارن وال کے تجربات کا عکاس ہے۔

ستمبر 1922ء میں آخر کار لارنس ریاست ہائے متحدہ امریکہ پہنچا۔ وہ امریکی ریاست نیو میکسیکو میں دو سال تک مقیم رہا جہاں اس کی ملاقاتیں مشہور امریکی ادیب آلڈس ہکسل سے رہیں۔ امریکہ میں قیام کے دوران ڈی۔ ایچ لارنس نے *Studies In Classic American Liter* شائی کرائی جو اس کے عم عصر نقادوں کے مطابق اس موضوع پر لکھی جانے والی بہترین کتابیں تھیں۔

سلی سے سارڈینیا تک

اس کا سفر نامہ *Sea & Sardinia* اس کے جنوری 1921ء میں کیے گئے سلی سے سارڈینیا تک کے بحری سفر کا روئیداد ہے۔ یہ سفر اس نے اپنی بیوی Frieda کیساتھ کیا تھا۔ سارڈینیا کی سیاحت کے دوران وہ Mandas، Cagliari، Sargonو اور Nuoro کی سیر کے لیے گئے۔ اس سفر نامہ کی اقساط *The Dial* میں شائع ہوئیں پھر یہ سفر نامہ نومبر 1921ء میں نیویارک سے شائع ہوا جبکہ اس کا برطانوی ایڈیشن 1923ء میں نکلا۔

مرنے کے بعد بھی جلاوطن

2 مارچ 1930ء کو ڈی۔ ایچ۔ لارنس کی وفات بعارضہ ٹی بی رابرمنڈ وینس فرانس میں واقع ہوئی۔ اس کا آخری کام *Book of Revelation* تھا۔ اس کی بیوی کی ہدایت پر اس کی لاش دفنانے کے بعد نکالی گئی اور اسے اس کی وصیت کے مطابق آگ کا غسل دیا گیا اور اس کی راکھ کو نیو میکسیکو کے ایک گر جاگھر میں دفن کر دیا گیا۔ یوں مرنے کے بعد بھی ڈی۔ ایچ لارنس جلاوطن ہی رہا اور برطانیہ کبھی واپس نہ آ سکا سوائے ایک دو مختصر دوروں کے جو شاید کاروباری نوعیت کے تھے۔

(63)

1921ء قاضی عبدالغفار

مولانا محمد علی اور دیگر اراکین وفد خلافت کی واپسی کے بعد ہر شخص نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک اہل برطانیہ اور برطانوی وزراء کا تعلق ہے ہم مسلمانان ہندوستان نے آخری محبت بخش کر دی

قاضی عبدالغفار (1888-1956ء) مراد آباد بھارت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے وفات حیدر آباد دکن میں پائی۔ مشہور صحافی اور افسانہ نگار تھے۔ عملی زندگی کا آغاز صحافی کی حیثیت سے کیا۔ پہلے ”صدائق“ کلکتہ اور پھر ہمدرد (دہلی) میں کام کیا پھر متحدہ اخبار خود جاری کیے۔ آخری دور میں حیدر آباد دکن چلے گئے تھے اور وہاں سے اخبار ”پیام“ جاری کیا تھا۔ صحافت کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی تخلیقات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ”لیلیٰ کے خطوط“، ”بجنوں کی ڈائری“ اور ”تین پیسے کی چھوکری“ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ ”لیلیٰ کے خطوط کو ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے قارئین نے پسند کیا اور اسے بہت زیادہ مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں انسانی عمل کا نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے اور یہ گفتہ ادبی انداز میں قصے کے طور پر لکھی گئی ہے۔

بھارتی فوج کے مظالم کی رپورٹ

قاضی صاحب نے کچھ سوانح عمریاں بھی لکھیں۔ 1947ء میں علی گڑھ آ گئے اور انجمن ترقی اردو بھارت کے معتمد مقرر ہوئے۔ قاضی صاحب، گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد کے قریبی دوست تھے۔ اسی وجہ سے تحریک آزادی کے دوران برطانوی حکومت نے انھیں بھی قید و بند کی صعوبتیں دیں۔ حیدر آباد دکن پر ہندوستان کی حکومت کے قبضے کے بعد قاضی صاحب کو پنڈت سریندر لال اور مولانا عبدالمصطفیٰ کے ساتھ بھارتی فوج کی طرف سے کیے گئے مظالم کی رپورٹ تیار کرنے کا کام دیا گیا تو ان کی اس رپورٹ پر بھارت کی حکومت شرمندہ ہو گئی۔ قاضی صاحب 1921ء میں یورپ گئے اور انھوں نے اس کا سفر نامہ بھی لکھا۔

قاضی عبدالغفار کے سفر نامہ ”نقش فرنگ“ میں نظر افروزی کم اور عبرت انگیزی زیادہ ہے۔ قاضی صاحب

لندن میں 1921ء کے سفر کے دوران ایک غلام ملک کے سیاسی نمائندے تھے اسی لیے وہ لندن کی رعنائیوں میں گم ہو جانے کے بجائے اپنے سیاسی وجود کا احساس دلانے میں مصروف رہے تاہم جب سیاسی مذاکرات ختم ہوئے تو قاضی صاحب کے اندر کا ادیب جاگا اور انھوں نے دیدہ دل کے درمیان حائل سب پردوں کو اٹھایا۔ سفر نامے کے اس حصے میں ادبی شان پیدا ہوئی ہے۔ جدید سفر نامہ میں مشاہدات اور محسوسات میں احتراز عمل میں لایا جا رہا ہے اس کی ابتدا بجا طور پر قاضی صاحب سے منسوب کی جاسکتی ہے۔

نقش فرنگ کی اشاعت

نقش فرنگ 1924ء میں شائع ہوا تھا لیکن اس کی اشاعت میں کافی وقت لگا تھا کیونکہ قاضی صاحب نے اس کا انتساب مسیح الملک حکیم اجل خان کے نام کیا تھا۔ یہ سفر نامہ 1923ء میں سپرد قلم کیا گیا اور ”پھر دل طواف کوئے سلامت کو جائے ہے“ کے زیر عنوان پیش لفظ جون 1923ء میں لکھا۔ گزشتہ سال موسم گرما میں یورپ سے واپس آنے کے بعد چند ہفتے بمقام سوان جناب قبلہ مسیح الملک حکیم اجل خان صاحب کی پاکیزہ اور دل فریب محبت میں گزارے۔ ان ہی چند ہفتوں میں یہ اوراق مرتب ہوئے مگر ان کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یورپ کا یہ سفر 1921ء میں کیا گیا تھا اور ”نقش فرنگ“ کا مسودہ بھی اسی سال لکھا گیا تھا۔ اس وقت قاضی عبدالغفار کی عمر 33 سال تھی۔ ایک طرف لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری اور دوسری طرف آثار جمال الدین افغانی، ”حیات اجل“ اور آثار ابوالکلام آزاد کے مصنف کے حیثیت سے قاضی صاحب نے جو شہرت اور امتیاز حاصل کیا تھا اس کا نقش اولین ہمیں ان کے سفر نامے ”نقش فرنگ“ میں نظر آتا ہے۔ اس کتاب کو اپنی اولین تعریف خود قاضی عبدالغفار نے بتایا ہے۔

یورپ کا پہلا سفر

یورپ کا پہلا سفر قاضی عبدالغفار نے وفد خلافت کے سیکریٹری کی حیثیت سے کیا تھا۔ یہ خلافت کمیٹی کا دوسرا وفد تھا جو خود حکومت برطانیہ کی طلبی پر لندن گیا تھا جبکہ پہلا وفد مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں جا کر ناکام واپس آچکا تھا۔ اس کے بارے میں قاضی صاحب کا تاثر یہ تھا کہ مولانا محمد علی اور دیگر اراکین وفد خلافت کی واپسی کے بعد ہر شخص نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک اہل برطانیہ اور برطانوی وزراء کا تعلق ہے ہم مسلمانان ہندوستان نے آخری محبت پیش کر دی اس کے بعد دلائل و براہین کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی گنجائش ہے۔ پھر وزیراعظم برطانیہ لائیڈ جارج کی دعوت پر یہ دوسرا وفد لندن گیا تھا۔

(64)

1924ء۔ راہول سنگر بیتان

MAHA PANDIT RAHAL SANKRITAYAN

پھر بدھ مت اختیار کرنے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی اور آہستہ آہستہ پھر وہ مارکس بن گیا اور خدا کے وجود پر یقین کھو بیٹھا۔ یوں دہریت اس کی زندگی کا فلسفہ بن گئی۔

بابائے ہندی سفر نامہ جس نے اپنی زندگی کے 45 سال سفر میں گزار دیے مہا پنڈت راہول سنگر بیتان (1893-1963ء) بابائے ہندی سفر نامہ کہلاتا ہے۔ اس نے ہندی زبان میں یہ سفر نامہ لکھنے کی روایت قائم کی تھی۔ ہندوستان کے اس عالم نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کیے اور تقریباً اپنی زندگی کے 45 سال گھر سے باہر سیر و سیاحت میں بسر کیے۔ اس نے بہت سے مقامات کی سیاحت کے بعد سفر نامے لکھے۔ اس کا سفر نامہ ”میری لداخ یا ترا“ بہت مشہور ہے اور ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں راہول نے اس علاقے کی تاریخ و جغرافیہ کے ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت کو بھی بیان کیا ہے۔ راہول ہندو مت چھوڑ کر ایک بدھ بھکشو بن گیا تھا اور اپنی زندگی کے آخری سالوں میں مارکسٹ بن گیا تھا۔

راہول 9 اپریل 1893ء کو اعظم گڑھ تحصیل کے ایک گاؤں پنڈا Pandah میں پیدا ہوا جو بھارت کے صوبے اتر پردیش میں واقع ہے۔ تعلیم کے حصول کے دنوں میں وہ آریا سماج کے سوامی دیانند سروسوتی سے بہت متاثر تھا۔ پھر بدھ مت اختیار کرنے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی اور آہستہ آہستہ پھر وہ مارکسٹ بن گیا اور خدا کے وجود پر یقین کھو بیٹھا۔ یوں دہریت اس کی زندگی کا فلسفہ بن گئی۔

لداخ، کنور اور کشمیر

سفر و سیاحت سے دلچسپی اسے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں لے گئی جن میں لداخ، کنور اور کشمیر شامل

تھے۔ اس کے علاوہ اس نے کئی غیر مماثلک کے سفر بھی کئے جن میں نیپال، تبت سری لنکا، ایران، چین اور روس شامل ہیں۔ اس نے صوبہ بہار کے ایک گاؤں پر ساگر گڑھ میں گزارے آج کل اس گاؤں کے داخلی دروازے کا نام اس کے نام پر ”راہول گیٹ“ رکھ دیا گیا ہے۔ دوران سفر وہ زیادہ تر زمینی سواریوں میں سفر کرتا تھا۔ اس نے کئی ممالک کا سفر چوری چھپے بھی کیا جیسے کہ ان دنوں تبت میں غیر ملکیوں کے داخلے کی ممانعت تھی اس لیے وہ تبت کی سیاحت پر ایک بدھ بھکشو کے بھیس میں نکلا اور اس نے تبت کی کئی مرتبہ سیاحت کی اور وہاں سے کئی نایاب تصاویر اور پالی اور ہندی زبان کے قدیم مسودے ہندوستان لایا اور انھیں نالندہ اور کرسٹلا کی لائبریریوں میں محفوظ کرادیا۔ یاد رہے یہ مسودات بارہویں صدی میں مسلمانوں کے ہندوستان پر حملے کے دوران بھارت سے فرار ہونے والے بدھ عالم اپنے ساتھ تبت لے گئے تھے۔ ایک بیان کے مطابق یہ مسودات تبت سے واپس لانے کے لیے سنگریتیان نے 22 فچروں پر لاد کر پہاڑوں کو عبور کیا تھا۔

سات زبانوں پر دسترس

سنگریتیان بہت سی زبانوں پر دسترس رکھنے والا ایک عالم تھا۔ اسے سنسکرت، پالی، اردو، بھوج پوری، فارسی، عربی، تامل، کناڈا، تبتی اور سنہالی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ یورپی زبانوں میں وہ انگریزی، فرانسیسی اور روسی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا۔ اس نے اپنی عمر کی بیسویں دہائی میں لکھنا شروع کیا تھا اور اس کی تصانیف کی تعداد 100 سے زائد ہے اور علم التاریخ، سوشیالوجی، فلسفہ، بدھ مت، گرامر، لوک داستانیں، سائنس اور ڈرامہ اور سیاسیات جیسے علوم کا یہ کتابیں احاطہ کرتی ہیں۔ اس کی تصانیف میں ایک اہم ترین کتاب اس کا سفر نامہ ”وولگا سے گنگا تک“ ہے جو ہندی زبان میں لکھا گیا ہے۔ یہ قدیم زمانے میں آریاؤں کی روس سے ہندوستان ہجرت کے بارے میں پرازمعلومات کتاب ہے۔ یہ کتاب 600 ق م سے شروع ہوتی ہے اور 1942ء میں گاندھی کی چلائی گئی تحریک ”ہندوستان چھوڑ دو“

میری یورپ یا ترا

تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اسکے علاوہ اس کے سفر ناموں میں اہم سفر نامہ ”تبت میں سوارشا“ ”میری یورپ یا ترا“ ایشیا کے درگم بھوکاڈ میں ”میری لدانخ یا ترا“ ہیں اس کی تصانیف پر اس کو 1963ء میں ”پدم بھوشن“ بھارت کا سب سے بڑا ایوارڈ دیا گیا۔ 1937-38ء میں اسے روس کی لینن گراڈ یونیورسٹی نے اعزاز کی پروفیسر مقرر کیا تھا۔

(65)

1924- قاضی ولی محمد

قاضی صاحب کے سفر نامے میں قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود موصوف ہیں بلکہ قاری کو بھی اپنا مسافر بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے اس ملک کے ماضی کی ہر چیز کو بڑی چاہ سے دیکھا اور اس کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے۔

اندلس کے سفر پر

اندلس جسے آج کل اسپین کہا جاتا ہے مسلمانوں کی عظمت شان و شوکت کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ اندلس کا دارالحکومت میڈرڈ اور اس کا ایک عظیم شہر غرناطہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور علم و فن کی ترقی اور کامرانی کا نقطہ عروج تھا۔ تقریباً کئی ایک صدی پیشتر یہ عروج سیاسی زوال سے دوچار ہوا اور مسلمانوں کا یہ تہذیبی قلعہ مسمار ہو گیا۔ مسلمان جب اپنی عظمت پارینہ کا تصور کرتے ہیں تو اندلس انھیں بالضرور یاد آتا ہے۔ اسی اندلس کو چشم تصور سے باہر حقیقی آنکھوں سے دیکھنے کا شوق قاضی ولی محمد صاحب کو برطانوی ہندوستان سے اسپین لے گیا۔ یہاں پہنچ کر انھیں اپنی تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”میں نے 1924ء کا یہ سفر یورپ محض اندلس کی صحراوردی کے لیے کیا تھا اور حتی الامکان جزیرہ نما کے ایک بڑے حصے کی سیاحت کر کے اپنی تاریخ اندلس کے لیے تھوڑی بہت معلومات بہم پہنچائیں۔“ (سفر نامہ اندلس قاضی ولی محمد)

قاضی ولی محمد ایک بندہ تاریخ

قاضی ولی محمد بنیادی طور پر تاریخ کے آدمی ہیں۔ تاریخ نگاری ہی ان کا مقصد و سفر تھا۔ انھوں نے اپنے سفر نامے میں امور سیاست سے دور رہنے کی کوشش کی اور تخلیقی اسلوب کی نئی جہت سے روشناس کرایا۔ سفر اندلس قاضی ولی محمد کا مقصدی سفر تھا۔ وہ اندلس کی ایک مبسوط تاریخ لکھنا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ تاریخی ماخذات کو جمع کر کے

مستند حوالوں سے کتاب کو معتبر بنادیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اندلس کی سیاحت کے دوران ان راستوں سے گزرے جن سے کبھی عرب فاتحین اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے اندلس میں اپنے چار ماہ کے قیام کے دوران اسی خاص مقصد کو سامنے رکھا اور عام روش سے ہٹ کر اپنا ”سفر نامہ اندلس“ قلمبند کیا۔

اندلس کے سفر کے مقاصد

قاضی ولی محمد نے اپنے سفر اندلس کے مقاصد کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ انھیں سیر و سیاحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی اسباب تجارت سے کوئی سروکار۔ تمدن تہذیب ایجادات و انکشافات، تعلیم و ثقافت اور اسی قسم کی دوسری باتوں سے انھوں نے لاطعلقی کا اظہار کیا ہے۔ قاضی ولی محمد اپنے پورے سفر اندلس میں اندلس کی تاریخ کے اوراق پارینہ پلٹتے رہے تھے۔ تاریخ سے متعلق ہر دستاویز کو انھوں نے ایک سچے مورخ کی نظر سے دیکھا ہے اور قرآن کا بڑے غور و خوض سے مطالعہ کیا ہے۔ قاضی صاحب کے سفر نامے میں قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود محو سفر ہیں بلکہ قاری کو بھی اپنا مسافر بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے اس ملک کے ماضی کی ہر چیز کو بڑی چاہ سے دیکھا اور اس کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے۔ دوران سفر انھیں جہاں کہیں قدیم مساجد، مقابر، مزارات، دیہات اور قصبات اور شاہی کھنڈرات کا سراغ ملا وہاں وہاں وہ ضرور پہنچے۔ مسلمانوں کے چاہ و جلال اور شوکت و سطوت کو یاد کر کے وہ ہر اس مقام تک پہنچے جہاں کبھی غازیان اسلام کے گھوڑے دوڑتے پھرتے تھے۔ یوں ان کا یہ سفر نامہ خود ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

(66)

1927ء محمد اسد لیو پولڈ ویس

مشہور جرمن مفکر محمد اسد جن کا نام لیو پولڈ ویس تھا قبول اسلام کے بعد محمد اسد نام رکھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ یورپ میں رہتے ہوئے جب انھوں نے یورپ کے لوگوں کو ایک ایسے روحانی کرب میں مبتلا دیکھا جس کا علاج یورپ کی مرفہ الحالی، سائنس و تجارت کی ترقی اور سامان عیش و عشرت کی فراوانی کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس روحانی بے چینی کا علاج ڈھونڈتے ہوئے لیو پولڈ ویس نے آغوش اسلام میں پناہ لی۔

مرکز ایمان کے سفر پر

محمد اسد نے تہذیب جدید کے یورپی مرکزوں سے امن و ایمان کے مرکز یعنی مکہ تک پہنچنے کے اس سفر کی روئیداد اپنی کتاب Road To Mecca میں بیان کیا ہے جو ان کا ایک اچھوتا سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے اپنے چینی سفر و ہجرت کی داستان اور اپنے قبول اسلام کی کہانی بڑے نفسیاتی اور ادبی انداز سے سنائی ہے۔ انھوں نے بقول سید ابوالحسن علی ندوی اور موضوع کو تو ذکر اس کے اجزا کو صحرائے عرب کے پرخطر سفر، عرب کے اجتماعی و معاشرتی زندگی کے تجربات، قبائل عرب اور ان کے سرداروں اور سلطان ابن سعود اور ان کے خاندان کے امراء کے دلچسپ حالات اپنی اس سفری روئیداد میں اس طرح شامل کر دیے ہیں کہ ایک مغربی قاری ان کو اسی شوق اور دلچسپی اور تجسس کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جس شوق و دلچسپی سے وہ سند باد جہازی کے سفر نامے یا مشرق کے کسی دلچسپ اور پر از معلومات روئیداد سفر کو پڑھتا ہے۔ صحرائے عرب میں سفر کے واقعات اس انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ قاری ہر لمحہ پرخطر واقعات پر چونک اٹھتا ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں:

صحرائی طوفان کا سامنا

”صحرائی آدمی کی آمد سے پہلے میں نے اپنے سامنے والے ریت کے ٹیلے پر اچانک کچھ

حرکت سی محسوس کی۔ شاید یہ میرا گم شدہ اونٹ تھا جس کی تلاش میں میں نکلا تھا مگر جب غور سے دیکھا تو یہ حرکت ریت کے اوپر نہیں بلکہ اس کی سطح کے اندر ہو رہی تھی۔ پھر آسمان سرخ ہونے لگا اور افق پر صحرائی سرخی پھیل گئی۔ اسکے بعد ریت کے بادل کے بادل میرے چاروں طرف جمع ہونے لگے اور میرے چہرے پر طمانچہ لگانے لگے۔ جلد ہی وادی کے ہر طرف ہوا کی زبردست گزرگڑا ہٹ سنائی دینے لگی۔ آسمان تاریک ہو گیا اور ریت کے بادلوں نے سرخ کہر کی طرح سورج اور اس کی روشنی کو چھپا لیا۔ بلاشبہ یہ صحرائی آندھی تھی..... پھر اس صحرائی آندھی میں گھر جانے کے بعد وہ صحرائی بھنگ گئے اور کئی روز تک اپنے مہکیزے کا پانی ختم ہو جانے کے بعد سفر کرتے رہے۔ قریب تھا کہ وہ اس صحرائی پنہائیوں میں گم ہو کر رہ جاتے کہ کچھ عرب بدوؤں نے ان کی جان بچالی۔“

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

”عصر کا وقت تھا۔ میں مدینہ منورہ کے باہر ایک دوست کے کھجور کے باغ میں، جو قبا کے پاس واقع ہے، بیٹھا تھا۔ کھجور کے گھنے درختوں کے اندر سے ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی چمن چمن کر آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر شہر کی سفید سفید دیواریں نظر آ رہی تھیں جو سرخ پتھروں اور گارے کی بنی ہوئی تھیں۔ ادھر ادھر گنبد اور مینارے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ دور سے مسجد النبوی ﷺ کے پانچ مینار نظر آ رہے تھے، بلند اور دل نواز۔ اس کے بعد بڑا قہر خضراء بھی نظر آیا..... نبی محترم ﷺ کی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت آج بھی اسی طرح قائم تھی جیسے روز اول میں تھی۔ آج بھی وہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور مدینہ منورہ کا ایک ایک پتھر اس کی گواہی دیتا ہے۔“ (طوفان سے ساحل تک)

(67)

1937ء ایمیلیا ایر ہارٹ

AMELIA EARHART .MARY

صحراؤ قیانوس پر ہوا بازی کی حیثیت سے تنہا پرواز مکمل کرنے والی پہلی خاتون

اپنے ہوائی جہاز Lock Head M.10 سمیت اچانک غائب ہو گئی

ایمیلیا ایر ہارٹ (1897-1937ء) ایک امریکی ہوا بازی اور امریکی محکمہ ہوا بازی American

Aviation کی بنیاد رکھنے والوں میں ایک تھی۔ ایر ہارٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے بحراؤ قیانوس پر ایک خاتون ہوا بازی کی حیثیت سے تنہا پرواز مکمل کی تھی اور اپنے اس کارنامے پر اسے امریکی امتیازی فلائنگ کراس کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے ہوا بازی کے میدان میں کئی اور ریکارڈ بھی قائم کیے تھے۔ اس نے ہوا بازی کے شعبے میں اپنے تجربات پر بھی کئی بیسٹ سیلنگ کتابیں لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ اس خواتین ہوا بازیوں کی ایک تنظیم 99 NINETY-NINE قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔

دنیا کے گرد فضائی سفر

1937ء میں دنیا کے گرد فضائی چکر لگاتے ہوئے ایمیلیا ایر ہارٹ وسطی بحرالکاہل پر پرواز کرتے ہوئے

اپنے ہوائی جہاز Lock Head M.10 سمیت اچانک غائب ہو گئی تھی مگر اس کی فضائی مہمات، اس کی زندگی اور اس کے اچانک گم ہوجانے سے آج بھی لوگوں کو دلچسپی ہے۔

ایمیلیا ایر ہارٹ، سموئیل ایڈون ایر ہارٹ کی بیٹی تھی اور امریکی ریاست کنساس میں پیدا ہوئی۔ اس کے

والدین جرمن نژاد امریکی تھے۔ مہمات سے دلچسپی اسے بچپن سے تھی۔ 1916ء میں اس نے شکاگو ہائیڈ پارک ہائی سکول سے گریجوایشن مکمل کی۔ 1917ء میں کرسس کی چھٹیوں کے دوران اس نے اپنی ایک بہن سے ملنے کے لیے

ممبرنؤ کینیڈا کا سفر کیا۔ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ ایمیلیا ایر ہارٹ نے انسانی ہمدردی کے تحت ریڈ کراس سے نرسنگ کی ٹریننگ لی اور رضا کارانہ طور پر ایک ملٹری ہسپتال میں خدمات انجام دیں۔ 1918ء میں جب ہسپانوی انفلونزا کی وبا ٹورنٹو میں پھیلی تو ایمیلیا ایر ہارٹ نرسنگ کی خدمات انجام دے رہی تھی۔ اس وبا کی مرض میں وہ خود ایک مریض بن گئی۔ اس بیماری سے صحت یابی کے بعد ایمیلیا ایر ہارٹ اور اس کی ایک دوست نے ٹورنٹو میں واقع ایک ایر فیلڈ کی سیاحت کی اور یوں ہوا بازی سے اس کی دلچسپی قائم ہو گئی اور 1920ء میں اس نے باقاعدہ ہوا بازی کی تربیت حاصل کی اور اس کی ہوا بازی کے مستقبل کا آغاز ہو گیا۔ اس نے کینیڈی Canary ٹاک کا ایک بانی ملین ہوائی جہاز خرید لیا اور 14000 فیٹ کی بلندی پر پرواز کر کے ایک نیاریکارڈ قائم کیا۔

بحر اوقیانوس پر پرواز

1927ء میں چارلس لنڈ برگ کی بحر اوقیانوس پر کامیاب پرواز کے بعد ایمیلیا ایر ہارٹ کی دلچسپی ایک خاتون کی حیثیت سے بحر اوقیانوس کو تنہا پرواز کر کے عبور کرنے میں بڑھ گئی مگر اس سفر کے خطرناک سفر ہونے کی وجہ سے کسی کہنی نے اس کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ آخر اپریل 1928ء میں اسے کیپٹن ہلٹن ایچ ریلے کی طرف سے ایک فون کال موصول ہوئی جس میں بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ پھر اس عبور اوقیانوس منصوبے میں تعاون کرنے والوں نے اس سے ملاقات کی۔ اس سلسلے کی پہلی پرواز اس نے کوپالٹ کی حیثیت سے 17 جون 1928ء کو پالٹ ولر سٹلٹر کے ساتھ نیوفاؤنڈ لینڈ سے ماؤتھ ویلز انگلستان تک 20 گھنٹے چالیس منٹ میں کی۔

تنہا پرواز کاریکارڈ

پھر 19 جون 1928ء کو ایمیلیا ایر ہارٹ نے بحر اوقیانوس پر خاتون کی حیثیت سے پہلی تنہا پرواز کی اور ولسٹن، ساؤتھمپٹ انگلینڈ پہنچے پراس کا شاعر استقبال کیا گیا۔ یہ پرواز اس نے ایک AVRO AVIAN 594 ہوائی جہاز میں کی تھی اور فضائی سیاحت میں ایک نیاریکارڈ قائم کیا تھا۔ اس کامیاب فضائی مہم کے بعد اخبارات نے ایمیلیا ایر ہارٹ کو ”ملکہ فضا“ (Queen of the Air) کا خطاب دیا تھا۔ ایمیلیا ایر ہارٹ نے بحر اوقیانوس پر کامیاب پرواز کے بعد ایک اور نیاریکارڈ براعظم شمالی امریکہ کو تنہا پرواز کر کے عبور کرنے کا ایک اور ریکارڈ قائم کیا۔ پھر 1929ء میں پہلی سانتامونی کا سے کلیو لینڈ خوانی کی ایرڈر بی ریس میں حصہ لے کر اس نے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ پھر 1930ء میں اس نے 18415 فیٹ کی بلندی پر پرواز کر کے اس نے ایک اور نیاریکارڈ قائم کیا۔ 7 فروری 1931ء کو ایمیلیا ایر ہارٹ نے پبلشر جارج بی بیٹم سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد بھی اس کی فضائی مہمات جاری رہیں اور مئی 1932ء میں ایمیلیا ایر ہارٹ نے ہاریرگرلس، نیوفاؤنڈ لینڈ سے پیرس تک کامیاب تنہا پرواز مکمل کی۔ یہ پرواز 14 گھنٹے اور

56 منٹ میں مکمل کی گئی۔ اس پرواز میں کامیابی پر اسے امریکی صدر ہیریٹ ہور نے سونے کا تمغہ دیا اور فرانس نے بھی لجن آف آنر سے نوازا۔ 1935ء میں ایمیلیا ایر ہارٹ نے ہونولولو جزائر ہوائی سے اوکلینڈ، کیلی فورنیا تک تنہا پرواز کرنے کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور اسی سال وہ لاس اینجلس سے میکسیکو تک بھی تنہا پرواز کرنے میں کامیاب رہیں۔

اس کی کتاب Last Flight دراصل اس کے سفری روزناموں سے اقتباسات پر مشتمل ہے جو اس کی 1937ء دنیا کے گرد پرواز کے دوران گمشدگی کے بعد اس کے شوہر اور پبلشر جارج پنٹن نے مدون کر کے شائع کرائی تھی۔ یہ اس کے آخری سفر کی روئیداد ہے۔

آخری فضائی سفر

1936ء میں ایمیلیا ایر ہارٹ نے دنیا کے گرد تنہا فضائی سیاحت کرنے کا قہقہہ کیا تھا جو 47000 کلومیٹر یا 29000 میل کے فضائی سفر پر مشتمل تھی۔ اس سفر کے لیے لاک پیڈ کمپنی نے ایک خصوصی جہاز Lok Head Electra 103 تیار کیا اور اسے فضائی لیبارٹری کا نام دیا۔ اس سفر میں ایمیلیا ایر ہارٹ نے فریڈونان کو اپنے اس سفر کا نیوی کیٹر مقرر کیا۔ 17 مارچ 1937ء کو ایمیلیا ایر ہارٹ اور اس کا ساتھی عملہ اس سفر کے پہلے مرحلے یعنی اوکلینڈ کیلیفورنیا سے ہونولولو، ہوائی کے لیے روانہ ہوا مگر یہ کوشش ناکام رہی۔ اس سلسلے کی دوسری کوشش مغرب میں مشرق کی سمت میں سفر کر کے کی گئی۔ اس سفر میں فونان ایمیلیا کا واحد سفری ساتھی تھا۔ اس سفر کا آغاز یکم جون 1931ء کو میامی امریکہ سے کیا گیا۔ اس مرتبہ جنوبی امریکہ، افریقہ، برصغیر پاک و ہند، جنوب مشرقی ایشیا اور نیوگنی میں سٹاپ کیے گئے اور 22000 میل کا فاصلہ طے کر لیا گیا۔ 2 جون 1937ء کو ایمیلیا ایر ہارٹ جزیرہ Lae سے روانہ ہوئی اور ٹوکومینو آئی لینڈز قریب وسطی بحر الکاہل میں اپنے جہاز کے ساتھ غائب ہو گئی۔ طیارے کو تلاش کرنے کی کوششیں کی گئیں جو ناکام رہیں۔

(68)

خواجہ حسن نظامی

مجھے ان گلیوں کا چہرہ چہ لندن و پیرس کی شاہراہوں سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی راستے ہیں جہاں مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے تھے۔ یہ وہی گلیاں ہیں جو ایک گزرنے والے کی فنی خوشبو سے مہکا کرتی ہیں۔“

خواجہ حسن نظامی کا اسلوب نگارش

خواجہ حسن نظامی دہلوی (1878-1955ء) خواہر زادگان حضرت محبوب الہی کے خاندان سے تھے۔ محنت اور منفرد اسلوب تحریر کی بدولت بہت ترقی کی اور ہمہ گیر شہرت پائی۔ بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں اور سفر نامے تصنیف کیے جن میں سب سے اہم سفر نامہ ”مصر و فلسطین و شام و حجاز“ ہے دہلی کے غدر کے افسانے اور دیگر تصانیف کے علاوہ قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ بھی کیا۔ پاکستان تشریف لائے تو سفر نامہ پاکستان بھی لکھا مگر سفر نامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز ان کے مزاج کی اور ان کی تحریر دونوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں مختلف ممالک کے اہم مقامات اور اہم شخصیات کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ ٹیکنیک کے اعتبار سے یہ سفر نامہ بھی خواجہ حسن کے دوسرے سفر ناموں کی طرح ڈائری یا روزنامہ کے انداز میں لکھا گیا ہے اور تمام واقعات، تاریخ و اردرج کیے گئے ہیں۔ اس طریقے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ خواجہ حسن نظامی کے ہاں خواہ مخواہ کی قیاس آرائی اور ظن و گمان کی گنجائش باقی نہیں۔

دل و جان کا سفر

حج بیت اللہ اور بلاد اسلامیہ کا سفر ہر مسلمان کی طرح خواجہ صاحب کے بھی دل و جان کا سفر تھا۔ انھوں نے جب پہلی بار فریضہ حج ادا کرنے کا ارادہ کیا تو بمبئی پہنچ گئے تھے مگر بوجہ دہلی واپس آنا پڑا اس ناکامی پر طول وافر دہ خاطر ہوئے اور اپنے اس سفر نامہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”وہ دن جب کل پرسوں آنکھوں کے سامنے تھے کیسے غم آلودہ گزرے بس دل ہی جانتا ہے۔“

کشش حجاز نے بمبئی تک کھینچا مگر گردش ایام نے دامن پکڑ لیا، نامراد دہلی واپس آیا۔ اب پھر دولوں میں موج اٹھی اور زیارت حجاز کا تصور لہریں لینے لگا۔ ”سفر نامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز“

روضہ اطہر کی جمال آرائی

پھر جب حجاز مقدس پہنچے اور حضور پاک ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تو کیفیت ہی دوسری تھی۔ روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ الفاظ زبان پر ہیں:

”خوش نصیب ہیں یہ آنکھیں کہ روضہ اطہر کی جمال آرائی کو دیکھ رہی ہیں۔ نصیب والا ہے یہ ہاتھ کہ اس نورانی جالی مبارک کو تھامے ہوئے ہے اور اس زبان کی عزت پر تو جس قدر رشک کیا جائے تو کم ہے کہ وہ اس زندہ اور زندہ کرنے والے وجود سے کلام کا شرف حاصل کر رہی ہے۔“

مدینہ منورہ کی گلیاں دیکھ کر خواجہ صاحب اپنی وارفتگی کا تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”پھول کی کھلی مدینہ کی کھلی، دونوں تنگ دہن ہیں۔ ترکی حکومت کی بے پرواہی سے صفائی بہت کم ہے مگر مجھے ان گلیوں کا چہرہ چہرہ لندن و پیرس کی شاہراہوں سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی راستے ہیں جہاں مولائے کائنات ﷺ چلتے پھرتے تھے۔ یہ وہی گلیاں ہی جو ایک گزرنے والے کی غیبی خوشبو سے مہکا کرتی ہیں۔“ (سفر نامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز)

حضرت بلالؓ سے خطاب

خواجہ حسن نظامی صوفی منس ہیں۔ مزارات اور مرقدوں سے متعلق حالات و واقعات تفصیل سے بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمہ قسم کی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کے مزار مبارک پر پہنچتے ہیں تو خواجہ صاحب کا قلم اپنی آب و تاب کے ساتھ کبھی مکالمہ لکھتا ہے کبھی خود کلامی اور کبھی حضرت بلالؓ کو اپنے مخصوص اعزاز میں مخاطب کرتا ہے:

اٹھو یا بلالؓ! اٹھو یا جانِ تنگ لے چلو۔ جاگو بلالؓ! جاگو! اذان کا وقت آگیا۔
(سفر نامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز)

فرعون کی نعش

پھر مصر پہنچتے ہیں تو فرعون مصر کی مٹی کے بارے میں تازہ تحقیق بیان کرتے ہیں۔

”ابتدا میں فرعون کی لاش کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ مسٹر بورو نے حروف تابوت پڑھ کر قیاس لگایا تھا کہ مرنے والا خود ساختہ بادشاہ ہے مگر جروہ کو اس بیان میں شک تھا آخر پانچ چھ یورپی

فاضلوں کی موجودگی میں یہ تابوت کھولا گیا تو کفن کی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ منتاح ابن رعمیس ثانی کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے خروج کے ایام میں ڈوب گیا تھا۔ سکندر اعظم کی تاریخوں سے منتاح بن رعمیس ثانی کا پورا حال معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ فرعون تھا جس کو حضرت موسیٰ سے مقابلہ پیش آیا تھا۔“

مصر کے حمام کا ذکر ہر سیاح نے کیا ہے اور اکثر نے اس کی صفائی ستھرائی کو بہت تعریف کی ہے۔ البتہ اس بے

حیائی پر کہ بیشتر جوان بوڑھے اس میں برہنہ ہو کر نہاتے ہیں تقریباً تمام بیرونی سیاح اس پر معترض ہیں۔ خوبصورتی کے

اس بارے میں تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیے:

مصر کے حمام میں سب ننگے

’حمام کو بہت وسیع تھا مگر اس قدر غلیظ اور متعفن کہ خدا کی پناہ کپڑے اتار اور تہبند باندھ کر اندر کے درجے میں گیا۔ وہاں متعدد ننگے دھڑکتے ہاتھی دانت کے موٹے موٹے کھلونے (مصری) بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے تن زار اور جسم لاغر کو دیکھ کر زور زور سے دعائیں مانگنے لگے کہ خدا اس مرض لاغر سے بچائے۔ مجھے ان کی یہ باتیں ناگوار گزریں۔ اس پر حمام کی بو، گرمی کی شدت سے دم گھٹنے لگا۔ ہر چیز میلی، حمام اندر سے بھی تمام کا تمام میلا۔ نہاتے وقت یہ لوگ بالکل برہنہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی بوڑھے جوان حماموں میں ننگے پڑے ہوئے تھے اور مجھ کو غیرت کے مارے پسینہ چلا آتا تھا۔ جب میری نوبت آئی اور حمامی نے حسب عادت مالش کے وقت میرے تہبند کو بھی دور کرنا چاہا مگر میں نے اس کو ڈانٹا اور جلدی فارغ ہو کر واپس آ گیا۔“ (سفر نامہ مصر و فلسطین شام و حجاز)

(69)

1927- چارلس لنڈ برگ

Charles Lind Bergh

اس نے 25000 ڈالر کا انعام جیتنے کے لیے خصوصی طور پر اپنا طیارہ سپرٹ آف دی لوئیس خود تیار کیا جس میں یہ خصوصیت رکھی گئی تھی کہ وہ اتنا لہند من اٹھا سکے جو اسے سمراوقیا نوس پر پرواز کرنے کے لیے کافی ہو۔

امریکہ کا پہلا فضائی ہیرو

چارلس لنڈ برگ (1902-1974ء) ایک مشہور امریکی ہوا باز، موجد، سیاح اور مصنف، جس نے 1927ء میں ہمر 25 سال اچانک قعر گمنامی سے نکل کر شہرت کے ایوانوں میں جگہ پائی تھی۔ یہ شہرت اسے نیویارک سے پیرس بغیر رے تنہا پرواز ساڑھے 33 گھنٹوں میں جہاز سپرٹ آف دی لوئیس میں 3600 میل کا فاصلہ طے کر کے ملی۔ یہ شمالی امریکہ سے براعظم یورپ تک کی جانے والی پہلی کامیاب پرواز تھی۔

اس کے اس عظیم کارنامے نے کمرشیل پروازوں اور ہوائی ڈاک کی پروازوں کو ممکن بنا دیا مگر ساتھ ہی ایک ایسے المیہ کو جنم دیا جس کو مورخین نے Crime of the Century کا نام دیا ہے۔ یہ چارلس لنڈ برگ کے کم سن بیٹے چارلس جے آر کا اغوا اور قتل کی واردات تھی جو اس کی شہرت سے متاثر ہو کر کی گئی تھی۔

چارلس لنڈ برگ امریکہ کے شہر ڈیٹریٹ میں پیدا ہوا۔ اس کے والد چارلس آگسٹ لنڈ برگ نے بچپن میں سویڈن سے امریکہ ہجرت کی تھی۔ اس کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھی اور لٹل فائر کے اس اسکول میں پڑھاتی تھی جہاں سے 1918ء میں چارلس نے گریجوایشن کی تھی۔ چارلس لنڈ برگ کو بچپن سے مشینوں اور ہوائی جہازوں میں دلچسپی تھی۔ جب 1922ء میں اس نے کالج چھوڑا تو نبراسکا ایر کرافٹ کارپوریشن کے فلائنگ اسکول میں لنگن میں داخلہ لیا۔ اس نے

19 اپریل 1922ء کو بحیثیت مسافر ہوائی سفر کیا اور پھر کچھ دنوں بعد وہ خود ہوائی جہاز اڑانے لگا۔ پھر 1923ء میں اس نے پہلی جنگ عظیم میں کام آنے والا ایک ہوائی جہاز Surplus JN-4 خرید لیا۔ اکتوبر 1925ء میں چارلس ایک ایرمیل پائلٹ بن گیا۔ اس نے رچرڈ، ای بارڈ کی قطب شمالی کی مہم میں بطور پائلٹ شرکت کرنے کی کوشش بھی کی مگر اس کی درخواست تاخیر ہو جانے کی وجہ سے قبول نہ ہوئی اور ہوائی ڈاک کے پائلٹ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس نے اپنی کتاب The Spirit of St. Louis میں لکھا ہے کہ ہوائی ڈاک کے شعبے میں بطور پائلٹ کام کرتے ہوئے اسے نیویارک سے پیرس تک تنہا پرواز کرنے کا خیال آیا تھا اور اس نے 25000 ڈالر کا انعام جیتنے کے لیے خصوصی طور پر اپنا طیارہ سپرٹ آف دی لوئیس خود تیار کیا تھا جس میں یہ خصوصیت رکھی گئی تھی کہ وہ اتنا ایندھن اٹھا سکے جو اسے بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے کے لیے کافی ہو۔ اس کی تفصیل اس نے اپنی کتاب کے پہلے حصے The Craft میں دی ہے۔ اپنی اسی کتاب کے دوسرے حصے نیویارک سے پیرس تک میں چارلس لنڈ برگ نے اپنی نیویارک سے پیرس تک کی بحر اوقیانوس پر تنہا پرواز کی تفصیلات گھنٹوں کے سفر کی شکل میں ترتیب دی ہیں۔

عظیم تاریخی پرواز

اس کی یہ عظیم تاریخی پرواز 21 مئی 1927ء کو صبح سویرے شروع ہوئی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ اس تاریخی پرواز کے دوران اسے بہت سے چیلنجوں کا سامنا تھا جن میں کسی فضائی طوفان کے امکانات، نیند کی کمی اور ایندھن کے ختم ہو جانے کا خطرہ شامل تھا۔ اپنے اس سفر کی روئیداد بیان کرتے ہوئے چارلس برگ نے اپنے بچپن کی یادداشتوں پر مبنی فلیش بیک بھی پیش کیے ہیں جس سے اس کی یہ سفری داستان مزید دلچسپ ہو جاتی ہے۔

چارلس لنڈ برگ نے لکھا ہے کہ دوران پرواز جو بحر اوقیانوس پر رات کے حصے میں کی جارہی تھی اس کے نیند سے بوجھل دماغ میں بہت سی پریشانیاں بڑھ جاتی تھیں..... اور پھر جب وہ پیرس پہنچا تو ایک دنیا اس کی منتظر تھی۔

چارلس لنڈ برگ کی سفری روئیداد

سپرٹ آف دی سینٹ لوئیس 14 ستمبر 1953ء کو شائع ہوئی۔ لنڈ برگ نے اس کی ایک ایڈوانس کاپی کارل بی ایلن کو اگست میں پیش کی تھی۔ کارل بی ایلن نے اس کی اس روئیداد سفر کو ایڈٹ کیا تھا وارا اس کے مسودے کو پڑھ کر اسے تنقیدی تجاویز پیش کی تھیں۔ شائع ہونے کے فوراً بعد یہ کتاب ایک ”بیسٹ سیلر“ ثابت ہوئی اور بڑی تعداد میں فروخت ہوئی۔

(70)

1933۔ پرل ایس بک

پرل ایس بک نے اپنی یادداشتیں مرتب کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی زندگی ”کئی دنیاؤں“ میں گوری ہے۔

کئی دنیاؤں میں زندگی

کئی ”دنیاؤں“ میں زندگی بسر کرنے والی امریکی سیاح اور مصنف خاتون پرل ایس بک Pearl S. Buk (1892-1973ء) امریکی ناول نگار خاتون اور اپنے چینی نام ”سائی زھنژو“ Shi. Zhenzhu سے بھی پہچانی جاتی ہیں۔ وہ ایک امریکی مشنری کی بیٹی تھیں۔ پرل ایس بک نے 1934ء سے پہلے کے اپنی زندگی کے ایام ڈیجیٹلنگ چین میں گزارے تھے۔ اس کی کتاب The Good Earth (1931-32ء) میں امریکہ میں ”بیٹ سیلز“ کتاب رہی ہے اور اس کتاب پر اسے پلٹر پرائز بھی دیا گیا تھا۔ 1938ء میں پرل ایس بک کو ادب کا نوبل پرائز بھی دیا گیا تھا۔ یہ چینی معاشرے کی صحیح عکاسی کرنے کی بنا پر دیا گیا تھا۔ پرل ایس بک پہلی امریکی خاتون تھی جسے ادب کا نوبل پرائز ملا تھا۔

1935ء میں امریکہ واپس آنے کے بعد پرل ایس بک نے وسیع پیمانے پر تھنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا

اور وہ خواتین کے حقوق کی ایک رہنما بن گئیں۔ اس کا زیادہ تر کام ایشیائی ثقافت پر ہے۔

پرل ایس کی یادداشتیں

پرل ایس بک امریکہ کی ریاست ورجینا کے ایک قصبہ ہلز بورو میں پیدا ہوئیں۔ اس کے والدین نے اس کا نام

کمبرٹ Comfort رکھا تھا۔ اس کے والدین کا تعلق جنوبی پریس ہائی ٹیرین مشنریز Southern

Presbyterian سے تھا۔ شادی کے فوراً بعد اس کے والدین 8 جولائی 1880 کو تبلیغی مشن پر چین روانہ ہو گئے مگر پرل

کی پیدائش کے لیے وہ 1892ء میں واپس امریکہ لوٹے۔ پھر جب پرل ایس بک پانچ ماہ کی ہوئی تو یہ خاندان ایک بار پھر

چین واپس آ گیا۔ بعد ازاں پرل ایس بک نے اپنی یادداشتیں مرتب کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی زندگی ”کئی دنیاؤں“ میں

گزری ہے۔ 1911ء میں وہ تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ واپس آئی وارا اس نے ریٹز ولف ملکن ویمن کالج ورجینا میں تعلیم پائی۔ 1914ء میں پرل ایس بک چین واپس لوئی اور اس نے زرعی اقتصادیات کے ماہر مشتری جان لوسنگ لک سے شادی کر لی (1917ء) 1920ء سے 1933ء یہ جوڑا ناہنگ میں رہا اور نا کلنگ یونیورسٹی میں پڑھاتا رہا۔ پرل ایس بک انگریزی ادب کی استاد تھیں۔

دو تہذیبوں کا مشاہدہ

پرل ایس بک ایک ایسی عورت تھی جس نے زندگی میں دو مختلف معاشرتوں اور متعادتہذیبوں کا مشاہدہ کیا۔ آج کی طرح پرل ایس بک کے دور میں بھی امریکہ اور چین میں نظریات اور خیالات کے حوالے سے بڑا تضاد تھا۔ پرل ایس بک نے ان دونوں معاشرتوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔

”دی گڈ ارتھ“

پرل ایس بک کی کتاب ”دی گڈ ارتھ“ چین کے کسانوں کی زندگی کی ایک سچی تصویر ہے۔ چین میں کمیونسٹ انقلاب پھانسنے سے پہلے اکثر مصائب آلام کا شکار رہتے تھے۔ اس کتاب کے ذریعے پرل ایس بک نے چین کے متعلق اپنے سینے میں موجزن نظریات اور مشاہدات کو اپنے طلباء و طالبات تک پہنچایا۔ یہ کتاب اس کے قیام چین اور اس کے چینی معاشرے میں رہ کر کیے گئے مشاہدات کی روئیداد ہے۔

(71)

1933- چیانگ لی

چالیس سال یورپ و امریکہ میں گزارنے والی چینی خاموش سیاح

خاموش سیاح

خود کو خاموش سیاح The Silent Traveller کہنے والا بیسویں صدی کا چینی سیاح چیانگ لی Chiang Yee چین کے شہر جیو جیانگ Jiu Jiang میں 1903ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم کے حصول کے بعد اس نے 1924ء میں شادی کی۔ ایک سال تک چینی فوج میں ملازمت کرنے کے بعد اور پہلی چین و جاپان جنگ میں خدمات انجام دینے کے بعد وہ ایک مڈل اسکول میں علم کیسیا پڑھانے لگا اور اس کے ساتھ شنگھائی یونیورسٹی میں لکچر دینے لگا۔ اس نے اخبار Hangzhou میں اسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام بھی کیا اور تین کاؤنٹیوں میں مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز بھی رہا مگر چین کی سیاست و صورت حال سے ناامید ہو کر اس نے انگلستان میں ایم ایس سی اکنامکس کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لندن کا سفر کیا (1933ء) اس سفر میں اس نے اپنی بیوی اور بچوں کو چین ہی میں رہنے دیا۔

خاموش سیاح کا پہلا سفر نامہ

انگلستان میں وہ 1935ء سے 1938ء تک اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں چینی زبان پڑھاتا رہا۔ 1938ء سے 1940ء تک اس نے ویلکم میوزیم آف اناتومی اینڈ پیتھالوجی میں کام کیا۔ اس کی سفری سیریز کی پہلی کتاب انگلستان جمیلوں کے متعلق تھی۔ اس کا نام The Silent Traveller in Lake land تھا۔ اس سلسلے کی دوسری کتاب The Slent Traveller in London تھی۔ اسی سیریز کے تحت اس نے The Silent Traveller in War Time بھی لکھی۔ اس کے سفر ناموں کا سلسلہ اتنا کامیاب رہا کہ اس نے ایڈنبرو، ڈبلن، پیرس، نیویارک، سان فرانسسکو، بوٹن اور جاپان کے سفر نامے بھی شائع کیے۔ ان سفر ناموں میں اس نے

ان شہروں کے متعلق بڑی اہم معلومات پیش کیں۔ اس کے علاوہ اپنی وارثانہ کتابوں میں اس نے ایک چینی مشاہدہ نگار کی حیثیت سے نظر اور تازی ازم کی مخالفت کی۔ اس کے سفر ناموں کی یہ سیریز اتنی کامیاب رہی کہ اس کی بعض کتابوں کے ایڈیشن اکیسویں صدی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ 1955ء سے 1975ء تک چیانگ لی امریکہ میں مقیم رہا اور کولمبیا یونیورسٹی میں چینی زبان کا پروفیسر مقرر ہوا۔ 1966ء میں اسے امریکی شہریت عطا کی گئی۔ اس نے جتنی کتابیں لکھیں ان میں شائع کی جانے والی تصاویر بھی اس نے خود ہی بنائی تھیں۔ اپنے وطن سے تقریباً چالیس سال تک دور رہنے کے بعد اکتوبر 1975ء میں وہ چین واپس لوٹا اور اکتوبر 77ء میں اس نے وفات پائی۔ اس کا مقبرہ کوہ لو M.Lu کی ڈھلوان پر واقع ہے جو اس کے آبائی قبے کے قریب واقع ہے۔

سیاحت ناموں کی پوری سیریز

اس کے سفر ناموں میں سے The Silent Traveller: A Chinese Artist in Lake Land جو 1937ء میں شائع ہوئی تھی اس کا نیا ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔

اس کی دوسری کتاب خاموش سیاح لندن میں The Silent Traveller In London کا نیا ایڈیشن سیدھال سے 2001ء میں شائع ہوا جبکہ اس کے چھ ایڈیشن 1945ء تک شائع ہو چکے تھے۔ اس کی دوسری اہم کتابوں میں اس کے درج ذیل سفر نامے شامل ہیں۔ خاموش سیاح آکسفورڈ میں The Silent Traveller In Oxford، خاموش سیاح نیویارک میں The Silent Traveller In New York، خاموش سیاح پیرس میں The Silent Traveller In Paris، خاموش سیاح بوسٹن میں The Silent Traveller In Boston، خاموش سیاح سان فرانسسکو میں The Silent Traveller In San Francisco۔

(72)

1936۔ ہنری گراہم گرین

اس نے اسکول جانے کے خلاف کئی بار خود کشی کی کوشش بھی کی

عظیم ادبی شخصیت

ہنری گراہم گرین (1904-1991ء) بیسویں صدی کے اہم ترین انگریزی زبان کے ناول نگاروں میں سے ایک تھا۔ وہ اپنے فلمی نام گراہم گرین سے جانا جاتا ہے۔ گراہم گرین نے بطور مصنف اپنے مستقبل کے آغاز ہی میں شہرت حاصل کر لی تھی 1966ء اور 1967ء میں اسے نوبل پرائز کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ اس نے تقریباً 67 سال تک لکھا۔ اس کی تصانیف میں 25 ناول اہم ہیں۔ ان میں اس نے اپنے عہد کے اخلاقی مسائل سے سیاسی مسائل تک پر روشنی ڈالی ہے۔

ناول نگاری

گرین برک ہمسٹیڈ Berk Hemstead میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک بااثر خاندان سے تھا جو شراب کشید کرنے کی فیکٹری کا مالک تھا مگر گراہم اسکول جانے سے نالاں تھا۔ اس نے اسکول جانے کے خلاف کئی بار خود کشی کی کوشش بھی کی۔ اسکول کے بعد اس نے بمبیل کالج آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ اپنی گریجوایشن کے دوران ہی اس نے شاعری پر اپنی پہلی کتاب شائع کرائی۔ اس کا پہلا ناول The Man Within 1929ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی مقبولیت نے اسے ایک ناول نگار بنادیا۔ اس کے بعد اس نے فلموں پر تبصرہ نگاری شروع کی تو مشہور فلم ساز ادارے Twentieth Century Fox نے اسے میکسیکو میں رہنے کی ترغیب دی۔ میکسیکو میں قیام کے دوران اس نے اپنے ناول The Power and Glory کے پلاٹ پر کام کیا۔ 1930ء اور 1932ء میں شائع ہونے والے اس کے دو ناول Name of Action اور Rummer At Night Fall کچھ زیادہ کامیابی نہ حاصل کر سکے۔ اس کا سب سے کامیاب ناول اتابول ٹرین رہا جو 1932ء ہی میں شائع ہوا۔ گراہم گرین نے افسانے اور ڈرامے بھی لکھے ہیں مگر وہ ناول نگاری میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ اس کا پہلا ڈرامہ The Living Room 1953ء میں شائع ہوا تھا اہم

گرین نے اپنی زندگی میں انگلستان سے باہر بہت سے دور دراز کے سفر کیے۔ جنگ عظیم دوم کے دوران وہ سیرالیون میں تعینات رہا اور برطانیہ کے خفیہ ادارے کے لیے جاسوسی بھی کرتا رہا تھا۔

بغیر نقشہ کی مدد سے سفر

گراہم گرین نے اپنے جس سفر کا سفر نامہ *Journeys Without Maps* لکھا وہ 1935ء میں اس کا لائبریا کا سفر تھا۔ اپنے لائبریا کے اس سفر میں وہ لائبریا کے اندرونی حصوں میں چار ہفتے تک پیدل سفر کرتا رہا تھا۔ یہ گراہم گرین کا بیرون یورپ کا پہلا سفر تھا۔ اس زمانے تک لائبریا کے اندرونی حصوں کا کوئی نقشہ تیار نہیں کیا گیا تھا اور تاریک براعظم افریقہ کے اس حصے کے امریکی نقشے میں ایک بڑے سفید حصے پر ”آدم خوروں کا علاقہ“ لکھا ہوا تھا۔ اس سفر میں گراہم گرین نے مقامی گائیڈوں اور قلیوں پر انحصار کیا گراہم گرین نے اپنے اس سفر کا آغاز لائبریا کے انتہائی جنوبی گوشے سے کیا جو سیرالیون کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ وہ سرحدی قصبے کیلاہن Kailahun سے جنوب مشرقی سمت کے گھنے جنگلوں کی طرف روانہ ہوا اور جب اس نے فرانسیسی نو آبادی گنیہا Giuea کے کچھ حصے میں بھی سفر کیا۔

لائبریا کی سیاحت

گرین نے لائبریا کے سفر نامے میں لائبریا کے متعلق بہت ہی اہم معلومات جمع کی ہیں۔ اس وقت تک (1935ء) اس ملک نے کوئی خاص ترقی نہیں کی تھی۔ ساحل سے دور کے مقامات انتہائی پسماندہ حالت میں تھے۔ اس کے راستے میں کئی ایسے گاؤں آئے جہاں اب تک کسی سفید فام کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ان مقامات پر گراہم نے کوڑھ سمیت کئی دہائی امراض پھیلے ہوئے دیکھے۔

گراہم گرین کی ہمراہی

گراہم گرین نے افریقہ کے اندرونی حصوں کا یہ سفر اپنی کزن باربرا گرین کے ہمراہ کیا تھا۔ باربرا نے 1938ء میں اپنے اس سفر کی روئیداد اپنی کتاب *Memoir* میں پیش کی۔ اس کی روئیداد سفر گرین کی سفری روئیداد سے بہت ملتی جلتی ہے۔ 2009ء میں گرین کے اس یادگار سفر کی یاد میں لائبریا کے ان حصوں کا سفر انگریز معنف ٹم ہجر نے کیا اور اس پر اپنی کتاب *Chasing The Devil* لکھی تھی۔

(73)

1931 عبدالماجد دریابادی

ہندوستان کی عورتیں ذیقعد کو ”خالی کامہینہ“ کہتی ہیں۔ پر جس کے نصیب میں ”خالی مہینہ“ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس ماہ کو مکمل کر پکارے؟“

ایک عظیم محقق و مصنف

عبدالماجد دریابادی (1892-1977ء) معزز علمی خاندان کے فرد یکینگ کالج لکھنؤ کے تعلیم یافتہ، جوانی کے زمانے سے فلسفے کے فاضل، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجم فلسفہ رہے۔ لکھنؤ واپس جا کر علمی تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ مذہبی خیالات میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔ 1925ء سے ایک ہفتہ وار اخبار ”سچ“ (بعد ازاں ”صدق جدید“) شائع کرنا شروع کیا۔ اس اخبار میں انھوں نے مذہبی اور ملی شعائر و افکار کی بے باک و کالت کی اور اس کام میں نمایاں اور ممتاز رہے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر کے قریبی رفیقوں میں شامل تھے۔ ان کی کتابیں اردو زبان کے ذخیرہ علم میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ان کی ایک ضخیم کتاب ”نفسیات حوام“ انگلستان سے چھپی۔ دیگر اہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ”فلسفہ جذبات“ ”تصوف اسلام“ ”فلسفہ اجتماع“، مکالمات برکلی، تاریخ اخلاق یورپ (ترجمہ) ”محمد علی جوہر (سیرت)“ ”حکیم الامت“ (سیرت مولانا اشرف علی تھانوی) ان کی سب سے اہم علمی خدمت اردو نثر انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر مگر محققانہ تفسیری حواشی ہیں۔ انھوں نے اپنے سفر حج کی روئیدار ”اپنے سفر نامے“ ”سفر حج“ میں قلمبندی کی ہیں۔ اس سفر نامے کے دیباچہ میں مولانا سلیمان ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

ذہن و دل میں انقلاب

”ہمارے صاحب دل اور ورد آشنادوست مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی زندگی میں مدت سے بتدریج جو انقلاب رونما ہو رہا تھا میرے خیال میں اس کی تکمیل 1348ء میں ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لیے روانہ ہوئے اور انھوں نے جو احوال و مشاہدہ کتابوں میں پڑھے تھے ان کا سفر حج میں جا کر بالکل مشاہدہ کیا اور وہاں

جو یعنی مشاہدات، قلبی کیفیات اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے انھوں نے اپنے اخبار ”سچ“ کے صفحات میں خطوط کی صورت میں انھیں منعکس کر دیا۔ موجودہ مجموعہ ان مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے جو ان کے سفر نامہ سفر جاز“ کی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔

عالم جذبات کی باتیں

اس سے پہلے جو سفر نامے لکھے گئے تھے یا وہ صرف عالم جذبات کی باتیں تھیں یا محض ایک سیاح و قانع نگار کے روزنامے تھے یا فقیہانہ مسائل اور مناسک حج کے ہدایت نامے تھے یا حجاز یا سفر حج کے لیے مسافروں کی گائیڈ بکس تھیں۔ اس سفر نامہ کے مختلف ابواب اور مباحث میں اس کا مصنف کبھی ہمیں ایک مورخ دکھائی دیتا ہے تو کہیں ایک فقیہ کہیں ایک محدث تو کہیں ایک صوفی، کہیں شاعر اور کہیں ایک سیاسی مبصر۔ غرض اس کتاب میں جو ”سفر جاز“ کے نام سے معنون ہے وہ سب کچھ ہے جس کی حجاز کرام کو اپنے سفر کے اتار چڑھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت کے طور پر پیش آتی ہے۔ سفر کے واقعات، حج کے مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے لیے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی و سیاسی حالات، آمد و رفت، مطوفین، راستے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، مقامات مقدسہ اور ان کے آداب یہ تمام معلومات اس سفر نامہ میں یکجا کر دی گئی ہیں۔

سادگی میں حسن کمال

لیکن اس سفر نامے کی اصلی حیثیت حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے۔ ایک اس کی انشا پردازی کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے۔ سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تجزیل، اس لیے انشا کی حیثیت سے اس کی کافی حیثیت ہے۔ دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیت ہیں جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ میں نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے کلزے پھیلا دیے ہیں۔ اگرچہ مسئلہ حجاز میں موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند ہم کو اتفاق نہیں ہوتا تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف میں سب پر احسان کی ہے اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نگارہ گاہ تیار کیا ہے جو کہ ہر ذوق و خیال کے آدمی کے مذاق کے مطابق ہے۔ کہیں کہیں وہ اپنے اس سفر نامہ میں

ہمیں صوفیانہ رواداری اور صلح کن کے طہر دار نظر آتے ہیں اور کہیں عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے ایک فلسفی۔ (سید سلیمان ندوی)

سفر حجاز سے ایک اقتباس:

سفر حجاز

”بولے یا مہربانم فی رسد بولے جاناں سوئے جانم فی رسد۔ آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے! آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے۔ آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ آج گنہگار امتی کو شفیع اور شفیع رسول ﷺ کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعد کو ”خالی کا مہینہ“ کہتی ہیں پر جس کے نصیب میں اس ”خالی مہینہ“ میں اس اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس ماہ کو کیا کہ کر پکارے؟“

(سفر حجاز ص 28)

(74)

1933ء۔ مولانا سید سلیمان ندوی

یہ ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے اپنے مطالعے کے وسیلے سے مسلمانوں کے حامد اور ماضی کو نادر شاہ کے آزاد افغانستان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلامی تاریخ کا غائر مطالعہ کرنے والے محقق

سید سلیمان ندوی (1884-1953ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا شبلی کی سیرت النبی ﷺ کی آخری جلدیں لکھ کر انھوں نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا تھا وہی ان کی پہچان ہے۔ ان کا تعلق دسہ ضلع پٹنہ بھارت سے تھا۔ 1905ء میں وہ مدوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اخبار ”الہلال“ کلکتہ میں کام کیا۔ انھوں نے اپنے استاد شبلی کی وصیت پر ماہنامہ ”معارف“ جاری کیا۔ سیاسی معاملات میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ سید سلیمان ندوی کا مطالعہ کمال کا تھا۔ مذہبی علوم کے علاوہ ادب و تاریخ سے بھی انہیں خاص رغبت تھی۔ اسلامی تاریخ کے غائر مطالعے کی وساطت سے مسلمانوں کے عروج و زوال کے تمام مناظر ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ چنانچہ جب افغانستان کے فرمان روا نادر شاہ نے افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کا عمل تیز کرنے کے لیے سید سلیمان ندوی کو صلاح و مشورہ کی غرض سے افغانستان آنے کی دعوت دی تو ایک آزاد اسلامی مملکت کی یہ دعوت سید صاحب نے قبول فرمائی اور کابل کے لیے عازم سفر ہوئے۔ افغانستان کی خوش بختی کہیں کہیں کہ ڈاکٹر محمد اقبال اور سید احمد خان کے پوتے سر اس مسعود جیسے ماہر تعلیم ندوی کے شریک سفر تھے۔ تینوں عظیم شخصیتوں کا یہ قافلہ 1933ء میں افغانستان پہنچا۔ مسلمانوں کے ان بلند پایہ افراد کا یہ سفر کئی اعتبار سے تاریخی اور یادگار ثابت ہوا۔ اس سفر کے اختتام پر اقبال نے اپنی مشہور مثنوی ”مسافر“ لکھی۔ مولانا ندوی صاحب نے صرف چار روز کا قلیل عرصہ افغانستان میں گزارا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس ملک میں اتنا کچھ دیکھا اور سمجھا کہ عام مسافر کے لیے آسان نہیں تھا۔ چونکہ سید صاحب کا مطالعہ بڑا وسیع اور تاریخی شعور بڑا گہرا تھا، وہ تاریخ اسلام پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ اقوام عالم سے انھیں خصوصی شغف تھا یہی وجہ ہے کہ ان کا

سفر نامہ زمانہ حال کا رشتہ ماضی اور مستقبل دونوں سے جوڑ دیتا ہے۔ ان کے سفر نامے میں سوانح، تذکرے، احوال، افکار، تاریخی اسناد، جغرافیہ، جغرافیائی معلومات غرض سب کچھ ہے۔

سفر نامہ افغانستان

سید سلیمان ندوی نے یہ سفر نامہ رسالہ ”معارف“ کے لیے تحریر کیا تھا چنانچہ یہ پہلے معارف میں قسط وار شائع ہوا اور اس کے بعد کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ یہ ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے اپنے مطالعے کے وسیلے سے مسلمانوں کے شاعر ماضی کو تادیر بادشاہ کے آزاد افغانستان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چار دن کے قلیل عرصے میں سید صاحب نے افغانستان کی سیاست، سماجی، تہذیبی، تمدنی، تاریخی، جغرافیائی، مذہبی، مجلسی، معاشی، علمی، تعلیمی اور معاشرتی زندگی کو نہ صرف بخور دیکھا بلکہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے سفر نامے میں سمودیا ہے۔ ان کے لیے ایسا کرنا اس لیے ممکن ہو سکا کہ وہ اپنے مطالعے کے ذریعے افغانستان آنے سے پہلے افغانستان کی سیاست اور تاریخ و جغرافیہ سے واقف ہو چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے اپنے مشاہدات سے ہر چیز کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھا اور سمجھا۔ سید صاحب کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کوچہ بازار کی سیر کرتے اور بذات خود ہر جگہ پہنچ کر مشاہدہ کرتے مگر انھوں نے یہ سفر اپنے مطالعہ کے زور پر کیا اور ہر قسم کی معلومات قاری کو بھم پہنچائیں۔

انسانی فطرت کی عکاسی

افغانستان کے جغرافیائی نقوش اور تاریخی آثار کو دیکھ کر سید سلیمان ندوی نے کبھی تو انسانی فطرت کی عکاسی کی ہے اور اس کے روشن کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور کہیں عبرت ناک واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس قسم کی کوششیں پند نصائح یا وعظ و تلقین سے نہیں بلکہ ان مناظر کے حوالے سے کی گئی ہیں جو تعصبات کے ذریعے غیر محسوس تہدیلی لاسکتے ہیں۔ غزنی کو دیکھ کر سید صاحب نے خوشی کا اظہار کیا کیونکہ وہ غزنی کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ وہی غزنی جو محمود غزنوی کا دار الحکومت تھا اور جہاں سمنانہ کے مندر سے اس کے دروازے اکھاڑ کر لائے گئے تھے۔ وہی غزنی جو اس زمانے کے عالم اسلام کا دل تھا۔

(75)

1936۔ ارنسٹ ہیمنگوے

ERNEST HEMINGWAY

اس نے 1954ء میں ادب کا نوبل پرائز حاصل کیا تھا۔ اس کے تقریباً سات ناول اور چھ افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے جبکہ اس کی موت کے بعد جو ایک خودکشی تھی

ارنسٹ ہیمنگوے (1899-1961ء) ایک مشہور امریکی ادیب، ناول نگار اور افسانہ نویس بیسویں صدی کے انگریزی ادب میں ایک بڑا نام ہے۔ اس نے 1954ء میں ادب کا نوبل پرائز حاصل کیا تھا۔ اس کے تقریباً سات ناول اور چھ افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے جبکہ اس کی موت کے بعد جو ایک خودکشی تھی مزید تین ناول چار افسانوں کے مجموعے اور تین غیر افسانوی کام شائع ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم میں شرکت

ارنسٹ ہیمنگوے نے امریکی ریاست الی نوائے میں پرورش و تعلیم پائی اور تعلیم کے بعد کنساس ٹی اسٹار نامی اخبار میں کچھ دن کام کرتا رہا۔ پھر پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں وہ ایک ایبولنس ڈرائیور کی حیثیت سے اطالوی محاذ جنگ یورپ میں شریک جنگ ہوا اور 1918ء میں شدید زخمی ہو گیا جس کے بعد وہ امریکہ واپس آ گیا۔ اس کے جنگ عظیم اول میں شرکت کے اس تجربے پر اس نے 1929ء میں اپنا عظیم ناول A Farewell To Arms لکھا۔

1921ء میں اس نے ہیڈ لے رچرڈ سن ٹامی خاتون سے شادی کی جو جس کی چار بیویوں میں سے پہلی تھی۔ شادی کے بعد یہ جوڑا ہیرس نختل ہو گیا جہاں وہ ایک امریکی اخبار کے لیے ایک غیر ملکی نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرنے لگا اور 1920ء کی دہائی کے جدیدیت پسند ادیبوں اور مصوروں سے بہت متاثر ہوا۔

ہیرس میں قیام

ہیرس میں قیام کے دوران ہی 1926ء میں اس کا ناول The Sun Also Rises شائع ہوا۔ اس دوران

1927ء میں اس نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری بیوی پاو لین مانیئر سے شادی کر لی۔ ہسپانوی خانہ جنگی کی نامہ نگاری کرنے کے بعد واپسی پر اس خاتون سے بھی علیحدگی ہو گئی۔ ہسپانوی خانہ جنگی کے پس منظر میں ارنسٹ ہمنگو نے اپنا ناول *For Whom The Bells Tolls* (1940ء) لکھا۔ 1940ء میں اس نے مارتھا کیلی ہوم نامی خاتون سے شادی کر لی مگر اس وقت ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی جب لندن میں ارنسٹ ہمنگو نے کی ملاقات دوسری جنگ عظیم کے دوران میری ویلش سے ہوئی۔

افریقہ کی سیاحت پر

1952ء میں اس کے ناول *The Old Man And The Sea* کی اشاعت کے فوراً بعد ارنسٹ ہمنگو نے افریقہ کی سیاحت پر روانہ ہوا جہاں رونما ہونے والے دو ہوائی حادثوں میں وہ مرتے مرتے بچا جس کے بعد اس نے فلوریڈا میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور بعد ازاں وہ کیوبا میں رہائش پذیر ہو گیا جہاں 1961ء میں اس نے خود کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔

ونیس میں قیام

1948ء میں ارنسٹ ہمنگو نے اپنی بیوی میری ویلش کے ساتھ یورپ کی سیاحت کی تھی اور وہ کئی ماہ تک اٹلی کے شہر ونیس میں مقیم رہا تھا۔ ونیس میں قیام کے دوران ارنسٹ ہمنگو نے ایک 19 سالہ لڑکی ایڈریانہ کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ اس عشق کا فسانہ اس نے اپنے ناول *Across The River Into Trees* میں بیان کیا ہے۔ افریقہ کی سیاحت کے دوران ارنسٹ ہمنگو نے دو فضائی حادثوں میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔

ہسپانوی سفر کی روئیداد

ارنسٹ ہمنگو نے کا ناول *The Sun Also Rises* اس کے ہسپانوی سفر کی روئیداد پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس کی بعد اوقات شائع ہونے والی آپ بیتی *A Moveable Feast* بھی اس کے کئی ایک سفروں کی روئیداد پر مشتمل ہے۔ انھیں کتابوں کی وجہ سے ارنسٹ ہمنگو کو ناقدین ادب سفر نامہ نگاروں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔

(76)

1945-ولفریڈ تھیسیجر

ALFRED THESIGER

یہ سفر نامہ اس کے پیدل اور اونٹ پر عرب کے مشہور صحرا ریلح الٹالی The Empty Quarter of Arabia کو عبور کرنے کی داستان ہے۔

ولفریڈ تھیسیجر (1910-2003ء) اسے مبارک بن لندن Mubarak Bin London کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ انگریز سیاح اور طالع آزمائے اس کے سفر ناموں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس کا سب سے مشہور سفر نامہ Arabian Sands ہے۔ یہ سفر نامہ اس کے پیدل اور اونٹ پر عرب کے مشہور صحرا ریلح الٹالی The Empty Quarter of Arabia کو عبور کرنے کی داستان ہے۔ یہ کتاب 1959ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا اہم سفر نامہ The Marsh Araba ہے جو 1964ء میں شائع دیا تھا۔ ولفریڈ تھیسیجر نے اپنی تقریباً 38000 سفری تصاویر آکسفورڈ یونیورسٹی کو بطور عطیہ دی تھیں۔

جھیل ایسے تک سیاحت

ولفریڈ تھیسیجر ایتھوپیا کے دارالحکومت عدیس ابابا میں پیدا ہوا اور ایتھوپیا میں برطانوی کنسل جنرل ولفریڈ کلبر تھیسیجر کا بیٹا تھا۔ اس کا دادا فریڈرک لارڈ جیمس فورڈ بھی برطانیہ کے طبقہ امراء سے تعلق رکھتا تھا۔ ولفریڈ تھیسیجر نے ایمان کالج اور میکڈیلین کالج آکسفورڈ سے تعلیم پائی۔ اسی دوران وہ آکسفورڈ کے ہم جوئی کے کلب کا خزانچی بنا دیا گیا (1932)۔ 1930ء میں ولفریڈ ایتھوپیا واپس آیا۔ اسے ایتھوپیا کے شہنشاہ ہیل سیلاسی نے اپنے جشن تاجپوشی میں ذاتی طور پر مدعو کیا تھا۔ 1933ء میں جب وہ افریقہ سے واپس لوٹا تو اسے رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے دریائے ایواش R. Awash کی مہم کا سربراہ مقرر کیا اور اس طرح وہ آدسا سلطنت Aussa Sultant میں جھیل ایسے Lake Abbe سیاحت کرنے

والا پہلا یورپی سیاح قرار پایا۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز کے بعد ولفریڈ نے سوڈان ڈیفنس فورس میں شرکت کی۔ اس کے بعد اسے عرب دنیا میں ایک سیکشٹل مشن پر شام بھیجا گیا اور اس نے 1943ء سے 1945ء تک شمالی افریقہ میں ہجر کی حیثیت سے فوجی خدمات انجام دیں۔

پاکستان اور کینیا میں

ولفریڈ تھیمجر اس کی عرب مہمات کی وجہ سے مشہور ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ولفریڈ تھیمجر عرب دنیا کے سفر پر نکلا۔ اس نے کچھ سال عراق کے دلدلی علاقوں میں بسر کیے۔ اس کے بعد وہ ایران، کردستان اور فرانسیسی مغربی افریقہ کی سیاحت پر نکلا۔ اس دوران اس نے برصغیر میں پاکستان کی سیاحت بھی کی۔ اس کے علاوہ وہ کئی سال تک شمالی کینیا میں بھی مقیم رہا۔

صحرائے ریلح الیٹی کی سیاحت پر

1945ء میں ایک ماہر حشرات الارض Entomologist، بی لین O.B. Lean نے ٹنزی دل کے حملے کے خلاف مشرق وسطیٰ میں چلائی گئی اپنی مہم میں تھیمجر کو شریک کار بنایا اور اس کے ذمہ ٹنزیوں کی پیدائش اور انڈے دینے کے مقامات کی تلاش کی گئی خاص طور پر جزیرہ نما عرب کے جنوبی گوشے میں۔ اس ٹنزیوں کے پیدائشی مقامات کی تلاش کی ٹیم میں اسے دوسرے صحرائے ریلح الیٹی کو عبور کرنا پڑا اور وہ سلطنت عمان کے اندونی حصوں تک گیا۔ اس دوران وہ اپنے عرب بدو راہنماؤں اونٹوں پر اور پیدل سفر کرتا رہا اور اسے مقامی بدوی قبائل کے حملوں کیساتھ ساتھ کئی اور خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ تھیمجر کا پہلا عبور صحرا کا سفر اکتوبر 1946ء میں شروع ہوا۔ وہ اور اس کے بدوی ساتھی سلالہ کے مقام سے اس مہم پر نکلے۔ سلالہ سلطنت عمان کے صوبے ظوفار میں واقع ہے۔ سلالہ سے انھوں نے نخلستان مغشین Mughshin تک سفر پہلے مرحلے میں مکمل کیا۔ یہاں سے اس کا عبور صحرا کا سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کئی ایک صحرا میں سفر نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس حرائی سفر سے نالاں تھے۔ تھیمجر نے اپنے صرف چار ساتھیوں کے ساتھ عبور صحرا کا خطرناک سفر جاری رکھا اور وہ ابوظہبی میں واقع نخلستان لیوا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے واپسی کا سفر بھی سلالہ تک اسی راستے سے کیا اور وہ 23 فروری 1947ء کو سلالہ واپس پہنچا۔ اس نے اپنا دوسرا عبور صحرا سفر دسمبر 1947ء میں شروع کیا تھا جب کہ اس کا سفر نامہ 1959ء میں شائع ہوا تھا۔

(77)

1952۔ ہنرخ ہیر پر

HENRICH HARPER

ان سب نے مل کر یہ چوٹی سر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس چوٹی کو سر کرنے میں سب سے بڑا خطرہ برقانی ابوالانج کا تھا جو مسلسل گرتے رہتے تھے مگر آخر کار یہ چوٹی انھوں نے سر کر لی۔

ہنرخ ہیر پر (1912-2006ء) ایک آسٹریا کا کوہ پیما، جغرافیہ دان اور مصنف تھا۔ اس نے سوئٹزرلینڈ میں چار افراد کی ایک ٹیم کے ساتھ شمالی جانب سے Eiger نامی چوٹی سر کی تھی جو اس کی شہرت کا باعث بنی تھی۔

ہمالیائی کوہ پیما کی مہم

ہنرخ ہیر پر آسٹریا میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے تعلیم پائی۔ کوہ پیما کی شروع ہی سے ہنرخ ہیر پر کا جنون رہا تھا۔ ہمالیائی کوہ پیما کی مہم میں شمولیت کے لیے نام کمانے کے لیے ہیر پر اور اس کے ایک کوہ پیما دوست نے سوئٹزرلینڈ آپس کی چوٹی آئیگر Eiger کو شمال سمت سے سر کرنے کا عزم کیا۔ اس برقانی چوٹی کو White Spider بھی کہتے ہیں۔ اس کو سر کرنے کی کوششوں میں کئی لوگ جان گنوا چکے تھے جس کی وجہ سے سوئس شہر برن کے حکام نے اس چوٹی کو سر کرنے پر پابندی لگا دی تھی مگر ہیر پر نے اپنی یونیورسٹی کے ذریعے اس چوٹی کو سر کی اجازت حاصل کر لی (1938ء) جب وہ اس چوٹی کو سر کر رہے تھے تو ان کی ملاقات آدھے راستے کو طے کرنے کے بعد ایک اور کوہ پیما ٹیم سے ہوئی جو جرمنی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس طرح ان سب نے مل کر یہ چوٹی سر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس چوٹی کو سر کرنے میں سب سے بڑا خطرہ برقانی ابوالانج کا تھا جو مسلسل گرتے رہتے تھے مگر آخر کار یہ چوٹی انھوں نے سر کر لی۔

نانگا پربت کی چوٹی سر کرنے کے لیے

1939ء میں ہیر پر نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ نانگا پربت کو سر کرنے کے لیے برطانوی ہندوستان کا رخ

کیا۔ اگست 1939ء میں وہ کراچی پہنچ گئے مگر ٹانگا پر بت کے اس راستے کو محمد پاکر انھوں نے وطن واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران وہ ایران بھی جانا چاہتے تھے برطانوی فوج نے انھیں کراچی سے کئی سوکل میٹر دور ایران کے راستے پر انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اسی دوران 3 ستمبر کو جنگ عظیم دوم کا آغاز ہو گیا اور انھیں احمد نگر میں بمبئی کے قریب ایک فوجی کیمپ میں بند کر دیا گیا۔

سات سال تبت میں قیام

اس کیمپ سے انھوں نے فرار ہو کر گویا تبت جانے کا فیصلہ کیا اور وہ بالآخر 1944ء میں تبت پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے اور 1951ء تک اگلے سات سال اس نے تبت میں گزارے۔ اسی دوران 1950ء میں کمیونسٹ چین نے تبت پر حملہ کیا تھا۔ تبت میں قیام کے دوران ہیر پر اور اس کے ساتھی کے دلائی لامہ (تبت کا مذہبی راہنما) سے تعلقات استوار ہو گئے اور وہ تبت کے 14 ویں دلائی لامہ کے مغربی زبانوں کے استاد اور قریبی دوست بن گئے اور انہوں نے تبت کی حکومت میں غیر ملکی ترجمان کی ملازمت اختیار کر لی۔ دلائی لامہ نے اسے آکس اسکائیٹنگ پر ایک دستاویزی فلم بنانے کا کہا۔ یاد رہے کہ ہیر پر نے ہی آکس اسکائیٹنگ کو تبت میں متعارف کرایا تھا۔

تبت کا سیاحت نامہ

1952ء میں ہیر پر تبت سے واپس آسٹریا لوٹا اور اس نے تبت کی سیاحت پر اپنی کتاب Seven Years in Tibet مکمل کی۔ اس کتاب نے شاعر کا میابی حاصل کی اور اس کا دنیا کی 53 زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ صرف امریکہ میں اس کتاب کی 30 لاکھ سے زائد جلدیں فروخت ہوئی تھیں۔ اس کتاب پر 1956ء اور 1997ء میں فلمیں بھی بنائی گئیں جو باکس آفس پر انتہائی کامیاب رہیں۔

(78)

1953- محمود نظامی

انھیں زیادہ شہرت ان کے سفر نامے ”نظر نامہ“ کے سبب ملی۔ نظر نامہ میں انھوں نے ان ملکوں کی سیاحت کا حال لکھا ہے جو انھوں نے 1953ء میں یونیسکو کے زیر ہدایت کی تھی۔

محمود نظامی (1911-1960ء) ادیب اور سفر نامہ نگار، لاہور میں اپنے نانا مرزا نظام الدین بیک کی آغوش میں ایک عرصہ گزارا اور اسی نسبت سے نظامی کہلائے۔ اسلامپور کالج لاہور سے 1932ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان پشاور کے علاقائی ناظم مقرر ہوئے۔ بعد ازاں متحدہ ریڈیو اسٹیشنوں پر خدمات انجام دیں۔ حکومت پنجاب کے تعلقات عامہ کے محکمہ کے ڈائریکٹر رہے۔ انشائیہ مضامین اور ڈرامے بھی لکھے لیکن انھیں زیادہ شہرت ان کے سفر نامے ”نظر نامہ“ کے سبب ملی۔ نظر نامہ میں انھوں نے ان ملکوں کی سیاحت کا حال لکھا ہے جو انھوں نے 1953ء میں یونیسکو کے زیر ہدایت کی تھی۔

ماضی کے درپچوں میں سیاحت

”نظر نامہ“ محمود نظامی کا وہ سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے مصر اور دیگر ممالک کو ماضی کے درپچوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ محمود نظامی ریڈیو سے وابستہ رہے تھے اس لیے انھوں نے اس سفر نامہ میں ”فلیش بیک“ کی تکنیک استعمال کی ہے جس کے ذریعے وہ ماضی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اپنے اس سفر نامے کا دیباچہ انھوں نے عذر گناہ کے عنوان سے 1954ء میں تحریر کیا تھا جبکہ ”نظر نامہ“ 1958ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی سفر نامہ میں انھوں نے حالات زندگی کے عنوان سے اپنے سفر زندگی کی تفصیل بھی دی ہے اور دیگر پانچ عنوانات کے تحت یہ سفر نامہ رقم کیا ہے (1) بازار مصر (2) روم نامچ (3) بریٹل لندن (4) شب طلوع پیرس (5) ہالا خرمیسکو

سفر کا آغاز

22 اکتوبر 1952ء کو محمود نظامی نے راولپنڈی سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور 24 اپریل 1953ء کو مصر، لبنان،

اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس، برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا، جزائر بہاماس، کیوبا اور میکسیکو کا چکر لگا کر وہ واپس کراچی پہنچے۔ محمود نظامی کے سفر نامے ”نظر نامہ“ کو اردو ادب میں کافی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ وہ وہ پہلا سفر نامہ ہے جس میں نہ صرف جدید سفر نامہ کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا انداز تحریر بھی ایجاد کیا جو معلومات سے زیادہ دل و دماغ کو اپنے جذباتی سیل طوفان میں بہ لے جاتا ہے۔ اپنے اسی انداز تحریر سے محمود نظامی نے سفر ناموں کا روایتی انداز تحریر اور رجحان بدل کر رکھ دیا اور قاری کو اپنی قلمی سحر کاری سے مسحور کر دیا۔ انھوں نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ جو کچھ وہ خود دیکھتا ہے قاری کو بھی دکھائے۔ ایک مقام پر وہ خود لکھتے ہیں کہ:

”اس سفر کے دوران میں انسان زیادہ مقامات کو زیادہ سہولتوں اور تفصیل سے دیکھ سکتا ہے۔ میں لندن میں تھا تو باد و باران کے باوجود پیدل چلتا تھا۔ نیویارک میں بھی میرا یہی معمول رہا اور برف، بارش، ڈالہ باری اور تیز ہواؤں کے باوجود اس کے بازاروں اور سڑکوں پر دلچسپی کی چیزوں کو دیکھتا دور تک نکل جاتا۔“

ایک رپورتاژ

محمود نظامی کا ”نظر نامہ“ ایک ایسی تحریر ہے جو کہیں تو مکی رپورتاژ کے انداز میں لیکن اسے شہرت ملی سفر نامہ کے طور پر۔ یہاں تک کہ مختلف یونیورسٹیوں نے اسے شامل نصاب کر لیا تھا۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

”مینار کبیر“ (اہرام کبیر جو تھے شاہی خاندان کے دوسرے بادشاہ خوف نے اپنے مقبرے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ چونکہ قدیم مصر کے عقیدے کے مطابق مردے کا تمام اثاثہ اور دھن دولت اس کے ساتھ دفن کی جاتی تھی۔ اس لیے خوف کو اس پیش بہار و مال کی حفاظت کا بڑا خیال تھا جو سالہا سال کی فوج کشی اور پیہم فتوحات سے جمع کیا تھا۔ اس سچ گراں مایہ کو لٹیروں کی دستبرد سے مصون و محفوظ رکھنے کے لیے اس نے اپنے مرقد کو ایک سنگین حصار کی صورت میں تعمیر کیا جس کی ساخت میں قد آدم پتھر کے کئی لاکھ تھیں تیس چالیس چالیس ٹن وزنی ٹکڑے استعمال کیے گئے)۔ (نظر نامہ از محمود نظامی)

(79)

1954- ماہر القادری

یہ چہرہ جس پر گنتوں کی سیای بھری ہوئی ہے، حکما حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواہد شریف کے سامنے لے جانے کے قابل ہے؟“

ماہر القادری (1907-1978ء) ممتاز شاعر اور صحافی اصل نام منظور حسین تھا اور ماہر مخلص کرتے تھے۔ سلسلہ طریقت قادریہ سے نسبت کے سبب ماہر القادری کہلائے۔ ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے میٹرک کیا۔ 1934ء میں روزنامہ ”مدینہ“ بجنور سے چھ ماہ وابستگی رہی اور ساتھ ہی بچوں کے رسالے ”غنجہ“ کی بھی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ اسی سال عراق کا سفر اختیار کیا اور شاہ عراق سے ملاقات کی۔ حیدرآباد دکن میں بھی بارہ تیرہ برس رہے۔ مہاراجا سرکش بہادر بھی ان کے معتقد تھے۔ بمبئی میں کچھ عرصہ فلمی دنیا سے بھی وابستگی رہی۔ کئی فلمی نئے لکھے جو جو مقبول ہوئے مگر انھیں فلمی ماحول راس نہ آیا۔

کاروان حجاز

10 نومبر 1947ء کو ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ اپریل 1949ء میں ”قاران“ جاری کیا۔ پاکستان آ کر علاقہ خلیل عرب سے عربی سیکھی۔ 1954ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی اور اس سفر کی روئیداد انھوں نے اپنے سفر نامے ”کاروان حجاز“ میں قلمبندی کی۔ 1969ء میں جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی علمی اور دینی تنظیموں کی دعوت پر افریقہ کا سفر کیا۔ مئی 1978ء میں مشاعرے کے سلسلے میں سعودی عرب گئے اور مشاعرے میں شرکت سے قبل ہی 12 مئی 1978ء کو وہیں انتقال کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں ان کے دو سفر نامے بہت اہم ہیں جن میں سے ایک ”سیاحت نامہ ماہر“ اور دوسرا ”کاروان حجاز“ ہے۔

سفر حج پر

ماہر القادری نے سفر حج بحری جہاز میں طے کیا تھا۔ وہ 13 جولائی 1954ء کو کراچی سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے اور 10 اکتوبر 1954ء کو واپس آئے۔ تقریباً تین ماہ کا عرصہ انھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بسر کیا اور اپنے مشاہدات اور تاثرات کو ڈائری کی صورت میں مرتب کرتے رہے۔

جذب و شوق حب رسولؐ

یہ سفر نامہ ماہر کے سوز و دروں، جذب و شوق، حب رسول ﷺ تو حید پرستی اور دینی غیرت کا خوبصورت مرقع ہے۔ اس میں عقیدت بھی ہے اور جذباتی وارفتگی بھی مگر منفرد بات یہ ہے کہ ماہر کے ہاں جوش اور ہوش پہلو بہ پہلو سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ”کاروانِ حجاز“ میں اپنی تاریخی دینی اور سیاسی معلومات سے قاری کے دل و دماغ کو منور کرتے چلے جاتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے قرب میں پہنچ کر ان کی سوچ کا دھارا یہ صورت اختیار کرتا ہے۔

”مکہ کی آبادی آگنی، رات کا وقت ہے، عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اتار لیجیے۔ اس پاک اور مبارک شہر کا سب سے بڑا شرف یہ کہ یہ انسانیت کے محسن اعظم اور دنیا کے سے بڑے انسان اور خاتم الانبیاء، محمد عربی ﷺ (فدا البی دای) کا مولد و منشا ہے۔“

روضہ اقدسؐ پر حاضری

جب نبی اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری کا مبارک مرحلہ آتا تو ماہر اپنے جذبات کی عکاسی کچھ یوں کرتے

ہیں:

”قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں جہاں کی تمنا اور آرزو نے بزم تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو گل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاحی بھری ہوئی ہے، کیا حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مولد شریف کے سامنے لے جانے کے قابل ہے؟“

مدینہ منورہ سے ماہر القادری کو گہری قلبی محبت تھی اسکا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدینہ منورہ کے کتوں سے محبت

”یوں تو مدینہ کی ہر چیز دلکش و حسین ہے اور مجھے تو یہاں کے کتوں میں بھی محبوبیت کی ادا نظری

آئی۔“ مگر یہاں کا جیسا پانی روئے زمین پر کہیں نہ ہوگا۔ شیریں، سبک اور خنک بھی۔ گرمی کے زمانے میں قل کا پانی صراحی میں بھر دیجیے، زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس پانی کا گلاس کبھی لیوں سے ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔“

دوسرا سفر نامہ

یوں کہیے کہ ”کاروان حجاز“ عشق رسول (کے اسلوب میں نگدھا ہوا ہے۔ ان کے دوسرے سفر نامے ”سیاحت نامہ ماہر“ میں انھوں نے اپنے دوسروں کی تفصیلات کیجا کر دی ہیں۔ اس میں انھوں نے اپنے اگست 1976ء اور مارچ 1969ء کے سفروں کی روئیداد رقم کی ہے۔ مارچ 1969ء میں وہ جشن نزول قرآن کوئٹہ کی دعوت پر عازم سفر ہوئے تھے اور انھوں نے جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں کے علاوہ کینیا، اٹلی، چین، انگلستان، چیرس، جینوا، استنبول، بیروت، دمشق و حجاز مقدس کی سیاحت کی۔ چار ماہ کے اس سفر میں جب وہ بیروت سے جدہ پہنچتے ہیں تو لکھتے ہیں:

”وہاں پہنچ کر ایسا محسوس ہوا کہ اب تک تو میں مسافر کی حیثیت سے سفر میں تھا اب اپنے وطن

سے دور گھر میں ہوں۔ دین کا رشتہ دنیا کے تمام رشتوں سے زیادہ قوی اور پائیدار ہے۔“

اگست 1976ء میں ماہر القادری دوسری مرتبہ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوئے اور اس ملک کے مختلف شہروں کی سیاحت کرنے کے علاوہ وہ واپسی پر قاہرہ آئے اور پھر ایک بار حجاز پہنچے کہ اس سرزمین کی زیارت کے بغیر ان کے ذوق سفر کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس سفر کے مشاہدات، تجربات نومبر دسمبر 1976ء اور جنوری مارچ 1977ء کے فاران میں شائع ہوئے تھے۔ بعد ازاں انھیں کتابی شکل دے گئی۔

1959- آئن فلمینگ

IAN FLEMING

وہ عظیم مصنف جس کا تخلیق کردہ جاسوسی کردار جیمز بانڈ اس دور کا سب سے بڑا جاسوس ہے

جیمز بانڈ کا خالق

'آئن فلمینگ (1908-1964ء) ایک انگریز صحافی، ناول نگار، بحریہ کا اٹلی جنس آفیسر تھا اور اپنے تخلیق کردہ کردار جیمز بانڈ James Bond کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس نے جیمز بانڈ سیریز کے کئی ایک ناول لکھے تھے جو بعد ازاں پردہ کشیں پر کامیاب جاسوسی فلموں کے طور پر پیش کیے گئے۔

آئن فلمینگ ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ رائٹ فلمینگ 1910ء سے برطانوی پارلیمنٹ کا منتخب رکن تھا۔ آئن فلمینگ نے ایٹان ETON اور سینڈھرسٹ جیسے تعلیمی اداروں میں تعلیم پائی اور ایک مصنف بننے سے پہلے اس نے کئی اداروں میں کام کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران آئن فلمینگ نے برطانوی بحریہ میں اٹلی جنس آفیسر کی خدمات انجام دیں اور اسی دوران آپریشن گولڈن آئی پر کام کیا۔ اس نے جنگ عظیم کے بعد صحافت کے پیشے کو اپنایا۔ بحریہ میں اٹلی جنس کے شعبے میں کام کرنے اور صحافت کو اپنانے سے اسے جیمز بانڈ سیریز کے کئی ناولوں کے پلاٹ خود بخود مل گئے۔

گیارہ ناول

آئن فلمینگ نے اپنا پہلا جیمز بانڈ ناول CASINO ROYALE 1952ء میں مکمل کیا۔ اس کا پہلا ناول انتہائی کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اس ناول کی بہت سی جلدیں مارکیٹ میں فروخت ہوئیں۔ اس کامیابی کے بعد اس

نے گیارہ جیمز ہاٹ ناول اور دو مختصر کہانیاں لکھیں جو تقریباً تیرہ سال کے عرصہ (1953-1966ء) میں شائع ہوئیں۔ یہ تمام ناول اور کہانیاں ایک سیکرٹ ایجنٹ جیمز ہاٹ 007 کے گرد گھومتی ہیں جسے M16 کے خفیہ نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا سفر نامہ مشرق و مغرب

اور وہ اپنے کوڈ 007 سے بھی بہت مشہور ہوا۔ اپنے ان جاسوسی ناولوں کے علاوہ آئن فلمنگ نے ایک سفر نامہ Thrilling Cities بھی لکھا تھا۔ یہ سفر نامہ برطانیہ میں پہلی بار 1963ء میں شائع ہوا تھا۔ جن شہروں کی سیاحت کی روئیداد آئن فلمنگ نے اپنے اس سفر نامے میں بیان کی ہے وہ ہانگ کانگ، میکاؤ، ٹوکیو، ہونولولو، لاس اینجلس، لاس ویگاس، شکاگو، نیویارک، میمبرگ، برلن، وینا، جنیوا، نیپلز اور مانٹری کارلو ہیں جو دنیا کے مغرب و مشرق کے نمائندہ شہر ہیں۔

”قہرلنگ سٹیٹز“ شروع میں لندن کے اخبار سنڈے 8 تا نمبر میں قسط وار شائع ہوا تھا اور آئن فلمنگ کے دو سفروں کی روئیداد تھی جن میں سے پہلا سفر 1959ء میں دنیا کے گرد کیا گیا تھا جبکہ دوسرا سفر 1960ء میں مکمل پذیر ہوا تھا۔ اس دوسرے سفر میں آئن فلمنگ نے براعظم یورپ کے شہروں کا سفر کیا تھا۔ دنیا کے گرد کیے جانے والا آئن فلمنگ کا پہلا سفر سنڈے 8 تا نمبر کے ایڈیٹر لیونارڈ کے اصرار پر کیا گیا تھا اور اس سفر کی روئیداد اس اخبار میں اتنی پسند کی گئی کہ آئن فلمنگ کو دوسرا سفر محض سفری روئیداد یا سفر نامہ لکھنے کے لیے کرنا پڑا۔ اس سفر نامہ کو جب کتابی شکل دی گئی تو اس میں ان شہروں کی بہت سی تصاویر بھی شامل کر دی گئی تھیں۔ اس کتاب میں آئن فلمنگ نے دنیا کے ان تیرہ مشہور شہروں کا سفر نامہ اضافہ کے ساتھ تحریر کیا تھا۔

دنیا کے گرد پانچ ہفتے

1959ء کو سنڈے 8 تا نمبر کے فیچر ایڈیٹر لیونارڈ رسل نے آئن فلمنگ کو تجویز پیش کی تھی کہ وہ دنیا کے گرد پانچ ہفتے کا سفر اختیار کرے۔ سفر کے تمام اخراجات سنڈے 8 تا نمبر نے ادا کرنا تھے۔ آئن فلمنگ کو رسل نے اس سفر کے دوران سفری فیچر لکھ کر 8 تا نمبر کو بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ پہلے پہل تو آئن فلمنگ نے یہ تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر جب رسل نے اسے ترغیب دلائی کہ دنیا کے گرد اس سفر میں آئن فلمنگ کو اپنے جاسوسی کردار جیمز ہاٹ کی اگلی کتاب لکھنے کے لیے بہت سا مطہر مل بھی ملے گا تو وہ سفر کرنے پر رضامند ہو گیا۔

ہانگ کانگ میں

آئن فلمنگ نے سفری اخراجات کے لیے 500 پونڈ کی رقم قبول کی اور برطانوی فضائی کمپنی BOAC کی پرواز میں سفر کرتے ہوئے پہلے سٹاپ کے طور پر ہانگ کانگ پہنچ گیا۔ ہانگ کانگ کی سیاحت کے دوران اس کی راہنمائی اس کے دوست رچرڈ ہفس نے کی۔ وہ آسٹریا میں اخبار سنڈے 8 تا نمبر کا نمائندہ تھا۔ رچرڈ ہفس کو بعد ازاں آئن فلمنگ

نے جیمز بانڈ سیریز کے کردار Underson Kikko کے طور پر پیش کیا تھا جو اس کے ناول You Only Live Twice کا ایک کردار ہے۔

اگلی منزل ٹوکیو

ہانگ کانگ کے بعد آئن فلمیٹنگ کی اگلی منزل ٹوکیو تھی۔ ٹوکیو میں تین دن کا قیام کرنے کے بعد آئن فلمیٹنگ نے جزائر ہوائی کے شہر ہولولولو کی راہ لی۔ اس پرواز کے دوران اس کا ڈکلس DC.6 طیارہ انجن میں آگ لگنے سے تقریباً تباہ ہو گیا تھا مگر اس نے ویک آئی لینڈ میں ایک ایمرجنسی لینڈنگ کر لی تھی۔ ہولولولو کے بعد آئن فلمیٹنگ اپنے دنیا کے گرد اس سفر میں لاس اینجلس پہنچا جہاں اس نے بہت اہم مقامات بشمول سیکرٹ پولیس کے ہیڈ کوارٹرز کی سیاحت کی اور اپنے ناول Diamonds For Ever کے لیے میٹریل اکٹھا کیا۔ آئن فلمیٹنگ کی اگلی منزل نیویارک تھی۔ اس کی اس سفری روئیداد کا سنڈے ٹائمز میں آغاز 24 جنوری 1966ء سے ہوا اور یہ سفری روئیداد 28 فروری 1960ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اس دوران سنڈے ٹائمز کے چیئرمین رائے تھا من اس کے ان سفری مضامین سے بڑے محظوظ ہوئے اور انھوں نے آئن فلمیٹنگ کو کئی اور شہروں کا سفر کر کے نئے سفری آرٹیکل لکھنے کی فرمائش کی اور آئن فلمیٹنگ کو ریوڈی جزیرہ، بساٹرین، ہوانا اور مائٹریال جیسے امریکی شہروں کے متعلق لکھنے کو کہا مگر آئن فلمیٹنگ نے یورپ کے شہروں کو دوسرے دن کے سفر کے لیے منتخب کیا اور سنڈے ٹائمز کے لیے ان یورپی شہروں کے احوال پر مشتمل ایک نئی سیریز لکھی۔

(80)

1960۔ احتشام حسین

احتشام حسین نے مصمم قلب سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ مطالعہ کتنا ہی وسیع ہو، مشاہدے اور زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو کر تجربہ حاصل کرنے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

احتشام حسین (1912-1972ء) اردو کے نقاد اور سفر نامہ نگار اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ 1935ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ 1936ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاد مقرر ہوئے۔ پھر الہ آباد یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر رہے۔ تنقید میں ان کا نظریہ مارکسی ہے۔ اسلوب منطقی اور مدلل ہونے کے ساتھ گفتگو کی طرف مائل اور موثر ہے۔ ان کے مضامین کے کئی مجلے اور سفر نامہ شائع ہو چکے ہیں۔ ”سائل اور سمندر“ ان کا معروف سفر نامہ ہے۔ یہ امریکہ، لندن اور پیرس کے سفری احوال کا تفصیلی احاطہ کرتا ہے اور ان کے وسیع مطالعے کا آئینہ دار ہے۔

مشاہدات و تجربات

احتشام حسین نے مصمم قلب سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ مطالعہ کتنا ہی وسیع ہو، مشاہدے اور زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو کر تجربہ حاصل کرنے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ دنیا کی کسی بھی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے، چھونے اور محسوس کرنے سے جو واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ”سائل اور سمندر“ میں ادراغی کمزوریوں کے علاوہ جن کا احتشام حسین نے اعتراف کیا ہے جتنی تحفظات اور نظریات نے بھی ان کے سفر سے ہم آہنگ ہونے میں روکاؤٹ پیدا کی ہے۔ بنیادی طور پر وہ سوشلسٹ نظریہ کے حامی تھے اور اس کے متعلقین سے کچھ ایسی وابستگی رکھتے تھے کہ خاندان سے زیادہ دن دوڑ رہا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے سفر تو ضرور کیا لیکن مسرت اور وارفتگی کی وہ کیفیت ان پر کبھی طاری نہیں ہوئی جو سفر کا حاصل

اور سیاح کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ سفر میں وہ اکثر افسردہ، رنجور اور بچے بچے نظر آتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

اقتباس

”کل شام تھوڑی دیر کے لیے محمد کاظم صاحب معہ اہلیہ کے آگئے، دلچسپ باتیں کرتے رہے، اس میں جی بہلارہا۔ ان کا تقاضا یہ تھا کہ سید صاحب آپ یہاں آئے ہیں ہر چیز دیکھ لیجیے۔ دنیا میں ایسی جگہ کوئی نہیں۔ میں کہتا ہوں ضرور جی ہاں، میری بھی یہی خواہش ہے لیکن انھیں کیسے بتاؤں کہ میں کیسی تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔“ (ساحل اور سمندر صفحہ 215)

لیکن یہی احتشام حسین جب تعلیم گاہوں اور کتابوں کی دنیا میں پہنچتے ہیں تو ان کا مزاج یکسر بدل جاتا ہے۔ اب وہ نہ گھر کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں اور نہ ان پر تنہائی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

دس مہینے کے سفر کی روئیداد

احتشام حسین کا یہ سفر نامہ دس مہینے کے طویل سفر کی روئیداد ہے۔ وہ جہاں بھی گئے ہم وطنوں کو شریک سفر کرنے کے خیال سے ڈائری مرتب کرتے رہے۔ انھوں نے ہر اہم چیز پر اپنا تاثر رقم کیا اور رد عمل ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ خواب کے واقعات کو بھی مفصل بیان کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سفر نامہ، سفر نامہ نگار کے مربوط و مسلسل تاثرات کا مفصل بیانیہ ہے۔

(81)

1962 ڈاکٹر عبادت بریلوی

”ارض پاک سے دیار فرنگ تک“ ان کے اس سفر کی رو میں دیا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے لندن کی ہر زاویہ سے تصویر کشی کی ہے۔ لندن نے بھی انھیں مایوس نہیں کیا اور اپنے تمام اسرار ان پر منکشف کر دیے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی اردو کے مشہور نقاد ہیں۔ ایک نقاد کی حیثیت سے انھوں نے تفہیم و تجزیہ اور تلاش و جستجو جیسے حقیقی اور تنقیدی عناصر سے کام لیا ہے۔ یہی دو عناصر دورانِ سفر ان کے کام آئے۔

لندن کا سفر

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے 1962ء میں لندن کا سفر کیا تھا۔ یہ سفر درس و تدریس کے وسیلے سے کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں انھیں لندن کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کا وہاں قیام پانچ برس رہا۔ دورانِ قیام اگرچہ انھیں اپنے وطن خصوصاً لاہور کی یاد برابر ستاتی رہی لیکن لندن نے بھی ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی اور آغوشِ محبت دیا کیے رکھی۔ اس طرح احساسِ تنہائی کا شدت سے مداوا ہو گیا اور ڈاکٹر عبادت بریلوی اطمینان کے ساتھ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لندن میں انھیں نہایت مخلص اساتذہ اور وسیع حلقہ احباب میسر آیا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنا یہ وقت ہنسی خوشی گزارا۔

”ارض پاک سے دیار فرنگ تک“

ان کے اس سفر کی رو میں دیا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے لندن کی ہر زاویہ سے تصویر کشی کی ہے۔ لندن نے بھی انھیں مایوس نہیں کیا اور اپنے تمام اسرار ان پر منکشف کر دیے۔ البتہ لندن کا معاشرتی اور تہذیبی ماحول انھیں ایک آنکھ نہ بھایا۔ اخلاقی اقدار اور جنسی بے راہ روی سے انھیں بڑا دکھ پہنچا۔ جنسی معاملات میں حیا سوز اظہار کو دیکھ کر ڈاکٹر

عبادت بریلوی دلیکیر اور غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی جنسی بے راہ روی کے عبرت ناک مناظر انھوں نے کچھ اس درد ناک انداز میں بیان کیے ہیں کہ مشرق کا قاری اپنے معاشرے کو فخر و محبت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ لندن کے تعلیمی تربیتی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کو مختلف زاویوں سے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلوب سادہ، کلفتہ اور زبان سلیس ہے۔

ترکی میں دو سال

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا دوسرا سفر نامہ ”ترکی میں دو سال“ ہے۔ مشاہدات کی گہرائی اور تجربے کی وسعت کا غماز ہے۔ ترکی میں بھی ان کے سفر کا مقصد درس و تدریس ہی تھا مگر یہاں سر بسر خوشی کا عالم ہے۔ یہاں ان کے قلم میں دلبری، ہانپن اور شوخی آگئی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ترکی میں دو سال رہے۔ وہاں انھوں نے ترک قوم کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے بہت سے پہلو دیکھے اور نہایت خوبی کے ساتھ ان کا تعارف کرایا۔ عبادت بریلوی اس بات سے خوش اور مطمئن ہیں کہ ترک پاکستان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اس کے سچے ہمدرد اور مخلص دوست ہیں۔ خوش گو اور نفسیاتی رد عمل کے طور پر وہ بھی ان کے شہروں اور قصبوں سے بے حد متاثر ہیں اور کھل کر ان کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انقرہ میں پھولوں کا موسم

”انقرہ پھولوں کا شہر ہے۔ موسم بہار میں یہاں پھول کھلتے بھی ہیں اور دکانوں پر بکتے بھی ہیں۔ جس زمانے میں انقرہ کا موسم خراب ہوتا ہے اور ہانگوں میں پھول نہیں ہوتے تو پھول ہاہر سے بھی منکوائے جاتے ہیں“ (ترکی میں دو سال صفحہ 67)

(82)

1964ء۔ بیگم اختر ریاض الدین

بیگم اختر ریاض الدین کی زبان اور ان کا بیان اتنا خوبصورت ہے کہ ان کے سفر نامہ پر حکمرانی کرنا نظر آتا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین (پ 1928) انگریزی ادب کی پروفیسر ہیں۔ تقریباً آٹھ سال تک ”پاکستان ٹائمز“ سے وابستہ رہیں۔ ان کے شوہر میاں ریاض الدین وزارت خارجہ سروسز میں تھے۔ اس لیے بیگم اختر ریاض الدین کو ان کے ساتھ فیرممالک کے سفر کرنا پڑے۔ اپنے ہر سفر کو اس نے اپنے سفر ناموں میں سمودیا ہے۔ ان کے سفر ناموں کے مجموعے ”سات سمندر پار“ اور ”دھنک پر قدم“ بہت اہم ہیں۔

سفر نامہ پر حکمرانی

بیگم اختر ریاض الدین کی زبان اور ان کا بیان اتنا خوبصورت ہے کہ سفر نامہ پر حکمرانی کرنا نظر آتا ہے۔ ان کے سچے سنورے جملے، نادر اور انوکھی تشبیہات ان کا تحریر کا خاصا ہیں۔ بیگم اختر نے اپنے سفر ناموں میں جغرافیائی اور تاریخی حقائق بیان کرنے سے گریز کیا ہے وہ صرف اپنے تاثرات قلم بند کرتی نظر آتی ہیں۔

دھنک پر قدم:

اس سفر نامے میں بیگم اختر ریاض الدین کا طرز نگارش محمود نظامی سے ملتا جلتا ہے مگر دونوں میں ایک فرق واضح ہے۔ محمود نظامی نے عبرتوں کو جگایا ہے اور بیگم اختر ریاض الدین نے سرستیں تقسیم کی ہیں۔ جہاں محمود نظامی ماضی کی شوکت رفتہ میں کھو کر تاریخ کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں اور جن آنکھوں سے وہ تاریخی مناظر دیکھتے ہیں انہیں میں اشکوں کے چراغ بھی روشن کر دیتے ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین تاریخ سے ہاتھ ملاتی ہیں اور حال اور ماضی دونوں پر ان کی گرفت مضبوط ہے اور وہ دونوں پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ چونکہ بیگم صاحبہ کو انگریزی صحافت کا بھی تجربہ ہے اور اس تجربہ سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ دھنک پر قدم سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”میرے لیے اس جزیرہ (ہوائی)“ کی سب سے بڑی خوبی اس کی آزادی تھی، ایک روحانی اور

وہی آزادی۔ اس گمنامی کی آزادی جسے پانے والا ہی جانتا ہے..... عام بازاروں میں سڑکوں پر لوگ جگے پیر، نیم برہنہ پھرتے ہیں۔ حد ہے کہ کالج یونیورسٹی کی جماعتوں میں حاضری لگوانے چلے جاتے ہیں۔“ (دھنک پر قدم نمبر 41)

بیگم اختر ریاض الدین کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ایک غیر جانب دار سیاح کی حیثیت سے واقعات اور مناظر کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ ان کے پاس ایک تخلیق کار کا دل اور مصور کی آنکھ ہے۔ ان کے قلم نے ”حسن فطرت کو شاعرانہ نثر کے پیکر میں صفہ قرطاس پر مجسم کر دیا ہے۔ ان کا قلم مناظر کو غیر جامد اور متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جزئیات کا خوبصورت انتخاب مناظر کو رنگ بہ رنگ بناتا ہے۔

سات سمندر پار

بیگم اختر ریاض الدین کا یہ سفر نامہ پاکستان رائر کوآپریٹو سوسائٹی کے زیر اہتمام 1964ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سفر نامے میں بیگم صاحبہ کے ٹوکیو، ماسکو، کراچی، نیپلز اور قاہرہ، لندن اور نیویارک کے سفر شامل ہیں۔ سات سمندر پار میں انھوں نے اپنی سیاحت مصر بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”ہمارا جہاز نہر سویز میں آہستہ آہستہ ایک عجیب بے اعتنائی کے ساتھ داخل ہوا۔ ہم سب باہر مرثے پر نکل آئے اور مختلف خیالات میں ڈوب گئے۔ سب زیادہ تر خاموش تھے اور اپنی اپنی یادوں سے ہم کلام، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست“ کوئی سویز کی تاریخ میں گم تھا، کوئی قاہرہ کی شبانہ رنگینیوں کے پروگرام میں، کوئی فہرست خرید و فروخت میں تو کوئی ابھرتے ہوئے چاند کے رومان میں۔ میں اکیلی کھڑی موجوں کی تنظیم کو دیکھ رہی تھی۔ (سات سمندر پار بیگم اختر ریاض الدین)

(83)

1966۔ جمیل الدین عالی

جمیل الدین عالی ایک آوارہ مش اور سیلانی قسم کے بے تکلف انسان ہیں جو اپنے سفر ناموں میں اپنے سفری تجربات بے تکلف بیان کرتے ہیں۔

جمیل الدین عالی (پ 1926ء) معروف شاعر، نقاد، گیت نگار اور سفر نامہ نگار ہیں ”دنیا مرے آگے، تماشا مرے آگے“ اور ”آکس لینڈ“ کے عنوان سے ان کے تین سفر نامے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ جمیل الدین عالی کا یہ سفر نامہ 1963ء سے 1966ء روزنامہ جنگ کراچی کے سنڈے ایڈیشن میں چھپتا رہا۔ اخباری صفحات میں اس بکھرے ہوئے سفر نامے کو مشفق خواجہ، ابن انشا اور جمال پانی پتی نے کتابی صورت دی تھی۔ ضخامت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اس سفر نامے کو دو جلدوں ”دنیا مرے آگے“ اور ”تماشا مرے آگے“ میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ اور دو الگ الگ کتابوں کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔

ایک جہاں گشت سیاح

جمیل الدین عالی ایک کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جہاں گشت سیاح بھی ہیں۔ ان کا پاؤں ہمیشہ سفر میں رہتا تھا۔ انھوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کی سیاحت کی۔ ان کے سفر کے ثمرات سفر ناموں کی شکل میں اردو ادب کا پیش قیمت سرمایہ ہیں۔ ”دنیا مرے آگے“ ان کا پہلا سفر نامہ ہے جس میں فرانس، برطانیہ، روس، مصر، لبنان، ایران اور دہلی کے سفارتکار احوال بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا سفر نامہ ”تماشا مرے آگے“ جرمنی، اٹلی، سوئٹزر لینڈ اور ہالینڈ کے سفر کی داستان ہے۔ یہ سفر نامے یورپ اور ایشیا کے بہت سے ممالک کی سیر کراتے ہیں کہ قاری گھر بیٹھے بیٹھے تقریباً آدمی مہذب دنیا کا سفر جمیل الدین عالی کے سفر ناموں کے ذریعے کر سکتا ہے۔ جمیل الدین عالی کے سفر نامے روایت اور جدت کا حسین امتزاج ہیں۔ وہ جب کسی ملک کی تاریخ بیان کر لیتا ہے اور جغرافیائی و سیاسی معلومات فراہم کر لیتا ہے تو سفر نامہ ہمیں روایتی

معلوم دیتا ہے۔ لیکن یہ روایت صرف موضوع اور مواد تک محدود رہتی ہے۔ جہاں تک اظہار کا تعلق ہے وہ عالی کا اپنا ہے۔ اہم معلومات کے علاوہ جمیل الدین عالی نے اپنے سفر ناموں میں دلچسپی کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔

عالی جب یورپ کے کوچہ بازار سے گزرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جمیل الدین عالی سفر نامے کو محض ذریعہ اظہار بناتے ہیں کہ یورپ کی ساری ترقی ان کی تحریر میں سمٹ آتی ہے اور ساری چمک دمک اور آداب و الفاظ عالی نے یورپ کی عظمت بیان کرنے کے لیے تخلیق کئے ہیں۔ کئی مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جمیل الدین عالی سفر نامے کو تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتے ہیں بعض جگہ بالکل جاسوسی فلموں جیسا انداز اختیار کر لیا گیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

جاسوسی فلم کا منظر

”میں نے کوشش کی کہ جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ٹٹولوں اور ایک نوٹ برآمد کر لوں مگر وہ صاحب کچھ اور سمجھے اور انھوں نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا ”اوہ تو آپ کے پاس ریوالور بھی ہے“ یہ کہہ کر انھوں نے میرے شانے والے ہاتھ سے میرے منہ کی سیدھ میں ایک زوردار گھونسن چلا دیا جو میریہ دائیں گلے کی آخری داڑھ پر پڑا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں خون نگل رہا ہوں۔ شاید میرا احساس یہ تھا کہ میں کوئی مار دھاڑ والی فلم دیکھ رہا ہوں۔ اتنے میں برابر والی گلی سے ایک مضبوط اور خوش شکل خاتون برآمد ہوئی جو ان کا دوسرا گھونسنہ دیکھ کر چیخنے لگیں مرڈر امرڈر ا جس سے وہ صاحب گھبرا گئے۔ میں نے جلدی سے اپنی فیلٹ ہیٹ منہ کے آگے کر لی اور دونوں مٹھیاں بنا کر جوابی گھونسا مارا جو ان کی ناک پر پڑا اور وہ چکرا کر گر پڑے اور پھر اٹھ کر بھاگ اٹھے“ (دنیا مرے آگے

صفحہ 31)

جمیل الدین عالی ایک آوارہ منش اور سیلابی قسم کے بے تکلف انسان ہیں جو اپنے سفر ناموں میں اپنے سفری تجربات بے تکلف بیان کرتے ہیں۔

(84)

1967ء۔ ابن انشا

ان کی اس کتاب کی مقبولیت اتنی ہے کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ لاہور اکیڈمی لاہور نے 2007ء میں اس کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا تھا۔

ابن انشا اردو ادب کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ وہ بیک وقت شاعر، ادیب، کالم نگار اور مزاح نگار تھے۔ ریڈیو پاکستان اور نیشنل بک سینٹر سے منسلک رہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کا رابطہ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو سے تھا اور اسی رابطے کی بنا پر ابن انشا کو پوری دنیا کی سیروسیاحت کے مواقع میسر آئے۔ 1967ء میں ابن انشا یونیسکو کی دعوت پر یورپ اور مشرق وسطیٰ کے سیاحتی دورے پر نکلے۔ ان کا یہ سفر تین ماہ کے عرصہ پر محیط تھا جس میں یورپ کے شہر و ممالک میں پیرس، لندن، جرمنی، سویٹزرلینڈ، ویانا اور مشرق کے ممالک میں قاہرہ، لبنان اور شام شامل ہیں۔ ابن انشانے اپنی یہ سفری روئیداد ”روزنامہ جنگ“ میں کالم کی صورت میں شائع کرائی۔ پھر 1971ء میں ان کالموں کو یکجا کر کے ”آوارہ گرد کی ڈائری“ کے نام سے ان کے پہلے سفر نامے کی شکل دی گئی۔

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

ابن انشا کا دوسرا سفر نامہ ”ابن بطوطہ کے تعاقب میں“ ہے جس میں انھوں نے جرمنی، لندن، جاپان، فلپائن، سری لنکا اور ایران کے لیے کیے گئے اپنے سفر کی روئیداد بیان کی ہے۔ ابن انشا کا یہ سفر نامہ پہلی بار 74ء میں شائع ہوا تھا اس کتاب کی مقبولیت اتنی ہے کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ لاہور اکیڈمی لاہور نے 2007ء میں اس کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا دیباچہ ”سیاح کی مناجات“ کے عنوان سے ابن انشانے خود لکھا تھا اور اس کتاب میں 145 ذیلی عنوانات ہیں جن میں جاپان، فلپائن، سری لنکا، ایران، جرمنی اور لندن کی سیاحت کا احوال دیا گیا ہے۔

آدھی دنیا کا سفر

اپریل 1974ء میں شائع ہونے والے اس سفر نامے میں ابن انشا نے 1963ء کے سفر ایران اور 1964ء کے سفر سری لنکا کے دوران لکھے گئے سفری کالموں کے علاوہ اپنی عمر کے آخرین برسوں کے تمام سفروں کی روئیداد بھی شامل کر دی ہے۔ ایران اور لنکا کے علاوہ مصر، شام، روم، افغانستان، ہند، بنگال، انڈونیشیا کی سیاحت بھی ابن بطوطہ نے کی تھی اور ابن انشا اس کے نقش قدم پر چلے تھے۔ ابن بطوطہ اور ابن انشا میں اگرچہ ساڑھے چھ صدیوں کا فاصلہ ہے مگر ابن انشا نے اپنے اس سفر نامہ کا نام ابن بطوطہ کے تعاقب میں رکھا تھا۔ ابن انشا کے ان سفر ناموں میں طنز و مزاح کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

غسل خانے کی تلاش میں

”فریگٹ میں ہم نے غسل خانہ جانا تھا تو اس کا دروازہ ہی نہ ملا۔ ہم نے فیجر کو بلا کر کہا کہ دروازہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہیں بھی نہیں ہے کیونکہ آپ کے کمرے کے ساتھ غسل خانہ نہیں ہے“ اس پر ہم نے کہا جناب ہمیں غسل خانہ چاہیے اس کے ساتھ کمرہ ہو یا نہ ہو کچھ پروا نہیں۔ ہم غسل خانے کے تحت طاؤس پر بیٹھ کر غور و فکر کرتے ہوئے وقت گزار لیں گے۔“

چلتے ہو تو چین کو چلیے

ایسی گفتگوئی تحریر ہر ایک کے بس کے بات نہیں بلکہ ابن انشا ہی کا خاصہ ہے۔ ”چلتے ہو تو چین کو چلیے“ ابن انشا کا تیسرا معروف سفر نامہ ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

”ہم نے بہت کوشش کی کہ ہمارے چین جانے کی کسی کوکانوں کان خبر نہ ہو، لیکن تدبیر کند بندہ تقدیر زد خندہ“ یہ بات نہیں کہ ہم چھپ چھپا کر بھیس بدل کر بلا پاسپورٹ چین جا رہے تھے یا مغربی دنیا سے اس امر کو چھپانا مقصود تھا مگر اصل میں ہمسایوں اور دوستوں کی فرمائشوں سے بچنا مقصود تھا۔“ (چلتے وہ تو چین کو چلیے)

ابن انشا کا یہ سفر نامہ بھی بہت دلچسپ اور طنز و مزاح سے بھرا ہوا ہے۔

(85)

1967- قرۃ العین حیدر

انھوں نے کئی ادبی ایوارڈ حاصل کیے اور انھیں بھارت کے گمان پیٹھ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا جو بھارت کا سب سے بہترین ادبی ایوارڈ ہے۔

قرۃ العین حیدر بنیادی طور پر ایک ناول نگار ہیں اور افسانہ نویس بھی۔ اردو میں قرۃ العین حیدر نے جیسی شہرت پائی ہے بہت کم ناول نگاروں کو نصیب ہوئی۔ انھوں نے کئی ادبی ایوارڈ حاصل کیے اور انھیں بھارت کے گمان پیٹھ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا جو بھارت کا سب سے بہترین ادبی ایوارڈ ہے۔ اردو میں یہ ایوارڈ فراق گورکھپوری کے بعد صرف قرۃ العین حیدر کو ہی ملا ہے۔

منفرد تخلیق کار

قرۃ العین حیدر ایک منفرد تخلیق کار ہیں۔ ان کا مخصوص اسلوب نگارش اردو ادب میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ یہ اسلوب ہندوستان کے دیومالائی قصوں، دبستانوں، صوفیوں اور سنتوں کے روحانی ویلوں اور لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کے نشیب و فراز سے ابھرتا ہے۔ ان کا یہ طرز نگارش کبھی نہیں بدلتا چنانچہ ان کے سفر نامے بھی اس مخصوص لب و لہجے سے مبرا نہیں ہیں۔ ”جہان دیگر اور“ دکھائیے لے جا کر اسے مصر کا بازار“ قرۃ العین حیدر کے معروف سفر نامے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں تصوراتی پیکر حقیقی کردار بن کر ابھرتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حال میں سفر کرتے کرتے اچانک ماضی میں پہنچ جاتی ہیں اور حال سے ماضی اور ماضی سے حال میں سفر کرتے ہوئے تہذیبی اور تاریخی معلومات کے قیمتی موتی پروتی رہتی ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں ظاہری مناظر و مظاہر کی اہمیت نسبتاً کم ہے اس لیے کہ وہ ظاہر سے زیادہ باطن میں سفر کرتی ہیں۔ ان کی شخصیت میں انکار و معافی کی ایک دنیا آباد ہے۔ وہ ذہن اور ذات کی مسافرہ ہیں۔ زندگی کی

(86)

1968- قدرت اللہ شہاب

شہاب نامے کے خالق اور پاکستان کے سرکاری حلقوں کے راز داں جن کا پتا
ایک اسلوب نگارش ہے، ان کے ساتھ سفر کیجیے

تو ابھی رہگور میں ہے

”اے بنی اسرائیل“ اور ”تو ابھی رہگور میں ہے“ قدرت اللہ شہاب کے سفر نامے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفر نامہ نگار نے زمینی حالات و واقعات سے زیادہ باطنی کیفیت کے ذریعے کیفیات کا احوال بیان کیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنے سفری تجربات و مشاہدات کے ذریعے قاری کے دیدہ دل کو تحیر یا مسرت سے ہمکنار کرنے کی بجائے اس کے باطن کو متقلب کرنے کی کوشش کی ہے۔ بالفاظ دیگر ان کے سفر ناموں میں ادراک کی سطح پر سفر کرنے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سفر نامہ کسی ملک کے تاریخ و جغرافیہ اور تہذیب و تمدن سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں مملکتوں کی سیاسی ہنگامہ آرائی اور قدرتی مظاہر سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ انسان پر نظریں جمائے رہتے ہیں اور اس کے باطن کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ وہ انسانی دماغ سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور کسی ایک بات، ایک منظر، ایک واقعہ یا ایک خیال کے توسط سے دور تک اور دیر تک سفر کرتے ہیں۔ اس سفر میں ان کا ذہن مختلف سطحوں میں پرواز کرتا ہے اور وہ کہیں خود دکھائی کے ذریعے اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں تو کہیں تجزیہ اور تبصروں کے ذریعے قاری کے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ (1920-1986)

ادراک کو جھنجھوڑنے والے

قدرت اللہ شہاب انسان کے ادراک کو جھنجھوڑتے اور جذبات کو ابھارنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اس عمل کی بہتات نے ان کے سفر ناموں کے فطری انداز کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ قدرت اللہ شہاب پاکستان کے مشہور مصنف تھے اور رسول سروس میں تھے۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کیا تھا۔ بہار اور اڑیسہ میں رہے اور 1947ء میں پاکستان آ گئے۔ شہاب نامہ ان کی سب سے معروف تصنیف ہے۔

(87)

1968۔ شورش کاشمیری

آغا شورش کاشمیری، شاعر، ادیب، خطیب اور صحافی اور سرکاری مہول پر نگہداشتی کرنے کے ماہر آغا شورش کاشمیری (1917-1975ء) ان کا اصل نام عبدالکریم تھا۔ وہ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ نامساعد حالات کی بنا پر میٹرک کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکے تاہم انہوں نے ذاتی طور پر مطالعہ جاری رکھا اور تقریباً ہر قابل ذکر کتاب پڑھ ڈالی۔ شعر و شاعری کا ذوق ابتداء ہی سے رکھتے تھے۔ روزنامہ ”سیاست“ میں نظمیں لکھنا شروع کیں۔ تحریک شہید گنج میں اڑھائی سال قید کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ مولانا ظفر علی خاں سے تلمذ فیض حاصل کیا۔ سولہ برس کی عمر میں دوبارہ بغاوت کے جرم میں دو سال کی سزائے قید ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد لاہور میں نظر بند رہے۔ پھر رہا ہونے کے بعد ایک باغیانہ تقریر کی پاداش میں پھر ڈیڑھ سال کے لیے قید کر دیے گئے۔ دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد ایک اور باغیانہ تقریر کی پاداش میں ڈیفنس آف انڈیا کے تحت سات سال قید کی سزا ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد بھی لاہور میں نظر بند تھے کتا آزادی سے چھ ماہ پہلے ان کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔

قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ ”زمیندار“ اور ”آزاد کی شعبہ ادارت میں رہے۔ پھر اپنا ہفت روزہ ”چٹان“ جاری کیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی حکومت پر کئی چینی کی پاداش میں متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔

سفر نامہ جج

”شب جائے کہ من بودم“ ان کا سفر نامہ جج ہے جو 1971ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ یہ ان کا ایک تاثراتی سفر نامہ ہے جس میں انہوں نے جعفر ایفائی اور تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات بھی بیان کیے ہیں جو اس سفر نامہ کو ایک یادگار کتاب بناتے ہیں۔

(88)

1970- مستنصر حسین تارڑ

ان کے سفر ناموں کی شمولیت سے اردو ادب کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ مستنصر کے سفر ناموں کا مطالعہ سبھی نے ذوق و شوق سے کیا کہ انھوں نے سفر نامے کو ادب کی مقبول ترین صنف بنادیا

اردو سفر نامے میں ایک عظیم نام

مستنصر حسین تارڑ (1939-2016ء) نے اردو سفر نامے کا ایک نہایت اہم نام ہے۔ ان کے سفر نامے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تارڑ نے ایک حقیقی سیاح کی مانند اپنے سفر کو کسی مقصد کی ڈور میں نہیں باندھا۔ ہر منزل ان کے لیے رہگور ہے اور ہر رہگور ایک منزل تھی۔ اس طرح خود سفر ہی ان کا مقصد سفر ہو جاتا ہے اور ایک ٹوٹے ہوئے پتے کی مانند ادھر سے ادھر اڑتے پھرتے ہیں اور ایک آوارہ گرد کی طرح دیس بدیس کی سیر کرتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح جہاں گردی یا آوارہ گردی میں ان کے حواس خمسہ ہر وقت بیدار رہتے ہیں۔ انھیں حواس خمسہ کے ذریعے وہ سفر کی تمام جزئیات محفوظ کرنے جاتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے ثمرات سفر ”لکھ تیری تلاش میں“، ”اندلس میں اجنبی“، ”خانہ بدوش“ اور ”ہنزہ داستان“ جیسے لا جواب سفر ناموں کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ وہ سفر نامے ہیں جن کی شمولیت سے اردو ادب کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ مستنصر کے سفر ناموں کا مطالعہ سبھی نے ذوق و شوق سے کیا۔ ان کی بدولت اردو کے قارئین میں سفر نامے پڑھنے کا شوق بیدار ہوا اور سفر نامے کی مقبولیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ان کی مقبولیت کی وجہ سے سفر نامہ نگاری کو تقویت ملی اور سفر نامہ لکھنا ایک فیشن سا ہو گیا۔ مگر سفر ناموں کی اس بھیڑ میں مستنصر حسین تارڑ کا چہرہ صاف پہچانا جاتا ہے۔ مستنصر ایک سچے سیاح کی مانند سفر کو زحمت نہیں سمجھتے بلکہ اکتساب مسرت کا وسیلہ تصور کرتے ہیں۔ باریک بینی اور جزئیات نگاری میں انھیں کمال حاصل ہے، منظر کیسا بھی ہوا در کہیں بھی ہو، ان کی تیز نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

”میرے ساتھ بیٹھی ہوئی پستہ قد اور قابل رشک صحت کی مالک لڑکی ٹیلے رنگ کی چست چٹلون اور

کالے سوئٹر میں لمبوس ہے۔ سوئٹر لمبا ہی اس چھوٹا ہونے کی وجہ سے چٹلون تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا تھا۔ وہ بار بار دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر سوئٹر اور چٹلون کے درمیان کے فاصلے کو پر کرنے کی کوشش کرتی مگر ہاتھ کے ہٹتے ہی جسم کے بالائی حصے کے کھنچاؤ کی وجہ سے سوئٹر سکڑ کر پھر اپنی پرانی حالت پر آ جاتا اور چٹلون کی بیلٹ کے عین اوپر اس کا سفید پیٹ نظر آنے لگتا۔ دوسری لڑکی نے جس کا چہرہ لمبوتر تھا اپنے کندھوں پر ایک کھیں نما شال اوڑھ رکھی تھی۔“ (اندلس میں اجنبی)

نکلے تری تلاش میں اور خود بھی کھو گئے

ان کا پہلا سفر نامہ ”نکلے تری تلاش میں“ تھا جو 1970ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سفر نامے میں مستنصر حسین تارڑ نے کچھ ایسے خوبصورت کرداروں سے بھی ملاقات کرائی کہ قاری ان کرداروں کے حسن میں کھو جاتا ہے۔ جدید سفر ناموں میں اس قسم کی ملاقاتوں کا انداز افسانوی اور داستانی ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خوبصورت لڑکیاں ان سفر نگاروں کی منتظر رہتی ہیں، بس ان کا گھر سے نکلنا شرط ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے یہاں اس قبیل کے کرداروں کی تعداد نسبتاً کم ہے مگر ربیکا بہر حال موجود ہے جو اس کے پہلے سفر و بیس میں اس سے ملتی اور قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ بہر حال مستنصر سفر نامے کو نئی جہت دینے والے سیاح ہیں۔

پچاس سیے زائد کتابوں کا مصنف

مستنصر حسین تارڑ نے پچاس سے زائد کتب لکھیں ان کی وجہ شہرت ان کی سفر نگاری ہے۔ اگرچہ انھوں نے ناول اور ڈرامہ نگاری، افسانہ نگاری بھی کی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ یکم مارچ 1939ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مشن ہائی سکول ریگ محل اور مسلم ماڈل ہائی سکول سے تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج سے ایف اے کرنے کے بعد انھوں نے برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں کا رخ کیا جہاں انھیں فلم تھئیٹر اور ادب کو نئے زاویے سے سمجھنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ 1957ء میں شوق آوارگی انھیں ماسکو میں منعقد ہونے والے یوتھ فیسٹول میں لے گیا جس کی رویت ادا انھوں نے روزنامہ ”قدیل“ میں شائع کی۔ 1969ء میں وہ یورپی ممالک کی سیاحت پر روانہ ہوئے اور پھر انھوں نے ”نکلے تری تلاش میں“ اپنا پہلا سفر نامہ مرتب کیا اور پھر یہ سلسلہ 2016ء تک چلتا رہا اور انھوں نے تقریباً 22 سفر نامے لکھے۔

(89)

1970ء۔ عطا الحق قاسمی

شوق آوارگی میں قاسمی صاحب نے بعض مقامات پر امریکی معاشرے کو طنز و تشبیہ کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ عطا الحق قاسمی کے سفر ناموں سے کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ کسی ایسی جگہ کے حالات لکھ رہے ہیں جہاں پہنچ کر لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے ہیں۔

عطا الحق قاسمی پاکستان کے ایک طرح دار ادیب، سفر نامہ نگار اور مزاحیہ کالم نگار ہیں۔ وہ ایک طویل عرصہ سے روزنامہ ”جنگ“ سے وابستہ ہیں۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد تدریس سے وابستہ ہو گئے اور ایم اے او کالج لاہور میں لیکچرار کی خدمات انجام دیں۔ نو اے وقت میں ایک عرصہ تک ”روزن دیوار“ کے نام سے مزاحیہ کالم لکھتے رہے ہیں۔ اس پر انھیں آدم جی ایوارڈ بھی ملا تھا۔ ”خند کرر“ ان کی اہم تصنیف ہے۔ اخباری کالموں کا دوسرا انتخاب ”عطایئے“ ہے شوق آوارگی، جلا وطن اور مسافرتیں ان کے سفر نامے ہیں۔

عطا الحق قاسمی کے بارے میں خالد محمود صاحب اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ قاسمی صاحب ایک یار باش قسم کے زندہ دل، لطیف، سنج، جملے باز اور مچھلے انسان ہیں۔ احباب کی محفلوں میں ان کے جملوں کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی ہے۔ قاسمی صاحب نے امریکہ کا سفر کیا تو یہ ساری خصوصیات ان کے ساتھ تھیں اور جب سفر نامہ لکھنے بیٹھے تو اپنے قلم کو اور لطیف اور گفتہ بنالیا۔ اس سفر نامہ کا نام ”شوق آوارگی“ ہے اس نام ہی سے ان کی اقتدا طبع کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

شوق آوارگی

عطا الحق قاسمی ایک تخلیق کار ہیں۔ سفر نامہ لکھتے وقت بھی یہ تخلیق کار ان کے ساتھ رہتا ہے اور کامیاب و قانع نگار کے انداز میں سفر نامہ ڈکلیٹ (Dictate) کراتا ہے۔ شوق آوارگی میں قاسمی صاحب نے بعض مقامات پر امریکی معاشرے کو طنز و تشبیہ کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ عطا الحق قاسمی کے سفر ناموں سے کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ کسی ایسی جگہ کے حالات لکھ رہے ہیں جہاں پہنچ کر لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے ہیں بلکہ اکثر مقامات

پر وہ ایک ایک فاتح نظر آتے ہیں جو اپنے مفتوحہ علاقے کی سیر کو نکلتا ہے۔ ایک منظر دیکھیے اور ایک مقام پر سفر کے دوران پیش آنے معمولی اور عام واقعہ کو عطا الحق قاسمی کے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے ملاحظہ کیجیے:

شوق آوارگی سے اقتباس

”ہم اب تک دو تین میل دور نکل چکے تھے لیکن وہ ڈیپارٹمنٹل سنور کہیں نظر نہیں آیا جہاں مسعود مجھے لے جانا چاہتے تھے۔ یہاں سڑکوں کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جہاں روزمرہ کی چیزیں دستیاب تھیں۔ طویل سفر اور صلیبیں اٹھا کر چلنے کی وجہ سے میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اوپر سے اس واک نے میرے لیے مرے کو مارے شاہ مدار والی صورت حال پیدا کر دی۔ اس پر میں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور زمین پر پھٹلا (چوڑی) مار کر بیٹھنے کو تھا کہ مسعود نے ہنستے ہوئے مجھے اس حرکت سے باز رہنے کو کہا اور برابر والی دکان کے کاؤنٹر والی لڑکی سے راستہ پوچھنے کے لیے اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ دور سے میں نے دیکھا تو لڑکی کے پتھری ایسے ہونٹ اور مسعود کی کمائی دار گردن حرکت میں تھے، وہ گردن کو کبھی آگے پیچھے ہلاتا اور کبھی بڑی بیدردی سے بانیں یا دائیں لڑھکا دیتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دکان سے باہر نکلا۔ ٹھیک ہے میں سمجھ گیا اور مجھے ایک بار پھر پیچھے لگا لیا۔“ (شوق آوارگی صفحہ 349)

(90)

1975- پال تھیراکس

PAUL THEROUX

یہ سفر نامہ بطور سفر نامہ نگار اس کی پہلی کامیابی تھی اور بعد ازاں اس شاہکار نے سفر ناموں کی صنف میں ایک کلاسیک کا درجہ حاصل کر لیا

پال تھیراکس (1941ء-؟) ایک امریکی سفر نامہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ وہ اپنے سفر نامہ ”دی گریٹ ریلوے بازار (The Great Railway Bazar) کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کا یہ سفر نامہ 1975ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے بے شمار ناول ایسے ہیں جن پر بعد ازاں فخر قلمیں بنائی گئیں جیسے 1981ء میں شائع ہونے والا ناول (The Mosquito coast) ایک ایسا شاہکار ناول ہے جس پر اسے ایوارڈ دیا گیا اور اسی نام سے اس ناول پر فخر قلم بھی بنائی گئی تھی۔

مالاوی میں ناول پر پابندی

پال تھیراکس امریکی ریاست میساچوسٹس میں پیدا ہوا اور رومن کیتھولک والدین کا بیٹا تھا۔ اس کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھیں اور اس کا باپ ایک سلازمین تھا۔ پال تھیراکس نے میڈورڈ ہائی اسکول میں تعلیم پائی اور پھر یونیورسٹی آف میساچوسٹس سے 1963ء میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ 1963ء ہی میں پال تھیراکس نے افریقی ملک مالاوی Malawi میں ایک استاد کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اس دوران اس نے مالاوی کے وزیر اعظم کے ایک مخالف کی یوگنڈا کی طرف فرار ہونے میں مدد کی جس کی پاداش میں اسے مالاوی سے نکال دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس نے اپنا ناول Jungle Lover لکھا جس پر مالاوی میں تیس سال تک پابندی عائد رہی کہ اس ناول میں اس نے مالاوی کے سیاسی معاملات کو پیش کیا تھا۔

پال تھیراکس اس کے بعد یوگنڈا آ گئے اور میکرو یونیورسٹی میں پڑھانے لگے۔ یوگنڈا میں قیام کے دوران

1967ء میں اس کا پہلا ناول Waldo شائع ہوا تھا 1972ء میں پال تھیرا کس لندن میں رہائش پذیر تھا کہ اس نے برطانیہ سے جاپان تک بذریعہ ٹرین سفر کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے اس سفر کی روئیداد ہی 1975ء میں ”دی گریت ریلوے بازار“ کے نام سے چھپی تھی اور اس کا مشہور زمانہ سفر نامہ بن گئی تھی۔ یہ سفر نامہ بطور سفر نامہ نگار اس کی پہلی کامیابی تھی اور بعد ازاں اس شاہکار نے سفر ناموں کی صنف میں ایک کلاسیک کا درجہ حاصل کر لیا۔ اس سفر نامہ کے بعد پال تھیرا کس نے کئی اور سفر نامے بھی لکھے جن میں The Old Patagonian Express جو بوئنس آیرس سے ارجنٹینا تک ریل میں سفر کی کہانی پر مشتمل سفر نامہ ہے۔ اس کے علاوہ Kingdom By Sea برطانیہ کے جزائر کے پیدل سفر کی روئیداد ہے۔ اس کے علاوہ اس نے قاہرہ سے کیپ ٹاؤن تک براعظم افریقہ کے اندرون میں سفر کیا اور The Dark Star Safari سفر نامہ لکھا۔

مقبول ترین سفر نامہ

اس کا سفر نامہ ”دی گریت ریلوے بازار“ اس کے 1973ء میں لندن سے براعظم یورپ اور مشرق وسطیٰ سے ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک سے گزر کر جاپان تک چار مہینے پر مبنی سفر کی داستان ہے۔ اس سفر میں واپسی اس نے فرانس ساہمرین ریلوے میں سفر کر کے کی تھی۔ اس سفر کا پہلا حصہ بھارت تک سفر پر مشتمل ہے اور Hippie Trail کہلاتا ہے۔ ”دی گریت ریلوے بازار“ کی تقریباً 15 لاکھ جلدیں فروخت ہوئیں اور یہ ایک بیسٹ سیلر کتاب ثابت ہوئی۔

انتیس سال بعد دوبارہ

2006ء میں پال تھیرا کس نے اپنے 1973ء سے سفر کا اعادہ کیا اور دوبارہ برطانیہ سے جنوب مشرقی ایشیا تک ریلوے میں سفر کیا۔ اس نے انتیس سال بعد دوبارہ کیے گئے اپنے اس سفر میں لوگوں اور مقامات کو بہت بدلا ہوا پایا۔ اگرچہ وہ اپنے پہلے سفر نامہ کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہو چکا تھا مگر اس نئے سفر میں ان ملکوں کے لوگوں نے اسے نہیں پہچانا۔ اپنے اس نئے سفر کی روئیداد اس نے اپنے ایک نئے سفر نامہ Ghost Train To Easter Star میں پیش کی

(91)

1978- ممتاز مفتی

ممتاز مفتی صاحب ابوان ادب کی سربراہ آوردہ شخصیت ہیں۔ ان کے علی پور کے اہلی کوکون نہیں جانتا؟ ممتاز مفتی صاحب (1905ء۔) ممتاز افسانہ نگار، ناول نویس اور سفر نامہ نگار۔ مشرقی پنجاب میں پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ مختلف اسکولوں میں بارہ سال تک تدریس کے فرائض ادا کیے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان ایروفرس، آزاد کشمیر ریڈیو، پبلک سروس کمیشن میں اور وزارت اطلاعات میں خدمات انجام دیں۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ان کے افسانے اور ناول ہیں۔ امیر خسرو کے عرس کی تقریبات میں شرکت کے لیے بھارت گئے تھے۔ وطن واپس پر ”بھارت، یا تیرا“ نامی سفر نامہ لکھا۔ اسی طرح خود لکھتے ہیں کہ 1968ء میں انھوں نے حج میں حاضری دی تھی۔ واپسی پر ان کے دل میں آیا کہ حج بیت اللہ پر کچھ لکھیں۔ قاسم محمود صاحب جو ان دنوں سیارہ ڈائجسٹ کے مدیر تھے ان کے اصرار پر انھوں نے حج بیت اللہ پر اپنے رپورٹاژ قلم بند کرنا شروع کیے جو سولہ قسطوں میں سیارہ ڈائجسٹ میں شائع ہوئے۔ مفتی صاحب اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانا چاہتے تھے مگر بقول ان کے اسلام کے اجارہ داروں نے انھیں اس مقدس موضوع پر لکھنے سے روک دیا۔ 1978ء میں مفتی صاحب کا یہ رپورٹاژ ”لبیک“ کے نام سے ایک کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے چند ابواب کا اضافہ بھی کیا۔

تخریب و تعمیر کار رپورٹاژ

”لبیک“ کے متعلق نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ کہا جاسکتا ہے کہ ممتاز مفتی نے حقیقت کے مینار کو منہدم کر کے نور کا مینار استوار کیا ہے اور ”لبیک“ اسی تخریب و تعمیر کار رپورٹاژ ہے۔ اس رپورٹاژ میں ممتاز صاحب کا لہجہ بیک وقت احساس شکست کی عکاسی بھی اور احساس فتح مندی بھی۔ اس سے مترشح اور یہ تا سلیجیا اور فینکسی کا دلچسپ امتزاج ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

صحرا کعبہ میں

”عین اس وقت زائرین کے انہو سے ایک شورا اٹھا حاضر ہوں اے میرے اللہ میں تیرے حضور حاضر ہوں۔ سارا میدان لہیک کے نعروں سے گونج اٹھا۔

وہ سب مغرب کی طرف رخ کیے کھڑے تھے اور سورج کی طرف دیکھ رہے تھے جو تیزی سے افق کی جانب گرنا جا رہا تھا۔

جوں جوں وہ لہیک پڑھتے جاتے ان کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ جذبہ جوار بھانا بننا جا رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی تہیں بھول چکے تھے۔ تبیں ان کے ہاتھوں میں یوں لٹک رہی تھیں جیسے بے جان ہو چکی ہوں۔ وہ سفید پتھر کو بھول چکے تھے۔ وہ پتھر جو ج سے لے کر اب تک ان کا نگاہوں کا مرکز بنا رہا تھا۔ وہ پتھر جسے وہ عملی طور پر نہ سہی لیکن ذہنی طور پر سجدے کرتے رہے تھے۔ وہ پتھر اب اتنی بڑی بھیڑ میں اکیلا تھا۔ چاروں طرف جذبات کا تلاطم بڑھتا جا رہا تھا۔“

(لیک صفحہ 150)

مدینہ منورہ میں حاضری

مفتی صاحب مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر لکھتے ہیں:

”نال مرے کوئی چلے۔“

پھر جب ہم مدینہ شریف میں پہنچے تو قدرت نے کہا تھا کہ آپ مسجد نبوی ہو آئیں میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ حاضری دے سکوں اور میں خوشی خوشی مسجد تک پہنچا لیکن اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی تھی اور میں مسجد کے گرد طواف کرتا رہا تھا۔

اس روز 16 مارچ کا دن تھا۔ 1968ء میں سال تھا۔ مسجد نبوی میں ابھی فجر کی اذان نہیں ہوئی تھی۔

اس روز بھی قدرت نے مجھے صبح کا ذب کے منہ اندر میرے میں جگایا دیا تھا۔ پھر ہم دونوں باب

جبرائیل میں داخل ہو کر حجرہ پاک میں پہنچے تھے۔“ (لیک صفحہ 227)

(92)

1980-مچل پالین

MICHAEL PALIN

مچل پالین ایک انگریز مزاح نگار، اداکار اور مصنف ہیں۔ وہ ٹیلی وژن پر پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق ایک مزاحیہ گروپ مانٹی پائٹھن Monty Python سے ہے۔ مزاح نگاری کرتے کرتے انھوں نے سفر نامہ نگاری بھی شروع کی اور ٹیلی وژن کے لیے کئی سفری دستاویزی فلمیں بھی بنائیں۔ اس سلسلے میں پالین نے قطب شمالی، قطب جنوبی کے علاوہ صحارا، ہمالیہ، مشرقی یورپ اور جنوبی امریکہ میں برازیل تک سفر کیے۔ 2000ء میں مچل پالین کو سفری دستاویزی فلمیں بنانے پر کماٹھرا آرڈر آف دی برٹش ایمپائر کا اعزاز دیا گیا۔ اس کے علاوہ 2009ء سے 2012ء تک مچل پالین رائل جغرافیہ کل سوسائٹی برطانیہ کا صدر بھی رہا۔ 12 مئی 2013ء کو پالین کو BAFTA کی فیلوشپ دی گئی جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا ایوارڈ تھا۔

دنیا کے گرد ریلوے سفر

مچل پالین کی پہلی سفری دستاویزی فلم Documentary بی بی سی ٹیلی وژن کی فلم سیریز Great Railway Journey of the World تھی جو 1980ء میں پیش کی گئی۔ اس سفری دستاویزی فلم کی تیاری کے لیے مچل نے یونائیٹڈ کنگڈم برطانیہ میں لندن سے کیل آف لوکاش تک ریلوے میں سفر کیے۔ اسی سیریز کے تحت پالین نے 1994ء میں آئرلینڈ کے گوشے گوشے تک سفر کیے۔ 1989ء میں مچل پالین نے بی بی سی ٹیلی وژن سے Around the World In 80 Days نامی پروگرام کیا جس میں اس نے جوئیس ورن کے اس ناول میں دیے گئے سفر کی تھلیڈ میں دنیا کے گرد سفر کیا۔ اس پر اس کی دستاویزی فلم بڑی مقبول ہوئی۔

قطب شمالی سے قطب جنوبی تک

اس کی ایک اور اہم دستاویزی فلم Pole To Pole تھی جو 1992ء میں بھی ریلیز ہوئی۔ یہ چل کے قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کیے گئے سفر کی روئیداد تھی۔ 1995ء میں چل نے Ful Circle With Michale ٹیلی وژن پروگرام کیا جو بحر الکابل کے ارد گرد واقع سرزمینوں کا سفر تھا۔ اس سفر میں چل نے تقریباً پچاس ہزار میل یا اسی ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ اس کا یہ سفر ڈائمنڈ آئی لینڈ سے شروع ہو کر آبنائے بیرنگ پر ختم ہوا تھا۔ اس پروگرام میں اس نے براعظم ایشیا، امریکہ اور اوشیانیا کا سفر کیا تھا۔

ہیمنگوے کے نقش قدم پر

1999ء میں چل پالن نے ارنسٹ ہیمنگوے کی نقش قدم پر نامی پروگرام کیا اور اس مشہور امریکی ادیب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امریکہ، یورپ، افریقہ اور بحیرہ کیریبین کا سفر کیا۔ 2001ء اور 2002ء میں پیش کیا جانے والا پروگرام Sahara With Michael Palin یہ مشہور زمانہ صحرائیں کیے گئے سفر کی دستاویزی فلم سیریز تھی۔ 2003ء اور 2004ء میں چل پالن نے Himalaya With Plain نامی سفری دستاویزی پروگرام کیا۔ اس ٹیلی وژن پروگرام میں چل پالن نے ہمالیائی خطوں کا سفر کیا۔

2006ء میں اس کا پروگرام Michael Palin's New Europe پیش کیا گیا جس میں اس نے وسطی یورپ اور مشرقی یورپ کے ملکوں کا سفر کیا۔ بعد ازاں چل پالن نے اسی نام سے سفر نامہ بھی تحریر کیا۔

پاکستان کے علاقوں پر ٹیلی سیریز

چل پالن نے درہ خیبر، پشاور اور چترال، گلگت اور K2 کی چوٹی تک سفر کی ایک سیریز بھی کی تھی۔ پاکستان میں اس نے اپنا پروگرام North By North West بھی کیا تھا۔ برصغیر کے بارے میں اس کا ایک اور پروگرام A Passage to India نامی پروگرام ہے۔ تبت کے بارے میں اس نے The Roof of the World نامی پروگرام کیا۔ اسی طرح بھوٹان سے خلیج بنگال تک اس کا ایک اور ٹیلی پروگرام ہے جو اس کے بھوٹان سے بنگلہ دیش تک کے سفر پر مشتمل ہے۔ اپنے سفروں پر چل پالن نے سفر نامے بھی لکھے ہیں جن میں Sahara سب سے اہم کتاب یا سفر نامہ ہے۔ بہر حال وہ جدید زمانے میں دنیا کے مختلف خطوں میں کیے گئے اپنے سفارت کی وجہ سے جدید زمانے کا سب سے زیادہ سفر کرنے والا "ٹیلی سیاح" قرار پاتا ہے۔

(93)

1986- ڈینی سن بیروک

DENNISON BERWICK

دریائے گنگا کے کنارے

ڈینی سن بیروک ایک برطانوی نژاد کینیڈین سفر نامہ نگار ہے۔ وہ برطانوی قبضے مغربی یارک شائر میں 19 مئی 1956ء کو پیدا ہوا۔ اس نے ٹرنٹی کالج سے تعلیم حاصل کی۔ 1980ء میں وہ کینیڈا منتقل ہو گیا۔ 1986ء میں اس نے بھارت کے مشہور دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ تقریباً 3000 کلومیٹر کا پیدل سفر کیا۔ اس کے علاوہ اس نے جنوبی امریکہ میں بہنے والے مشہور دریائے ایمیزن Amazon کے کناروں پر بھی سفر کیا۔ ان دونوں سفروں کی روئیداد اس نے اپنے سفر ناموں A Walk Along The Ganges اور Amazon and Savages میں تحریر کی۔ اس کے علاوہ اس نے کینیڈا کے مسیحی عبادت گاہوں کے متعلق Canada Retreat Guide ایک گائیڈ بھی مرتب کی ہے۔ 2004ء میں آنے والے سونامی کے بعد ڈینی سن بیروک انسانی ہمدردی کی بنیاد پر انڈونیشیا میں ساٹرا اور دیگر جزائر پر بھی خدمات انجام دیتا رہا۔ اس کا سفر نامہ ”گنگا کے ساتھ ساتھ A Walk Along the Gnges 1986ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سفر نامے میں اس نے اپنے گنگا کے ساتھ کیے ہوئے 2000 میل کے پیدل سفر کی روئیداد بیان کی ہے۔ گنگا کے کنارے سفر کرنے کا تصور اس کے ذہن میں بچپن میں آیا تھا اور جب سے ہی وہ اپنے اس تصور کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے اپنا یہ طویل پیدل سفر مکمل کیا اور اس کی روئیداد قلم بند کر کے شائع کرائی۔

(94)

ڈاکٹر سلیم اختر

ادب اور لاشعور پر انھیں دائود ادبی انعام ملا۔

ڈاکٹر سلیم اختر (1934ء۔) ادیب، نقاد اور محقق، پنجاب یونیورسٹی سے 1961ء میں ایم اے کیا۔ کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری میں خدمات انجام دیں۔ پھر 1962ء میں ایمرن کالج ملتان، گورنمنٹ کالج، وحدت روڈ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1972ء میں واپس لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ 1978ء میں اردو میں تنقید کا نفسیاتی دبستان کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ 1959ء سے افسانے، تنقیدی مضامین اور نفسیاتی مضامین لکھنے کا آغاز کیا تھا اور ہر سال اردو ادب کا جائزہ پیش کرتے رہے ہیں۔ ادب اور لاشعور پر دائود ادبی انعام ملا۔

اہم تصانیف میں باغ و بہار، نگراقبال کے منور گوشے، عورت، جنس اور جذبات، مرد جنس کے آئینے میں، اقبال ممدوح عالم، عجب سیرتھی وغیرہ ہیں۔

”عجب سیرتھی“

”عجب سیرتھی“ اس کا سفر نامہ ہے جو انھوں نے بھارت کی سیاحت پر لکھا ہے۔ وہ خود اس سفر نامہ کے آغاز میں

لکھتے ہیں کہ:

”پیارے قارئین! اگر آپ نے اس اسلوب کے رومانی جذباتی بلکہ جہانی سفر نامے کی توقع پر اس

تحریر کا مطالعہ شروع کیا ہے تو براہ کرم اپنا وقت ضائع مت کیجیے، کہیں اور دستک دیجیے۔ میں تو ایک

بے ضرر قلم کار اور خشک مقالات قلم بند کرنے والا نقاد ہوں۔ لہذا میری بھارت یا ترائیں آپ کو ایسا

مصالح یا پھر گرم مصالح نہیں ملے گا بلکہ میں تو خود اس ٹھنڈے میں ہوں کہ یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اسے سفر نامہ بھی کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ شاید یہ رپورٹ تاڑ ہو، ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سرے سے کچھ بھی نہ ہو بجز یادوں پر مبنی ایک تاثراتی تحریر کے۔“

یوں انہوں نے اپنے اس سفر نامے ”عجب سیر تھی“ کا آغاز ہی عجیب طریق پر کیا ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: ”صاحبو! قصہ مختصر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا تھا ہم بھارت نہ جاسکے تھے، حالانکہ بچپن اپنا اہمالہ، بمبئی اور پونا میں گزرا تھا مگر بھارت جانے کی صورت نہ بنی تھی۔ لہذا جب پروفیسر نذیر احمد صاحب کی طرف سے غالب انشٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) کے بین الاقوامی، غالب سیمینار میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ ملا تو دلی مسرت ہوئی۔ یہ سیمینار دسمبر میں ہونا تھا اور دعوت نامہ دو تین ماہ پہلے ملا تھا۔“

ماریشس اور ڈنمارک کے سفر کی روئیداد

عجب سیر تھی“ میں ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اپنے ماریشس میں قیام اور ڈنمارک کے سفری روئیداد بھی بیان کی ہے۔ ماریشس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”تو صاحبو! افریقہ کے پہلو میں بحر ہند کا یہ جزیرہ بلحاظ آسٹریلیا کا ہم پلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یورپ کے ٹورسٹ سردی سے بھاگ کر اور ایشیائی گرمی سے گھبرا کر ماریشس کا رخ کر سکتے ہیں۔ یقیناً قدرت ماریشس پر مہربان ہے۔ قدرت پھلوں اور نایاب پھولوں کے ساتھ اور بھی کئی رخ سے مہربان ہے۔“

(95)

اشفاق احمد

تلقین شاہ ان کا مشہور ریڈیو فچر تھا۔ متعدد کتابوں پر انھیں انعام ملا۔
پاکستان کی ایک علمی و ادبی شخصیت تھے۔

اشفاق احمد (1925ء) معلم، صحافی، ادیب، ڈرامہ نگار اور سفر نامہ نگار کٹر ضلع فیروز پور بھارت میں پیدا ہوئے اور نمٹ کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا اور دیال سنگھ کالج لاہور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ پھر دو سال روم یونیورسٹی اٹلی میں اردو کے لیکچرار رہے۔ وطن واپسی پر ماہنامہ لیل و نہار نکالا۔ پنجاب یونیورسٹی اور پینٹل کالج میں پنجابی کے اعزازی لیکچرار رہے۔ اسی دوران آرسی ڈی کی علاقائی تنظیم کے ثقافتی انشی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر رہے اور مرکزی اردو ترقیاتی بورڈ وزارت تعلیم لاہور کے ڈائریکٹری حیثیت سے بھی فرائض ادا کیے۔ وہ پنجابی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور اطالوی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ تلقین شاہ ان کا مشہور ریڈیو فچر تھا۔ متعدد کتابوں پر انھیں انعام ملا۔ ان کی اہم تصانیف ”ناہلی دے تھلے“ شہر کنارے، ابلے پھول و دواع جنگ، مہمان بہار اور سفر در سفر شامل ہیں۔

ہندوستان کی مسلم تاریخ میں سفر

سفر در سفر ان کا سفر نامہ ہے جس میں وہ بیک وقت براعظم یورپ اور اس کی تاریخ و جغرافیہ میں سفر کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے پاکستانی شمالی علاقوں کے سفر کو بھی بیان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستان کی مسلم تاریخ میں بھی سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”یوں تو بہت سے بادشاہوں کی زندگیاں فسق و فجور وار لہو و لعب میں گزریں اور ان کے مظالم سے بستیوں کے در و دیوار خون ناحق سے رنگین ہوتے رہے اور اس کے باوجود ان کے عہد کی دستوں میں کمی نہ ہوئی لیکن مردان درویش اور مقرران الہی کی بے ادبی کرنے والے بادشاہوں کے

اوقات ان پر جلد ہی تنگ ہو گئے..... سلطان قطب الدین مبارک شاہ پر جب فضل ایزدی کے دروازے بند ہوئے تو اس نے اچانک حضرت نظام الدین اولیا کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور بے شرمی سے کہا کرتا تھا کہ جو حضرت نظام الدین کا سر کاٹ کر لائے.....“

(96)

ذوالفقار احمد تابش

ذوالفقار احمد تابش نے سفر نامہ نگاروں میں خوبصورت اسلوب کے مالک ہیں جو ایک اچھے سفر نامے کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ تجربات کا تنوع، مشاہدے کی وسعت، اظہار کی صداقت ان کے سفر ناموں کی خوبیاں ہیں۔ ذوالفقار احمد تابش میں اخلاقی جرات کمال کی ہے۔ وہ مناظر و مظاہر کے منہ میں زبان رکھ دینے کے فن سے واقف ہیں۔ فطری مناظر سے ہم کلامی انھیں بہت پسند ہے۔ ایسے مواقع پر ان کے جذبات و احساسات میں وارفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے سفر کی ایک منزل سری لنکا ہے جس کا تہذیبی مزاج بظاہر ان کے متصوفانہ تصورات سے متصادم نظر آتا ہے مگر ذوالفقار احمد تابش متضاد مزاج رکھنے والے حریفوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اجنبی ملک کا جغرافیہ ہو یا تاریخ انھیں ہر چیز سے دلچسپی ہے۔ رہن سہن اور رسوم و رواج سے واقفیت حاصل کرنا انھیں بہت پسند ہے۔ بے جان مناظر کو وہ اپنے قلم سے جاندار بنا دیتے ہیں۔ معمولی سے معمولی اور غیر اہم واقعہ کو یادگار بنا دیتا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

نثر میں شاعری

ذوالفقار احمد تابش نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب نگارش میں انشائیہ کی جھلک ہے مناظر حسن انھیں حیرت و مسرت کے جذبات سے لبریز کر دیتے ہیں اور وہ ان جذبات کو اپنے لطیف و تکلفہ اسلوب نگارش کے وسیلے سے قاری کی طرف منتقل کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

”راؤنڈ دی ورلڈ“ ذوالفقار احمد تابش کا ایسا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے اپنے دنیا میں گردش کی روئیداد

بیان کی ہے۔ اسی طرح ”جوار بھاتا“ بھی ان کا اہم سفر نامہ ہے۔

(97)

1989ء۔ حکیم محمد سعید دہلوی

حکیم محمد سعید نے سفرنامہ لکھنے کی روایت میں ایک صاف سحرے اور شائستہ اسلوب کا اضافہ کیا اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے

حکیم محمد سعید دہلوی (1920-1998ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ یونانی طبیبہ کالج دہلی میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور 1948ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ شعبہ طب میں خدمات انجام دے کر دنیا بھر میں شہرت و عزت پائی۔ سندھ کے صوبائی گورنر کے منصب پر فائز رہے۔ انھیں پیشہ ورانہ مصروفیات کے سبب دنیا بھر کے ممالک کی سیاحت کا موقع ملا اور انھوں نے بہت سے سفرنامے لکھے جن میں نقش سفر، جاپان کہانی، سعید سیاح قطر میں، درون روس، سعید سیاح قاہرہ میں اور سعید سیاح اسکندریہ میں وغیرہ وغیرہ۔ حکیم محمد سعید نے سفرنامہ لکھنے کی روایت میں ایک صاف سحرے اور شائستہ اسلوب کا اضافہ کیا اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ یہاں ہم ان کے دو سفرناموں کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سے ایک ”درون روس“ اور دوسرا ”نقش سفر“ ہے۔ پہلے کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ روس کے سفر کی روئیداد ہے جبکہ نقش سفر ان کے سفر مصر کی کہانی ہے۔

حکیم صاحب ماسکو میں

نومبر 1989ء حکیم محمد سعید صاحب روس کے دورے پر گئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ماسکو میں اس دن درجہ حرارت 3 سنی گریڈ تھا۔ یعنی منفی درجہ حرارت سے صرف تین درجہ بلند۔ اس کا مطلب تھا کہ ماسکو میں شدید سردی تھی۔ اس دورے میں حکیم محمد سعید صاحب نے روس میں ماسکو، تاشقند، ہاکو، لینن گراڈ کی سیاحت کی۔

سیاحت نامہ مصر

حکیم محمد سعید صاحب کا دوسرا سفرنامہ ”نقش سفر“ مصر کا سیاحت نامہ ہے۔ حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ ہم قاہرہ

کے بازاروں میں کافی گھومے۔ اس دن قاہرہ میں یوم آزادی منایا جا رہا تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب نے اس سفر نامے میں قاہرہ کے قریب واقع اہرام مصر اور ابوالہول کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس سفر نامے کے علاوہ حکیم صاحب نے بچوں کے لیے دو سفر نامے سعید سیاح اسکندریہ میں اور سعید سیاح قاہرہ میں لکھے ہیں جن میں آسان پیرائے میں اپنی سیاحت مصر بیان کی ہے۔

(98)

1995۔ بل برائنسن

BILL BRYSON

CNN ٹیلی وژن نے اپنے ایک تبصرے میں A Walk In the woods کو انگریزی زبان میں لکھا جانے والا سب سے بہترین سوانحیہ سفر نامہ قرار دیا ہے اور نیویارک ٹائمز نے کہا تھا کہ اس سفر نامے کے اوراق کو پلٹتے ہوئے قاری خود کو بل برائنسن کے اس سفر میں شریک پا تا ہے۔

بل برائنسن (1951ء -) ایک مشہور اینگلو امریکن سفر نامہ نگار ہے۔ وہ امریکہ میں پیدا ہوا اور بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد سے برطانیہ میں مقیم ہے۔ 1995ء سے 2003ء تک وہ واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ 2005ء تک وہ درجیم یونیورسٹی کا چانسلر رہا۔

بل برائنسن کو برطانیہ میں اس کے سفر نامہ Notes From a Small Island سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس سفر نامے میں اس کی جزائر برطانیہ کی سیاحت کی روئیداد بیان کی گئی ہے۔ یہ سفر نامہ 1995ء میں شائع ہوا تھا۔ 2003ء میں شائع ہونے والی اس کی کتاب A Short History of Nearly Every Thing نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

بل برائنسن امریکی ریاست آیووا Iowal میں پیدا ہوا اور اس نے 1973ء میں پہلی مرتبہ برطانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے برطانیہ ہی میں مقیم ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک دماغی ہسپتال میں ملازمت اختیار کی تھی اور شادی کے بعد وہ 1975ء میں واپس امریکہ چلا گیا جہاں اس نے 1977ء میں ڈریک یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے صحافت کو بطور پیشہ اپنایا اور اخبار Borne Mouth Evening Echo کے لیے کام کرنے لگا اور ایڈیٹر کے عہدے تک پہنچا۔ 1987ء میں اس نے صحافت کو چھوڑ دیا اور 1990ء میں آزادانہ طور پر لکھنے لگا۔ 1990ء کی دہائی میں وہ امریکہ میں مقیم تھا مگر اس دوران اس نے برطانوی اخبارات کے لیے لکھنے کا سلسلہ

جاری رکھا۔ برطانوی اخبارات میں چھپنے والے یہ کالم بعد ازاں I Am A Stranger Here Myself نامی کتاب میں شائع ہوئے۔

بطور صحافی بل برائن نے 2006ء میں اس وقت کے وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیر سے سائنس اور تعلیم کے موضوع پر ایک انٹرویو کیا جو کافی مقبول ہوا۔

A Walk In The woods: Red Is Covering America On The Appalchian Trail اس کی 1998ء میں شائع ہونے والی خودنوشت ہے۔ یہ کتاب مزاح کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ یہ بل برائن اور اس کے دوست اسٹیفن کاٹز Stephen Katz کی امریکی جنگلات کی سیاحت کی روئیداد ہے۔ اس کتاب پر 2005ء میں ایک فچر فلم بنانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ فلم جنوری 2015ء میں نمائش کے لیے پیش کی گئی۔

CNN ٹیلی ویژن نے اپنے ایک تبصرے میں A Walk In the woods کو انگریزی زبان میں لکھا جانے والا سب سے بہترین مزاحیہ سفرنامہ قرار دیا ہے اور نیویارک ٹائمز نے کہا تھا کہ اس سفرنامے کے اوراق کو پلٹتے ہوئے قاری خود کو بل برائن کے اس سفر میں شریک پاتا ہے۔

(99)

1997ء۔ امجد اسلام امجد

امجد اسلام امجد کو محفہ حسن کارکردگی سے نوازا جا چکا ہے اور فی زمانہ کسی تعارف کے محتاج نہیں

امجد اسلام امجد، ستارہ امتیاز، پاکستان کے مشہور ڈامہ نگار شاعر اور سفر نامہ نگار ہیں۔ انھیں ان کی ادبی خدمات پر حکومت پاکستان نے ستارہ امتیاز سے نوازا ہے۔

امجد اسلام امجد لاہور میں 1944ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائن سے گریجوایشن کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو ادب کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنے ادبی مستقبل کا آغاز ایم اے او کالج لاہور سے بطور ٹیکچرار کیا۔ بعد ازاں 1975ء سے 1979ء تک آپ پاکستان ٹیلی وژن کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ 1989ء میں آپ کو اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ چلڈرن لائبریری کے پروجیکٹ ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کرتے رہے ہیں۔

امجد اسلام امجد کے کئی ٹیلی وژن پر پیش کی جا چکی ہیں ان میں مشہور سیریز ”وارث“ بھی شامل ہے۔ 2008ء سے آپ روزنامہ ایکسپریس میں ”چشم تماشا“ کے نام سے کالم بھی لکھ رہے ہیں۔ امجد اسلام امجد کو محفہ حسن کارکردگی سے نوازا جا چکا ہے۔ ان کا سفر نامہ ”شہر در شہر“ ایک خوبصورت سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے اپنی ٹورنٹو کینیڈا کی سیاحت بیان کی ہے۔ رواں گئی سفر کے متعلق رقم طراز ہیں:

”ایر فرانس کے جیو جیٹ طیارے میں ہم تینوں کے علاوہ رنگد انسل کے صرف دو مسافر تھے ان میں سے ایک میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا کے تمام ملکوں کے باشندے نقوش کے اعتبار سے اتنی گہری مماثلت رکھتے ہیں کہ ان کی قومیت کا کوئی اندازہ نہیں ہو پاتا۔ میں نے اپنے ہم نشین کی طرف چور آنکھوں سے دیکھا جو انگریزی کا ایک ناول انتہائی خشوع و خضوع سے پڑھ رہا تھا۔ اس کا تعلق چین، جاپان، انڈونیشیا، کوریا، ویت نام یا اسی طرح کے کسی

بھی ملک سے ہو سکتا تھا۔ ہمارا پیرس پہنچنے کا وقت صبح سات بجے تھا جبکہ میری گھڑی ساڑھے نو بج رہی تھی۔ ہم نے سوچا ہم خواہ مخواہ اپنے پی آئی اے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ اس حمام میں تو سبھی نیچے ہیں۔ صبح اسی وقت ایرہوسٹس کی پہلے فرانسیسی اور پھر انگریزی میں آواز آئی کہ ہم پیرس کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں۔ وہاں درجہ حرارت 4 درجہ سنٹی گریڈ کا ہوگا اور پیرس کے وقت کے مطابق ہم وہاں سات بجے لینڈ کریں گے۔“ میں نے مڑ کر پروین کی طرف دیکھا وہ بھی اپنی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ مجھے ایک دم یاد آیا کہ دوپہر کی ایک فلائٹ پر بھی ٹائم زون کا یہ مسئلہ پیدا ہوا تھا۔“

(100)

2006۔ ایلزبتھ گلبرٹ

GILBERT ELIZABTH

1997ء میں ہی ایلزبتھ گلبرٹ کی پہلی تصنیف Pilgrimage کو مشکلات پر اتر ملا۔

ایلزبتھ گلبرٹ ایک امریکی مصنف، ناول نگار اور انشا پرداز، افسانہ نگار اور سفر نامہ نگار، ایلزبتھ اپنے شاہکار Eat, Pray . Love کی وجہ سے جانی جاتی ہیں۔ ان کی اس تصنیف کو نیویارک ٹائمز نے 2010ء میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتب قرار دیا تھا۔ 2010ء میں ان کی اس کتاب پر ایک فچر فلم بھی بنائی گئی تھی۔

ایلزبتھ گلبرٹ امریکی ریاست کنکٹی کٹ کے ایک قصبے واٹر بری Water Bury میں 18 جولائی 1969ء کو پیدا ہوئی۔ اس کے والدین سویڈن سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان دیہات میں ایسی جگہ رہتا تھا جہاں آس پاس کوئی ہمسایہ نہیں رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں ایلزبتھ گلبرٹ اور اس کی ایک بہن نے تصنیف و تالیف پر زور دیا۔ ایلزبتھ گلبرٹ نے نیویارک یونیورسٹی سے سیاسیات میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی اور ایک ویٹرس اور باورچی کے طور پر کام شروع کیا اور اپنی زندگی کے ان عملی تجربات کو ایک رسالے میں تحریری شکل میں پیش کیا۔ 1993ء میں اس کی کتاب Pilgrimage شائع ہوئی جو افسانوں کا ایک مجموعہ تھی۔ 1997ء میں اس نے اپنی یادداشتوں کو جو ایک بار میں کام کرنے والی لڑکی کی حیثیت سے مرتب کیا۔ 1997ء میں ہی ایلزبتھ گلبرٹ کی پہلی تصنیف Pilgrimage کو مشکلات پر اتر ملا۔

2006ء میں ایلزبتھ گلبرٹ کا سفر نامہ Eat, Pray, Love شائع ہوا جو ایک عورت کی اٹلی، بھارت اور انڈونیشیا میں ہر چیز کی تلاش کی کہانی ہے۔ اس کتاب کے لیے دنیا کا سفر کرنے کے لیے نے اپنے ناشر سے تقریباً دو لاکھ ڈالر بطور ایڈوانس حاصل کیے تھے۔ ایلزبتھ گلبرٹ کی ان سفری یادداشتوں پر مبنی اس کتاب کو نیویارک ٹائمز نے بہترین نان فکشن کتاب قرار دیا تھا۔

Eat, Pray, Love ایلزبتھ گلبرٹ کے دنیا کے گردشگری روئیداد ہے جو اس نے اپنے شوہر سے طلاق

لینے کے بعد کیا تھا۔ یہ کتاب 187 نئے نیویارک ٹائمز میں بیسٹ سیلر نان فکشن کتاب کے طور پر بہترین کتابوں میں فہرست میں شامل رہی تھی۔ بعد ازاں اس کتاب پر کولمبیا پبلیشرز نے اسی نام سے ایک فچر فلم بنائی جو اگست 2010ء میں ریلیز ہوئی تھی۔

32 سالہ ایلزبتھ گلبرٹ ایک کامیاب مصنف اور شادی شدہ خاتون ہے مگر اس کی پہلی شادی ناکام رہی اور طلاق پر ختم ہوئی۔ اس طلاق کے بعد اس نے اپنی زندگی کا اگلا سال دنیا کا سفر کرتے ہوئے بسر کیا۔ وہ چار ماہ تک اٹلی میں مقیم رہی اور زندگی کی خوشیوں کو سمیٹنے کی کوشش میں مصروف رہی۔ تین ماہ اس نے بھارت میں لگائے اور ہندو ازم کی روحانی تربیت پائی۔ اس سال کا اختتام اس نے انڈونیشیا کے جزیرے ہالی میں کیا اور وہ وہاں مقیم ایک برازیلی بزنس مین کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ کولمبیا پبلیشرز ایلزبتھ گلبرٹ کی اس سفری یادداشتوں پر مشتمل کتاب پر فلم بنانے کے حقوق خرید لیے اور اسی نام سے ایک فلم بنائی جس میں امریکی اداکارہ جولیا رابرٹ نے ایلزبتھ گلبرٹ کا کردار ادا کیا۔ اس فلم کو ہدایت کار ریان مرنی نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ یہ فلم اگست 2010ء میں ریلیز ہوئی جبکہ اس کتاب کو پیپلگوٹن بکس نے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب 352 صفحات پر مشتمل ایک جلد کتاب ہے۔

کتابیات

Travel in Arab Desert
Silent Traveller in London
Journey Without Maps
The Sun Also Rises
Arabian Sand
Seven Years in Tibet
Thrilling Cities
Wikipedia

Doughty
Chiangyee
Grahm Green
Hemingwax
Alfred Thesiger
Henrich Chapper
Ian Fleming
Traveller Book

ہیرڈوٹس

میکا سٹیمپر

سلیم الرحمن

المسودی

یاقوت الحمودی

مارکو پولو

مخدوم جہانیاں

ابن جبیر

ابن بطوطہ

الادریسی

تواریخ

اٹلیکا

یونانی مشاہیر

ابن فضلان کا سفر نامہ

تاریخ مسعودی

معجم البلدان

مارکو پولو کا سفر نامہ

سفر نامہ مخدوم جہانیاں

سفر نامہ ابن جبیر

سفر نامہ ابن بطوطہ

زینۃ المشتاق

اردو سفر نامے کا تنقیدی مطالعہ

1900 کا یورپ

منشی محبوب عالم

سفر نامہ حجاز

برکھارٹ

طوفان سے ساحل تک

محمد اسد لیو پولڈ

فرانس بریمیر کا سفر نامہ

فرانس بریمیر

شوق آوارگی

عطاء الحق قاسمی

اردو ادب میں سفر نامہ

انور سدید

الحمر کی کہانیاں

واٹکشن ارونک

نقشِ فرنگ

قاضی عبدالغفار

لبیک

ممتاز مفتی

سفر حجاز

عبدالماجد دریابادی

سفر نامہ افغانستان

سید سلیمان ندوی

نظر نامہ

محمود نظامی

کاروانِ حجاز

ماہر القادری

ساحل اور سمندر

احسان حسین

نکلے تری تلاش میں

مستنصر حسین تارڑ

ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ تک

عبادت بریلوی

دھنک پر قدم

بیگم اختر ریاض الدین

دنیا میرے آگے

جمیل الدین عالی

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

ابن انشا

سفر در سفر

اشفاق احمد

بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز

قیمت	مصنف	نام کتاب
800/-	اخلاق احمد قادری	دقائق سیرت نبوی ﷺ
550/-	مولانا اسلم زاہد	عہد نبوی کی قرآنی خواتین
800/-	ڈاکٹر سعید الحسن خان روہیلہ	تاریخ یورپ
400/-	مولانا عبدالحلیم شرر	تاریخ عصر قدیم
300/-	ضیاء الدین اکمل	تاریخ قدیم
350/-	ڈاکٹر سعید الحسن خان روہیلہ	قدیم دنیا کی تاریخ و تہذیب
425/-	ترجمہ: شیخ ریاض احمد	یعنی بال کی عسکری مہمات
350/-	باری علیگ	تاریخ کا مطالعہ
200/-	بدرالدین احمد	فتح قسطنطنیہ
200/-	خواجہ حسن نظامی دہلوی	سیر دہلی
350/-	عدنان رشید چودھری	واقعات عالم
200/-	ترجمہ محمد صفدر	ناقابل تخییر ذہن انسانی
300/-	محمد سعید	دنیا کا سب سے بڑا سوچ
470/-	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	تاریخ قیصران روم
550/-	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	تاریخ انحطاط زوال روما
300/-	حضرت داتا گنج بخش	کشف المحجوب

نام کتاب	مصنف	قیمت
ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ	وسیم احمد سعید	350/-
تاریخ فرعون	خواجہ حسن نظامی	400/-
قدیم مصر	جے آر رائے	200/-
حضرت خالد بن ولیدؓ	ابوزید حلیمی	300/-
مسلمان شاہی خاندان	شیخے لین پول	325/-
(ہیروڈوٹس کا سفر نامہ)	ترجمہ: شیخ ریاض احمد	200/-
سلطان صلاح الدین ایوبی	ترجمہ: فرید ابوحدید	360/-
مجموعہ حکایات سعدی و رودی	انتخاب: ڈاکٹر پروین کلو	650/-
تاریخ و اسرار ابراہام عالم	ترجمہ و تحقیق: اخلاق احمد قادری	500/-
ہنسی کے کرشمے	عبد الحمید عامر شیخ	330/-
گوتم بدھ	ڈاکٹر محمد حفیظ	240/-
تاریخ اقوام عالم قدیم	سینولیس	450/-
چنگیز خان اور منگول سلطنتیں	ترجمہ: جنید احمد	250/-
صحت مند طویل زندگی گزارنے کے		
سنہرے اصول	کلیل احمد	325/-
قدرت کی شفا بخش غذائیں	تالیف: سید ارتضیٰ علی کرمانی	450/-
دنیا کے 100 نامور سیاح		
اور ان کے سفر نامے	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	600/-